لقد جاءهم من الانباء ما فيه مزدجر حكمة بالغة

جلد اول

حکمۃ بالغۃ

فما تغن النذر

مؤلفہ

فاضل جلیل عالم نبیل عالیجناب مولانا مولوی ابو الجمال احمد مکرم صاحب عباسی چریاکوٹی

مصنف و مؤلف

تسہیل لامع ۔ رسالۂ شطرنج ۔ رحل الغنا ۔ بارہ امام ۔ کرامت الطائفہ ۔ الاخلاق

چراغ حکمت وغیرہ ملازم دفتر نظامت تعمیرات دولت آصفیہ بتحریک کمیٹی مجلس اشاعۃ العلوم

حسب منظوری مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

باہتمام

جناب عالی الدرجات مولانا مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم

مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوئی

(۱۰۰۰) ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ طبع اول

فہرست مضامین کتاب حکمۃ بالغہ جلد اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کی تالیف یا تاریخ

پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس (۲۳) یا پچیس (۲۵) برس میں نازل ہوا* جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ اسی وقت ارشاد فرما دیتے کہ اس کو فلاں سورہ میں فلاں مقام پر لکھو اور صحابہ اسی طرح پر لکھ لیتے اور فوراً یاد کر لیتے تھے۔ اسی طرح آپ نے اپنی زندگی میں قرآن کو مرتب کرا دیا تھا۔ مگر آج ہمارے سامنے قرآن بین الدفتین جس صورت میں موجود ہے اور تیرہ سو چار برس سے متواتراً بلا کسی کمی بیشی کے چلا آتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں اسی طرح ایک جگہ مرتب نہیں تھا بلکہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا یا مقدس سینوں میں محفوظ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ عبس میں فرماتا ہے:-

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔

سنو جی! قرآن تو سر تا سر نصیحت ہے بس جو چاہے اسکو سوچے (اور وہ قرآن) پاکیزہ اوراق میں (لکھا ہوا ہے) جو اونچی جگہ رکھے جاتے ہیں اور جنکی عزت کیجاتی ہے (اور یہ اوراق) بزرگ نیکوکار لکھنے والوں (یعنی اصحاب رسول) کے ہاتھوں میں (ہیں)

* کتاب اتقان للسیوطی النوع السادس عشر ۱۲۔

اس آیت میں حاملین اور کاتبینِ قرآن صحابہ کو سراہا گیا ہے۔ جن مختلف چیزوں اور ٹکڑوں پر
پر قرآن مجید مکتوب تھا ان کو اللہ تعالیٰ اوراق پاکیزہ فرماتا ہے جن کو اہل اسلام اسوجہ سے
کہ اُن پر قرآن لکھا ہوا تھا بہت عزیز رکھتے تھے جیسا کہ آلان ابین الدفتین کی عزت کیجاتی
ہے ان اوراق کے لکھنے والے محترم صحابہ رسول تھے جن کی نیکوکاری و بزرگی مسلم تھی
اور جو ان سینوں کی دل و جان سے حفاظت کرتے تھے۔

رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کے مبارک عہد میں قرآن مجید ایک جگہ مدون کیوں نہ کر دیا گیا
اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید تورات شریف کی طرح ایک ہی دفعہ نہیں اترا بلکہ نجماً نجماً
حسب موقع اُترتا رہا اور اسکا سلسلہ برابر بیس(۲۰) یا تیئیس(۲۳) یا پچیس(۲۵)* برس تک جاری رہا۔
رسول اللہ صلعم کے وقت وفات تک سلسلۂ وحی منقطع نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے
قرآن کو ایک جگہ پر مرتب نہ فرمایا کہ شاید پھر کوئی آیت یا سورہ نازل ہو جائے۔ تکمیلِ قرآن
کا یقین اُسوقت ہوا جب خود پیغمبر خدا کے وصال کا وقت آگیا۔ جب آنحضرت ص عالم
اجساد سے رہگرائے جنت الفردوس ہوئے تو جو ترتیب آپ نے صحابہ کو بتلائی تھی
اور جس ترتیب سے قرآن مختلف اجزاء متفرقہ پر لکھا ہوا تھا۔ اُسی کے مطابق صدیق اکبرؓ
نے ایک جگہ قرآن کو مرتب کر کے لکھوا دیا۔

قرآن کیونکر جمع و مرتب ہوا

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بہت سے حفاظ قرآن، جنگ یمامہ میں کام
آگئے تو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے مضطر ہو کر خلیفہ سے عرض کیا کہ قرآن مجید مکمل طور پر
ایک جگہ مدون نہیں ہے! ایسا نہ ہو کہ حفاظ قرآن سب کے سب غزوات میں قتل ہو جائیں تو
قرآن ضائع ہو جائے یا اُس میں کچھ کمی بیشی آجائے اسلئے مناسب ہے کہ قرآن کو مرتب و

* اتقان السیوطی النوع السادس عشر ۱۲

مدون کر کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے تا آئندہ کسی خرابی کے واقع ہونے کا اندیشہ نہ رہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں وہ کام نہیں کر سکتا جو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے فرمایا سچ ہے مگر یہ نیا کام اسلام کی بہت بڑی خدمت اور کار خیر ہے کیونکہ قرآن ہی ہمارا ایمان اور اسلام کی جڑ ہے، اگر اس میں خدانخواستہ کوئی نقصان واقع ہوا تو اسلام تباہ ہو جائے گا۔ اور پھر قرآن کا بھی وہی حال ہوگا جو توریت و انجیل کا ہوا ہے۔ آخر ابوبکرؓ نے فاروق اعظم کی صائب رائے سے اتفاق کیا اور زید بن ثابتؓ کو بلا کر ان سے فرمایا کہ تم نے کتابتِ وحی کی اہم خدمت انجام دی ہے لہذا اس مہم کو بھی تمہیں سر کرو۔ زیدؓ نے کہا یا امیر المومنین! آپ کیونکر ایسے کام کرنے پر جسارت کرتے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے عہد میں نہیں ہوا! ابوبکرؓ نے فرمایا کہ در اصل یہ مشورہ عمرؓ کا ہے۔ ان کے مشورہ پر میں نے بھی وہی اعتراض کیا تھا جو اب تم نے کیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ عمرؓ کی قابل قدر صلاح نہایت مناسب ہے اور اسکو ماننے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ ابوبکرؓ کے سمجھانے پر زید بن ثابتؓ فوراً سمجھ گئے اور عمرؓ کی اصابتِ رائے کی تعریف و توصیف کرنے لگے۔[1]

غرض چند صحابہ کرام کی ایک کمیٹی اس کام کے لئے قائم ہوئی اور زید بن ثابتؓ کاتب وحی ہونے کی وجہ سے کمیٹی کے میر مجلس قرار پائے۔[2]

ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے زید بن ثابت اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما مسجد نبوی کے دروازہ پر جا بیٹھے جو صحابی یا حافظ قرآن، کوئی آیت پیش کرتا اس سے باضابطہ حلفیہ قسم لیتے کہ "ہمنے رسول اللہ صلعم سے یہ آیت قرآنی سنی ہے اور فلاں فلاں صحابہ اس امر کے گواہ ہیں"[3]

[1] کتاب کمپری ہنسیو کمنٹری آن دی قرآن مصنفہ ای۔ یم ہیری ایم۔ اے۔
Comprehensive Commentary on the Qoran by. Rev. E. M. Wherry M. A Vol I London 1882

[2] اتقان النوع الثامن عشر۔ [3] لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور۔

اور جب آیت کا پیش کرنے والا قسم کھا لیتا تو اس کی صفائی میں دو ایسے ثقہ اور پاکباز قوی الحافظہ گواہ طلب کئے جاتے جن کی ثقاہت معلوم ہو اور جن کے حافظہ پر کسی نے قدح نہ کی ہو[عہ] اور ان مراحل کے طے ہو جانے کے بعد وہ آیت لکھ لی جاتی تھی۔

صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق مختلف اوقات میں، درختوں کی چھالوں، باریک چوڑے چکلے پتھروں، ہڈیوں، لکڑی کے ٹکڑوں، چمڑوں اور کاغذ پر قرآن مجید کی آیتیں اور سورتیں لکھ رکھی تھیں، رسول اللہ صلعم کے انتقال کے بعد آپ کے دولتکدہ[عہ] سے ان سب چیزوں کو فراہم کیا گیا اور حفاظ کے سینوں میں جو محفوظ تھا اس سے مقابلہ کرنے کے بعد قرآن کی ترتیب و تدوین کی گئی۔

سورۂ براءۃ کی آخری آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس پائی گئی اور خزیمہؓ اپنی تائید میں کوئی شہادت پیش نہ کر سکے۔ لوگوں کو اس کے لکھنے میں کچھ پس و پیش ہوا مگر حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے خزیمہ بن ثابتؓ کی شہادت کو دو شہادتوں کے مساوی فرمایا ہے اس لئے ان کی قسم اور ان کی اکیلی شہادت قابل قبول اور معتمد علیہ ہے اور اس آیت کو سورۂ براءۃ میں شامل کر لیا بخلاف اس کے جناب فاروق اعظمؓ نے اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا کو پیش کر کے فرمایا کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہے مگر یہ آیت قرآن میں شامل نہیں کی گئی اس لئے کہ نہ تو حضرت عمرؓ اپنی تائید میں کوئی شہادت لا سکے نہ ان کی ایک گواہی دو گواہیوں کے مساوی سمجھی گئی اور چونکہ حسب ضابطہ ایک گواہی مستند نہیں تھی اسلئے آیت الرجم کو آیت قرآنی نہیں سمجھا جا سکا وہ آیات قرآنیہ سے خارج کی گئی اور صرف کتابوں میں باقی رہ گئی[سہ]

عہ اتقان النوع الثامن عشر۔ عہ اتقان النوع الثامن عشر عن اللیث بن السعد۔

سہ اتقان النوع الثامن عشر۔ ہم نے اپنی کتاب العشرۃ کی جلد اول میں روشن دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ آیت رجم ہرگز کوئی آیت نہیں ہے جیسا کہ گروہ علماء کا خیال ہے بلکہ وہ صرف حکم توریت کا ترجمہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کی لائف یا تاریخ

پورا قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس (۲۳) یا پچیس (۲۵) * برس میں نازل ہوا۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی آپ اُسی وقت ارشاد فرمادیتے کہ اس کو فلاں سورہ میں فلاں مقام پر لکھو اور صحابہ اُسی طرح پر لکھ لیتے اور فوراً یاد کر لیتے تھے۔ اسی طرح آپ نے اپنی زندگی میں قرآن کو مرتب کرادیا تھا۔ مگر آج ہمارے سامنے قرآن بین الدفتین جس صورت میں موجود ہے اور تیرہ سو چار برس سے متواتر بلا کسی کمی بیشی کے چلا آتا ہے۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں اسیطرح ایک جگہ مرتب نہیں تھا بلکہ متفرق چیزوں پر لکھا ہوا تھا یا مقدس سینوں میں محفوظ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ عبس میں فرماتا ہے:-

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ فِيْ
صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوْعَةٍ
مُّطَهَّرَةٍ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ
كِرَامٍ بَرَرَةٍ۔

سنو جی! قرآن تو سر تا سر نصیحت ہے پس جو چاہے اسکو سوچے (اور وہ قرآن) پاکیزہ اوراق میں (لکھا ہوا ہے) جو اونچی جگہ رکھے جاتے ہیں اور جنکی عزت کیجاتی ہے (اور یہ اوراق) بزرگ نیکوکار لکھنے والوں (یعنی اصحاب رسول) کے ہاتھوں میں (ہیں)

* کتاب اتقان للسیوطی النوع السادس عشر ۱۲۔

اس آیت میں حاملین اور کاتبینِ قرآن صحابہ کو سراہا گیا ہے۔ جن مختلف چیزوں اور ٹکڑوں پر قرآن مجید مکتوب تھا ان کو اللہ تعالیٰ اوراق پاکیزہ فرماتا ہے جن کو اہل اسلام اسوجہ سے کہ ان پر قرآن لکھا ہوا تھا بہت عزیز رکھتے تھے جیسا کہ آلان ما بین الدفتین کی عزت کیجاتی ہے ان اوراق کے لکھنے والے محترم صحابۂ رسول تھے جن کی نیکوکاری و بزرگی مسلم تھی اور جو ان صحیفوں کی دل وجان سے حفاظت کرتے تھے۔

رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلعم کے مبارک عہد میں قرآن مجید ایک جگہ مدوّن کیوں نہ کر دیا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ قرآن مجید توراۃ شریف کی طرح ایک ہی دفعہ نہیں اترا بلکہ نجماً نجماً حسب موقع اُترتا رہا اور اسکا سلسلہ برابر بیس (۲۰) یا تیئیس (۲۳) یا پچیس (۲۵)* برس تک جاری رہا۔

رسول اللہ صلعم کے وقت وفات تک سلسلۂ وحی منقطع نہیں ہوا تھا اس لئے آپ نے قرآن کو ایک جگہ پر مرتب نہ فرمایا کہ شاید پھر کوئی آیت یا سورہ نازل ہو جائے۔ تکمیلِ قرآن کا یقین اُسوقت ہوا جب خود پیغمبر خدا کے وصال کا وقت آگیا اور جب آنحضرت ؐ عالمِ اجساد سے رنگرائے جنت الفردوس ہوئے تو جو ترتیب آپ نے صحابہ کو بتلائی تھی اور جس ترتیب سے قرآن مختلف اجزا متفرقہ پر لکھا ہوا تھا۔ اُسی کے مطابق صدیق اکبرؓ نے ایک جگہ قرآن کو مرتب کر کے لکھوا دیا۔

قرآن کیونکر جمع و مرتب ہوا

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد خلافت میں بہت سے حفاظِ قرآن ، جنگِ یمامہ میں کام آئے تو حضرت فاروق اعظم رضؓ نے مضطر ہو کر خلیفہ سے عرض کیا کہ قرآن مجید مکمل طور پر ایک جگہ مدوّن نہیں ہے ! ایسا نہ ہو کہ حفاظ قرآن سب کے سب غزوات میں قتل ہو جائیں تو قرآن ضائع ہو جائے یا اُس میں کچھ کمی بیشی آجائے اسلئے مناسب ہے کہ قرآن کو مرتب و

* اتقان للسیوطی النوع السادس عشر ۱۲

مدون کرکے ایک جگہ جمع کردیا جائے تا آئندہ کسی خرابی کے واقع ہونے کا اندیشہ نہ رہے
حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ میں وہ کام نہیں کرسکتا جو رسول اللہ صلعم نے نہیں کیا۔ عمر رضؓ نے فرمایا سچ ہے
مگر یہ نیا کام اسلام کی بہت بڑی خدمت اور کار خیر ہے کیونکہ قرآن ہی ہمارا ایمان اور اسلام کی
جڑ ہے۔ اگر اس میں خدانخواستہ کوئی نقصان واقع ہوا تو اسلام تباہ ہوجائے گا۔ اور پھر قرآن
کا بھی وہی حال ہوگا جو توریت وانجیل٭ کا ہوا ہے۔ آخر ابوبکر رضؓ نے فاروق اعظم کی صائب
رائے سے اتفاق کیا اور زید بن ثابت رضؓ کو بلا کر اُن سے فرمایا کہ تم نے کتابتِ وحی
کی اہم خدمت انجام دی ہے لہٰذا اس مہم کو بھی تمہیں سر کرو۔ زید رضؓ نے کہا یا امیرالمومنین!
آپ کیونکر ایسے کام کرنے پر جسارت کرتے ہیں جو رسول اللہ صلعم کے عہد میں نہیں ہوا! ابوبکرؓ نے
فرمایا کہ در اصل یہ مشورہ عمر رضؓ کا ہے۔ ان کے مشورہ پر میں نے بھی وہی اعتراض کیا تھا۔
جواب تم نے کیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ عمرؓ کی قابل قدر صلاح نہایت مناسب ہے اور
اسکو ماننے کے سوا چارۂ کار نہیں ہے۔ ابوبکرؓ کے سمجھانے پر زید بن ثابتؓ فوراً سمجھ
گئے اور عمر رضؓ کی اصابتِ رائے کی تعریف و توصیف کرنے لگے[ع]۔

غرض چیدہ صحابۂ کرام کی ایک کمیٹی اس کام کے لئے قائم ہوئی اور زید بن ثابتؓ کاتب وحی
ہونے کی وجہ سے کمیٹی کے میر مجلس قرار پائے[ع]۔

ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے زید بن ثابت اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما مسجد نبوی کے دروازہ
پر جا بیٹھے جو صحابی یا حافظ قرآن، کوئی آیت پیش کرتا اس سے باضابطہ حلفیہ قسم لیتے کہ
"ہم نے رسول اللہ صلعم سے یہ آیت قرآنی سنی ہے اور فلاں فلاں صحابہ اس امر کے گواہ ہیں"

٭ کتاب کمپری ہنسیو کمنٹری آن دی قرآن مصنفہ ای۔ یم ہویری ایم۔ اے۔
Comprehensive Commentary on the Qoran
by. Res. E. M. Wherry M. A Vol I London 1882

ع اتقان النوع الثامن عشر۔ ع لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور۔

اور جب آیت کا پیش کرنے والا قسم کھا لیتا تو اس کی صفائی میں دو ایسے ثقہ اور پاکباز قوی الحافظہ گواہ طلب کئے جاتے جن کی ثقاہت معلوم ہو اور جن کے حافظہ پر کسی نے قدح نہ کی ہو[۱] اور ان مراحل کے طے ہو جانے کے بعد وہ آیت لکھ لی جاتی تھی۔

صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق مختلف اوقات میں، درختوں کی چھالوں، باریک چوڑے پتلے پتھروں، ہڈیوں، لکڑی کے ٹکڑوں، چمڑوں اور کاغذ پر قرآن مجید کی آیتیں اور سورتیں لکھ رکھی تھیں، رسول اللہ صلعم کے انتقال کے بعد آپ کے دولتکدہ[۲] سے ان سب چیزوں کو فراہم کیا گیا اور حفاظ کے سینوں میں جو محفوظ تھا اس سے مقابلہ کرنے کے بعد قرآن کی ترتیب و تدوین کی گئی۔

سورۂ براءۃ کی آخری آیت صرف خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس پائی گئی اور خزیمہؓ اپنی تائید میں کوئی شہادت پیش نہ کر سکے۔ لوگوں کو اس کے لکھنے میں کچھ پس و پیش ہوا مگر حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے خزیمہ بن ثابتؓ کی شہادت کو دو شہادتوں کے مساوی فرمایا ہے اس لئے ان کی قسم اور ان کی اکیلی شہادت قابل قبول اور معتمد علیہ ہے اور اس آیت کو سورۂ براءۃ میں شامل کر لیا بخلاف اس کے جناب فاروق اعظمؓ نے اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا کو پیش کر کے فرمایا کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہے مگر یہ آیت قرآن میں شامل نہیں کی گئی اس لئے کہ نہ تو حضرت عمرؓ اپنی تائید میں کوئی شہادت لا سکے نہ اُن کی ایک گواہی دو گواہیوں کے مساوی سمجھی گئی اور چونکہ حسب ضابطہ ایک گواہی مستند نہیں تھی اسلئے آیت الرجم کو آیت قرآنی نہیں سمجھا جا سکا وہ آیات قرآنیہ سے خارج کی گئی اور صرف کتابوں میں باقی رہ گئی ہے[۳]

---

[۱] اتقان النوع الثامن عشر۔ [۲] اتقان النوع الثامن عشر عن اللیث بن السعد۔

[۳] اتقان النوع الثامن عشر۔ ہم نے اپنی کتاب العشرۃ کی جلد اول میں روشن دلائل سے ثابت کر دیا ہے کہ آیت رجم ہرگز کوئی آیت نہیں ہے جیسا کہ گروہ علماء کا خیال ہے بلکہ وہ صرف حکم توریت کا ترجمہ ہے۔

اسی ایک واقعہ سے اُن صحابۂ کرام اور جامعین قرآن کی راستبازی اور باضابطگی کا بین ثبوت ملجاتا ہے۔

سورۂ توبہ کے شروع میں دوسری سورتوں کی طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں ہے اسلئے کہ سورتوں کا ٹھیراؤ پیغمبر خدا کا کیا ہوا ہے اور بسم اللہ سورتوں کی علیحدگی کی علامت ہے۔ مصحف بناتے وقت تحقیق نہیں ہوا کہ یہ سورہ خود مستقل ہے یا کسی دوسرے سورہ کی جزو ہے لیکن چونکہ اس سورہ کی آیتوں کا مطلب سورۂ انفال سے ملتا ہوا تھا اس مناسبت سے اس سورہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھدیا مگر احتیاطاً اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی تاکہ دوسری سورتوں کی طرح مستقل سورت نہ سمجھی جائے۔

اللہ اللہ! اُن بزرگوں نے کلام الٰہی کی کس درجہ حفاظت کی ہے کہ سورتوں کی تقسیم تک بھی اپنی رائے سے نہیں کی۔

حارث محاسبی نے کتاب فہم السنن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کی جمع و ترتیب جو کی وہ کوئی نیا کام نہیں کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آیات قرآنی کو لکھوادیا کرتے تھے اور صحابۂ کرام کو لکھنے کی ہدایت فرماتے تھے[۱] حضرت ابوبکرؓ نے صرف اتنا ہی کیا کہ قرآن کی سورتیں اور آیتیں جو مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں ان سب کو ترتیب وار ایک جگہ کتاب کی صورت میں جمع کردیا۔

یہ مصحف قرآن جب تک امیر المومنین ابوبکر صدیق رضؓ زندہ رہے آپ کے پاس رہا۔ آپ کے انتقال کے بعد حضرت فاروق اعظم رضؓ نے اپنی حفاظت میں لیا۔ آپ نے مرتے وقت اس مصحف کو اپنی بیٹی ام المومنین حفصہ رضؓ کے پاس امانت رکھدیا[۲]۔

امیر المومنین عثمان بن عفان رضؓ کے عہد خلافت میں جب کہ حذیفہ بن الیمان ارمینیہ اور آذربیجان کی فتوحات میں مشغول تھے قرات قرآن پر شام و عراق والے اختلاف کرنے لگے

---

[۱] اتقان النوع الثامن عشر۔ [۲] اتقان النوع الثامن عشر۔
[۳] اتقان النوع الثامن عشر۔

حذیفہ نے ان اختلافات سے گھبرا کر فوراً خلیفہ عثمانؓ کو اطلاع دی کہ لوگ قرآن کی قرأتوں میں لاحاصل اختلاف کرنے لگ گئے ہیں۔ آپ جلدی قبل از وقت خبر لیجئے ورنہ آخر میں یہ اختلاف قرارت یہود و نصاریٰ کا سا اختلاف ہو جائے تو عجب نہیں۔ جناب عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ ابوبکرؓ کا جمع کیا ہوا مصحف قرآن جو تمہارے پاس امانت رکھا ہوا ہے وہ میرے پاس بھیجدو۔ میں اس کی چند نقلیں لیکر اس مصحف کو بجنسہ تمہارے پاس واپس بھیجدونگا۔ ام المومنینؓ نے فوراً خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور مصحف کو عثمانؓ کے پاس بھیجدیا۔

حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت[1]، عبداللہ بن الزبیر[2]، سعید بن العاص[3] اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام[4] چار نفوس کو متعین کیا کہ اس مصحف کی متعدد مگر صحیح نقلیں لیں اور پچھلے تین صاحبوں کو ہدایت دی کہ اگر تم تینوں کو کسی قرأت میں زید بن ثابت سے اختلاف ہو تو قریش کی قراءت کا لحاظ رکھنا اور قریش کی جو قرأت ہو اسی کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن مجید قریش ہی کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

اس مقدس کمیٹی نے ابوبکرؓ کے مرتبہ قرآن کی سات نقلیں لیں۔ حضرت عثمانؓ نے اصل نسخہ ام المومنین حفصہؓ کے پاس واپس بھیجدیا اور ان سات نسخوں میں سے ایک نسخہ خود مدینہ منورہ میں رکھ لیا دوسرا مکہ معظمہ میں بھیجا۔ تیسرا شام میں۔ چوتھا یمن میں۔ پانچواں بحرین میں چھٹواں بصرہ میں اور ساتواں کوفہ[ع] میں اور ساتھ ہی ہر مقام کے گورنر کو حکم قطعی دیا کہ ان نسخوں کو رواج دو اور جو نسخے قرآن کے ان نسخوں کے خلاف ہوں ان کو بلا تامل لیکر جلا دو[ع۶] تا آگے چلکر یہ اختلاف قرات کسی بڑے فساد کا باعث نہ ہو[ہ]۔

عہ کمپری ہنسو کمنٹری آون دی قرآن مصنفہ ریوا ای۔ یم ہویری ایم۔ اے۔ عسہ اتقان النوع الثامن عشر۔

سہ انسائکلوپیڈیا بری ٹانیکا والے نے اس مقام پر اور کوئی بات نہ پا کر اپنے دانست میں یہ ایک نہایت زبردست اعتراض صحت قرآن پر کیا ہے کہ جب قرآن کی سات نقلیں مختلف مقامات پر اشاعت کے لئے بھیجی گئیں اور انہیں پر اشاعت قرآن کا دارومدار رہا تو بہت ممکن ہے کہ نقل کرنے میں ایرپھیر ہو گیا ہو۔

اختلاف قراءت پہ

بعض عیسائی علماء اور اکثر آریوں نے ناسمجھی سے عجیب عجیب اعتراضات کئے ہیں ایسے بیمعنی اعتراضات کا جواب دینا محض تضیع اوقات عزیز ہے مگر ہمارے ناظرین کو بحث اختلاف قرات سمجھ لینی چاہیئے۔ اختلاف قرات، حقیقی اختلاف سے بالکل مغائر ہے۔ اختلاف قراءت یہ ہے کہ مثلاً قرآن میں کسی مقام پر عام طور پر یَعْلَمُوْنَ (ی) کے ساتھ ہے مگر کسی قرات میں تَعْلَمُوْنَ (ت) سے بھی آیا ہے۔ کسی مقام پر وَالضُّحٰی (ح الف ممدودہ کے ساتھ) ہے اور بعض قرات میں وَالضُّحیٰ (حائے حلی کے کسرہ مجہول کے ساتھ) ہے سورۃ الفاتحہ میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کو بعض قرار نے مالک بروزن فاعل پڑھا ہے بعض نے ملک (بفتح المیم وکسر اللام) اختیار کیا ہے اور بعض قرات میں ملّاک (بروزن حباب) بھی آیا ہے۔ ان سب صورتوں میں فقط اختلاف حرکات اور کلمات کی صورتوں کا پھیر ہے، معانی میں کوئی فرق یا تبدیلی نہیں ہوتی اور ان اختلافات قرات کا بھی سبب یہ ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں تھا اور عرب کے مختلف قبائل کے سامنے پیش کیا گیا۔ قریش کی زبان میں ہونے سے قریش تو اسکو اسی کے اصل الفاظ میں پڑھتے تھے

بقیہ حاشیہ گذشتہ کسی نے کچھ لکھدیا ہو، کسی نے کچھ لکھدیا ہو پھر اسکا کیا ثبوت کہ ساتوں نقلیں بجنسہ ایک ہی طرح پر تھیں اور کسی میں کچھ فرق نہیں ہونے پایا کیونکہ نقل و اصل میں ضرور کچھ نہ کچھ فرق رہتا ہے۔

جواب اس اعتراض کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے آپ اپنا جواب ہے اور بدیہیات و مشاہدات کے سراسر خلاف۔ آج دنیا میں ہزاروں لاکھوں قرآن روزانہ چھپتے رہتے ہیں مگر کوئی ایک مصحف دوسرے سے مغائر نہیں ہوتا نہ حروف و کلمات میں کمی بیشی پائی جاتی جس قرآن کو اٹھالو اور جس سے چاہو مقابلہ کرو سب کو یکساں پاؤگے نہ کسی میں کلمات کم ہونگے نہ کسی میں زیادہ، آیات کا الٹ پھیر یا کم زیادہ ہونا تو بڑی بات ہے۔ پھر اگر یورپین ڈاکٹر صاحب کا یہ مقولہ درست مان لیا جائے کہ نقل کرنے میں کمی بیشی کا ہونا ضروری ہے تو چاہیئے کہ جتنی کتابیں مکرر سہ کرر چھپتی ہیں سب ناقابل اعتماد ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اس کی تسلیم سے فرق اجماع لازم آتا ہے جو بداہتہً نادرست ہے۔ علاوہ اس کے قرآن کی جمع و ترتیب میں جو کاوش اور اسکی صحت کے قائم رکھنے کے لئے جو کوشش کی گئی اسکا یہ مقتضا نہیں تھا کہ اوٹ پٹانگ نقلیں کرا کر بلا مقابلہ کئے اور بغیر تصحیح کے ان نقلوں کو شائع ہونے دیا جاتا۔ ابھی

مگر دوسرے لوگوں کو اختلاف زبان کی وجہ سے صحیح تلفظ ذرا مشکل تھا اس لئے رسول اللہ صلعم نے شروع شروع میں عام اجازت دیدی کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے محاورہ میں تلاوت کر لیا کرے رفتہ رفتہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اختلاف قرارت سے جھگڑے پیدا ہونے لگے اور معاملہ کچھ کا کچھ ہو چلا۔ قرآن کی حفاظت واجب تھی اور حفاظت بھی ایسی کہ معانی و مطالب کے علاوہ الفاظ قرآنی بھی محفوظ رہیں کیونکہ جب تک اصل الفاظ وکلمات محفوظ نہ رہیں کتاب محفوظ نہیں رہ سکتی جیسا کہ توریت وانجیل کا حال مشاہد ہے اور اختلاف کی صورت میں نزاع کا پیدا ہونا امر لازم تھا۔ ان مشکلات پر غور کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ اب لوگ قرآن کی زبان اور محاورات سے خوب واقف ہو گئے ہیں اس لئے پہلے حکم کے باقی رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ اجازت ایک ضرورت کے لئے عارضی تھی جب ضرورت رفع ہوگئی تو وہ حکم بھی اُٹھ گیا۔ آخر آپ کے حکم کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کا ترتیب دیا ہوا قرآن جو حفصہ بنت عمرؓ کے گھر میں رکھا ہوا تھا شایع کیا گیا اور جابجا اس کی نقلیں بھیجدی گئیں۔

قرآن کی اصلی زبان قریش کی زبان تھی اس لئے محاورہ قریش پر جمع کرکے باقی تمام قبائل کے الفاظ کو قرآن سے چھانٹ کر الگ کر دیا گیا۔ وہ الفاظ اگرچہ قرآن مجید میں نہ رہے مگر تفسیروں اور فن قرارت کی کتابوں میں ان کی روایتیں موجود ہیں مگر ان روایات سے صحت قرآن پر کوئی اثر مضر نہیں پڑتا۔ اسی کا نام اختلاف قرارت ہے اور اس کی ایک اور بین مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک ہی لفظ کو دہلی والے مذکر بولتے ہیں اور لکھنؤ والے مونث مگر اس اختلاف سے اردو لٹریچر یا اسکی کسی کتاب کی صحت پر کوئی مضر اثر نہیں پڑتا بلکہ اپنی اپنی جگہ دونوں صحیح اور دونوں

بقیہ حاشیہ گذشتہ بے پروائی تو ادنیٰ ادنیٰ کتابوں کی اشاعت میں نہیں برتی جاتی۔ چہ جائیکہ قرآن کی نسبت ایسا خیال کیا جائے جسکی نقلیں لینے والے صحابہ رسول جیسے مقدس حفاظ تھے۔ پھر نقل کیسی ہی بے پروائی سے کی جائے مقابلہ و تصحیح کے بعد عین مطابق اصل ہو جاتی ہے۔ ہمارے معزز مخاطب نے شاید نقل کرنے والے دیکھے نہیں ہیں ورنہ ایسی بھونڈی بات کبھی نہ فرماتے درحالیکہ اس سے بالاتر اعتراض انکی انجیلوں پر الٹ پڑتا ہے۔

فصیح سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ کی اشاعت قرآن کا واقعہ ۲۵ھ میں واقع ہوا، اور اسی کو شیخ ابن حجر نے صحیح بتلایا ہے۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ کو جو عام طور پر جامع القرآن کہا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے قرآن کی جامعیت کا سہرا، جناب صدیق اکبرؓ کے سر پر باندھا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف اتنا کیا کہ جب عوام اختلاف قرارت میں پڑکر جھگڑا کرنے لگے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے جمع کئے ہوئے قرآن کی صحیح نقلیں کراکر متعدد صوبوں میں بھیجدیں اور اسی کی اشاعت کی[ع]۔

قرآن مجید کی ایک ترتیب جناب علی بن ابو طالبؓ نے بھی دی تھی جو موجودہ ترتیب سے بالکل جداگانہ تھی حضرت علیؓ کی ترتیب نزول پر تھی یعنی جس ترتیب سے سورتیں اور آیتیں نازل ہوئیں اسی ترتیب پر آپ نے قرآن کو مرتب کیا تو آپ کے مصحف میں سب سے اول سورۂ اقرا تھی اس کے بعد مدثر پھر ن پھر مزمل پھر تبت پھر تکویر پھر سبح اسم ربک الاعلیٰ[عہ]

حضرت عبداللہ بن مسعود اور ابی کے مصحف میں سب سے پہلے سورۃ البقرہ تھی[سہ]۔ اس کے بعد سورۃ النسا پھر آل عمران و علی ہذا۔

یہ ترتیبیں اگرچہ بجائے خود جائز تھیں مگر چونکہ رسول اللہ صلعم کی بتائی ہوی ترتیب ان ترتیبوں کے خلاف تھی اس لئے عبداللہ بن مسعود، ابی اور علی مرتضےٰؓ کے مصاحف متبرکہ مقبول و مستند نہیں ہوسکے اور ابوبکرؓ کا مرتبہ مصحف شایع اور مقبول و مستند ہوگیا او اسی پر تمام صحابہ نے اتفاق کیا یہانتک کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے اس مہتم بالشان کار خیر کی داد تحسین دی اور تمام صحابہ نے بالاتفاق تسلیم کیا کہ یہ قرآن بین الدفتین بعینہ

[ع] لائف آف محمدؐ مولفہ سر ولیم میور۔ [عہ] اتقان للسیوطی النوع الثامن عشر۔

[سہ] اتقان النوع الثامن عشر فصل (۳)، [سعہ] اتقان النوع الثامن عشر فصل (۱)۔

وہی کتاب کریم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلعم پر نازل فرمائی اور بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے اور بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے اسی ترتیب پر ہے جس کی تعلیم رسول اللہ صلعم نے دی تھی عـــہ۔ گویا قرآن کی یہہ جمع و ترتیب بالکل لوح محفوظ کی نقل ہے عـــہ۔

پھر کیوں نہو آخر اسی کا تو یہ اثر ہے کہ باوجود تیرہ سو برس گذر جانے کے اسوقت بھی قرآن مجید بلا کسی نقصان کے ویسا ہی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

قرآن مجید برابر کے تیس (۳۰) حصوں پر منقسم ہے۔ ہر حصہ کو پارہ کہتے ہیں۔ ہر پارہ کا نام اس کا اول لفظ ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) الف لام میم	(۲) سیقول	(۳) تلک الرسل		(۴) لن تنالوا	(۵) والمحصنات	(۶) لایحب اللہ
(۷) واذا سمعوا	(۸) ولو اننا	(۹) قال الملاء		(۱۰) واعلموا	(۱۱) یعتذرون	(۱۲) ومامن دابۃ
(۱۳) وما ابری نفسی	(۱۴) ربما	(۱۵) سبحان الذی		(۱۶) قال الم اقل	(۱۷) اقترب للناس	(۱۸) قد افلح المومنون
(۱۹) وقال الذین	(۲۰) امن خلق	(۲۱) اتل ما اوحی		(۲۲) ومن یقنت	(۲۳) ومالی	(۲۴) فمن اظلم
(۲۵) الیہ یرد	(۲۶) حم	(۲۷) قال فما خطبکم		(۲۸) قد سمع اللہ	(۲۹) تبارک الذی	(۳۰) عم یتساءلون

قرآن کی تلاوت اور اس کی مزاولت شرعاً مسنون و موکد اور عقلاً پسندیدہ ہے مہینے کے انتیس یا تیس دن ہوتے ہیں۔ اگر ایک پارہ روز پڑھا جائے تو مہینہ میں ایک ختم ہوجاتا ہے۔ تلاوت کا یہی طریقہ احادیث صحیحہ میں مستحب فرمایا گیا ہے کیونکہ کم پڑھنے میں معانی پر بھی نظر رہتی ہے طبیعت بھی نہیں اکتاتی۔ قرآن کے علی التساوی تیس حصے کرنے

عـــہ شرح السنۃ للبغوی۔ عـــہ اتقان النوع (۱۸)

میں یہ ایک بڑی مصلحت مضمر ہے۔ قرآن مجید میں ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں ہیں اور ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) سورۃ الفاتحہ	(۲) البقرہ	(۳) آل عمران	(۴) النساء	(۵) المائدہ	(۶) الانعام
(۷) الاعراف	(۸) الانفال	(۹) التوبۃ	(۱۰) یونس	(۱۱) ہود	(۱۲) یوسف
(۱۳) الرعد	(۱۴) ابراہیم	(۱۵) الحجر	(۱۶) النحل	(۱۷) بنی اسرائیل	(۱۸) الکہف
(۱۹) مریم	(۲۰) طٰہٰ	(۲۱) الانبیاء	(۲۲) الحج	(۲۳) المومنون	(۲۴) النور
(۲۵) الفرقان	(۲۶) الشعراء	(۲۷) النمل	(۲۸) القصص	(۲۹) العنکبوت	(۳۰) الروم
(۳۱) لقمان	(۳۲) السجدہ	(۳۳) الاحزاب	(۳۴) السبا	(۳۵) الفاطر	(۳۶) یٰس
(۳۷) الصافات	(۳۸) صٓ	(۳۹) الزمر	(۴۰) المومن	(۴۱) حٰمٓ السجدہ	(۴۲) الشوریٰ
(۴۳) الزخرف	(۴۴) الدخان	(۴۵) الجاثیہ	(۴۶) الاحقاف	(۴۷) محمد	(۴۸) الفتح
(۴۹) الحجرات	(۵۰) قٓ	(۵۱) الذاریات	(۵۲) الطور	(۵۳) النجم	(۵۴) القمر
(۵۵) الرحمٰن	(۵۶) الواقعہ	(۵۷) الحدید	(۵۸) المجادلہ	(۵۹) الحشر	(۶۰) الممتحنہ
(۶۱) الصف	(۶۲) الجمعہ	(۶۳) المنافقون	(۶۴) التغابن	(۶۵) الطلاق	(۶۶) التحریم
(۶۷) الملک	(۶۸) نٓ	(۶۹) الحاقۃ	(۷۰) المعارج	(۷۱) نوح	(۷۲) الجن

(۷۳) المزمل	(۷۴) المدثر	(۷۵) القیامۃ	(۷۶) الدہر	(۷۷) المرسلات	(۷۸) النبا
(۷۹) النازعات	(۸۰) عبس	(۸۱) التکویر	(۸۲) الانفطار	(۸۳) التطفیف	(۸۴) الانشقاق
(۸۵) البروج	(۸۶) الطارق	(۸۷) الاعلیٰ	(۸۸) الغاشیہ	(۸۹) الفجر	(۹۰) البلد
(۹۱) الشمس	(۹۲) اللیل	(۹۳) الضحیٰ	(۹۴) الانشراح	(۹۵) التین	(۹۶) العلق
(۹۷) القدر	(۹۸) البینۃ	(۹۹) الزلزال	(۱۰۰) العادیات	(۱۰۱) القارعہ	(۱۰۲) التکاثر
(۱۰۳) العصر	(۱۰۴) الہمزہ	(۱۰۵) الفیل	(۱۰۶) القریش	(۱۰۷) الماعون	(۱۰۸) الکوثر
(۱۰۹) الکافرون	(۱۱۰) النصر	(۱۱۱) اللہب	(۱۱۲) الاخلاص	(۱۱۳) الفلق	(۱۱۴) الناس

سورتوں کی یہ وہ ترتیب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مدون کی گئی اور اسوقت قرآن مجید میں ہمارے سامنے ہے اور جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے یہی ترتیب لوح محفوظ کی بھی ہے۔ مگر نزول کی وہ ترتیب نہیں ہے جس ترتیب پر مصحف بنایا گیا اور آلان موجود ہے بلکہ ترتیب نزول حسب ذیل ہے۔

(۱) سورۃ العلق	(۲) الفاتحہ	(۳) ن	(۴) مزمل	(۵) مدثر	(۶) اللہب
(۷) التکویر	(۸) الاعلیٰ	(۹) اللیل	(۱۰) الفجر	(۱۱) الضحیٰ	(۱۲) الانشراح
(۱۳) العصر	(۱۴) العادیات	(۱۵) الکوثر	(۱۶) التکاثر	(۱۷) الماعون	(۱۸) الکافرون
(۱۹) الفیل	(۲۰) الفلق	(۲۱) الناس	(۲۲) الاخلاص	(۲۳) النجم	(۲۴) عبس

(٢٥) القدر	(٢٦) الشمس	(٢٧) البروج	(٢٨) التین	(٢٩) القریش	(٣٠) القارعة
(٣١) القیامة	(٣٢) الهمزة	(٣٣) المرسلات	(٣٤) ق	(٣٥) البلد	(٣٦) الطارق
(٣٧) القمر	(٣٨) ص	(٣٩) الاعراف	(٤٠) الجن	(٤١) یٰس	(٤٢) الفرقان
(٤٣) الملائکة	(٤٤) مریم	(٤٥) طٰهٰ	(٤٦) الواقعه	(٤٧) الشعرا	(٤٨) طٰس
(٤٩) القصص	(٥٠) بنی اسرائیل	(٥١) یونس	(٥٢) هود	(٥٣) یوسف	(٥٤) الحجر
(٥٥) الانعام	(٥٦) الصافّات	(٥٧) لقمان	(٥٨) السبا	(٥٩) الزمر	(٦٠) المومن
(٦١) حمٓ السجده	(٦٢) الشوریٰ	(٦٣) الزخرف	(٦٤) الدخان	(٦٥) الجاثیه	(٦٦) الاحقاف
(٦٧) الذاریات	(٦٨) الغاشیه	(٦٩) الکهف	(٧٠) النحل	(٧١) نوح	(٧٢) ابراهیم
(٧٣) الانبیاء	(٧٤) المومنون	(٧٥) السجده	(٧٦) الطور	(٧٧) الملک	(٧٨) الحاقه
(٧٩) سال	(٨٠) النبار	(٨١) النازعات	(٨٢) الانفطار	(٨٣) الانشقاق	(٨٤) الروم
(٨٥) العنکبوت	(٨٦) المطفّفین	(٦٧) البقره	(٨٨) الانفال	(٨٩) آل عمران	(٩٠) الاحزاب
(٩١) الممتحنه	(٩٢) النسار	(٩٣) الزلزال	(٩٤) الحدید	(٩٥) القتال	(٩٦) الرعد
(٩٧) الرحمٰن	(٩٨) الانسان	(٩٩) الطلاق	(١٠٠) لم یکن	(١٠١) الحشر	(١٠٢) النصر
(١٠٣) النور	(١٠٤) الحج	(١٠٥) المنافقون	(١٠٦) المجادله	(١٠٧) الحجرات	(١٠٨) التحریم

(۱۰۹) الجمعہ	(۱۱۰) التغابن	(۱۱۱) الصف	(۱۱۲) الفتح	(۱۱۳) المائدہ	(۱۱۴) التوبۃ

حضرت علی مرتضیٰؓ کے مصحف کی یہی ترتیب تھی۔

تیسری ترتیب وہ ہے جس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے اپنا مصحف (قرآن) تیار کیا تھا اور وہ حسب ذیل ہے۔

(۱) الفاتحہ	(۲) البقرہ	(۳) النسار	(۴) آل عمران	(۵) الانعام	(۶) الاعراف
(۷) المائدہ	(۸) یونس	(۹) الانفال	(۱۰) التوبۃ	(۱۱) ہود	(۱۲) مریم
(۱۳) الشعرار	(۱۴) الحج	(۱۵) یوسف	(۱۶) الکہف	(۱۷) النحل	(۱۸) الاحزاب
(۱۹) بنی اسرائیل	(۲۰) الزمر	(۲۱) طٰہٰ	(۲۲) الانبیار	(۲۳) النور	(۲۴) المومنون
(۲۵) السبا	(۲۶) العنکبوت	(۲۷) المومن	(۲۸) الرعد	(۲۹) القصص	(۳۰) النمل
(۳۱) الصافات	(۳۲) صٓ	(۳۳) یٰس	(۳۴) الحجر	(۳۵) الشوریٰ	(۳۶) الروم
(۳۷) الحدید	(۳۸) الفتح	(۳۹) القتال	(۴۰) المجادلہ	(۴۱) الملک	(۴۲) السجدہ
(۴۳) نوح	(۴۴) الاحقاف	(۴۵) قٓ	(۴۶) الرحمن	(۴۷) الواقعہ	(۴۸) الجن
(۴۹) النجم	(۵۰) سال سائل	(۵۱) المزمل	(۵۲) المدثر	(۵۳) القمر	(۵۴) الدخان
(۵۵) لقمان	(۵۶) الجاثیہ	(۵۷) الطور	(۵۸) الذاریات	(۵۹) نٓ	(۶۰) الحاقہ
(۶۱) الحشر	(۶۲) الممتحنہ	(۶۳) المرسلات	(۶۴) النبار	(۶۵) القیامۃ	(۶۶) التکویر

(۶۷) الطلاق	(۶۸) النازعات	(۶۹) التغابن	(۷۰) عبس	(۷۱) المطففین	(۷۲) الانشقاق
(۷۳) التین	(۷۴) العلق	(۷۵) الحجرات	(۷۶) المنافقون	(۷۷) الجمعہ	(۷۸) التحریم
(۷۹) الفجر	(۸۰) البلد	(۸۱) اللیل	(۸۲) الانفطار	(۸۳) الشمس	(۸۴) الطارق
(۸۵) الاعلیٰ	(۸۶) الغاشیہ	(۸۷) الصف	(۸۸) لم یکن	(۸۹) الضحیٰ	(۹۰) الانشراح
(۹۱) القارعہ	(۹۲) التکاثر	(۹۳) العصر	(۹۴)	(۹۵)	(۹۶) الہمزہ
(۹۷) الزلزال	(۹۸) العادیات	(۹۹) الفیل	(۱۰۰) القریش	(۱۰۱) الماعون	(۱۰۲) الکوثر
(۱۰۳) القدر	(۱۰۴) الکافرون	(۱۰۵) النصر	(۱۰۶) اللہب	(۱۰۷) الاخلاص	(۱۰۸) الفلق
(۱۰۹) الناس					

اس کے علاوہ عبد اللہ بن مسعود رض وغیرہ کے اور بھی مصاحف مختلف ترتیبوں کے تھے مگر ان میں سے کوئی بھی مقبول و مستند نہیں ہو سکا اور سب نے اسی مصحف صدیق رض کو مستند تسلیم کیا کیونکہ اس کی ترتیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و تعلیم اور لوح محفوظ کے مطابق ہے۔

قرآن مجید میں **سات منزلیں** ہیں۔ اگر ایک منزل روز پڑھی جائے تو ایک ہفتہ میں ایک قرآن ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں (۵۵۸) پانچ سو اٹھاون **رکوعات** ہیں اور (۶۶۶۶) چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ **آیتیں** ہیں جن میں سے ایک ہزار (۱۰۰۰) آیتیں وعید کی ہیں۔ ایک ہزار احکام کی ہیں ایک ہزار نواہی کی ہیں ایک ہزار امثال میں ہیں۔

ایک ہزار قصوں سے کے متعلق ہیں۔ پانچسو حرمت وحلت یا حرام وحلال کے متعلق ہیں
ایک سو دعاؤں کی اور چھیاسٹھ آیتیں ناسخ ومنسوخ ہیں۔

قرآن مجید میں

(۷۶۹۳۴) چھہتر ہزار نو سو چونتیس الفاظ ہیں مگر بعض حساب لگانے والوں نے[5]
(۷۷۶۳۹) الفاظ گنوائے ہیں اور انھوں نے حساب میں غلطی کی ہے۔
قرآن مجید میں (۳۲۷۷۴۳) تین لاکھ ستائیس ہزار سات سو تینتالیس
حروف ہیں اور ان حروف کی تفصیل حسب ذیل ہے

الف	ب	ت	ث	ج	ح
۴۸۸۷۲	۱۰۴۲۸	۱۰۱۹۹	۱۲۷۶	۳۱۷۳	۳۹۷۳
خ	د	ذ	ر	ز	س
۲۴۱۶	۵۶۰	۴۶۶۹	۱۵۷۹۳	۱۵۷۰	۵۸۹۱
ش	ص	ض	ط	ظ	ع
۲۲۵۳	۲۶۳	۱۶۰۷	۱۳۷۶	۸۴۲	۹۲۲
غ	ف	ق	ک	ل	م
۲۴۰۹	۸۴	۶۸۱۳	۹۵۲۲	۳۰۶۳۲	۲۶۵۶۰
ن	و	ہ	لا	ی	جملہ
۴۵۱۹۰	۲۵۵۳۶	۱۹۰۷۰	۳۷۲۰	۲۵۹۱۹	۳۲۰۷۴۳

[5] کمپری ہنسو کمسری اوٗن دی قرآن مصنفہ یو ای یم ہویری یم۔ اے مطبوعہ لندن ۱۲

قرآن مجید میں (۱۷۷۳۸۲) ایک لاکھ ستہتر ہزار تین سو بیاسی نقطے ہیں۔

ف

منزلوں، پاروں، سورتوں اور رکوعوں کی تعداد متفق علیہ ہے۔ آیتوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بہت سی آیتیں ایسے نہج پر واقع ہوی ہیں کہ ایک آیت بھی ہوسکتی ہے اور دو آیتیں بھی کہی جاسکتی ہیں۔ ایسے مقامات پر جن لوگوں نے ایک ہی آیت قرار دی اُن کے نزدیک تعداد آیات کم ہوگئی اور جنہوں نے آیت کے دو حصے کرکے دو الگ آیتیں قرار دیں اُن کے نزدیک تعداد بڑھ گئی بہرحال کچھ ہو یہ اختلاف لایق توجہ نہیں ہے بلکہ اس اختلاف کو اختلاف کہنا ہی غلطی ہے۔

ایسا ہی اختلاف حروف کی تعداد میں ہے۔

عربی زبان میں بعض کلمات کے ساتھ چند حروف ایسے آتے ہیں جو صرف لکھنے میں ہوتے ہیں جزو لفظ نہیں ہوتے مثلاً **فَعَلُوْا** کا الف یا مثلاً قرآن مجید میں لَاۡاِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ کا پہلا الف۔ جن لوگوں نے ان حروف کو بھی شامل کرلیا انہوں نے تعداد زیادہ بتلائی اور جنہوں نے ایسے حروف کو نظر انداز کردیا اُن کے حساب میں کمی آگئی۔

یہی حال نقطوں کے اختلاف تعداد کا ہے۔ قرآن میں بہت ایسے الفاظ ہیں جو بعض کے نزدیک ی کے ساتھ ہیں اور بعض کے نزدیک الف کے ساتھ ہیں جیسا کہ ہم اختلاف قرات کے ضمن میں بیان کرچکے ہیں اور اس صورت میں نقطوں کی تعداد کا حساب میں گھٹنا بڑھنا ظاہر ہے۔

آیات مکی و مدنی

جو آیتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں ان کو اصطلاح میں مکی اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں ان کو مدنی کہتے ہیں عام اس سے کہ مکہ میں اتری ہوں یا مدینہ میں یا کہیں اور۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

یحیٰ ابن سلام کے نزدیک مکی وہ آیات ہیں جو پیغمبر خدا صلعم کے مدینہ جانے سے پہلے مکہ میں نازل ہوئیں اور بقیہ مدنی ہیں بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ جو آیتیں مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ ہجرت کے بعد ہوں یا پہلے اور جو آیتیں مدینہ منورہ میں اتریں وہ مدنی ہیں۔ اس مسلک کی بنا پر اُن آیتوں کو جو سفر میں نازل ہوئیں نہ مکی کہہ سکتے نہ مدنی۔

یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کی کتنی آیتیں مکی ہیں اور کتنی مدنی۔ کثرت آرا اس طرف ہے کہ چار ہزار آٹھ سو چالیس آیتیں مکی ہیں اور ایک ہزار آٹھ سو چھبیس (۱۰۲۶) آیتیں مدنی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)
سورۃ الفاتحہ	یوسف	الحجر	طٰہٰ	الانبیاء	المومنون
(۷)	(۸)	(۹)	(۱۰)	(۱۱)	(۱۲)
النمل	العنکبوت	الروم	السجدہ	الفاطر	الصافات
(۱۳)	(۱۴)	(۱۵)	(۱۶)	(۱۷)	(۱۸)
صٓ	الذاریات	النجم	الطور	الملک	نٓ
(۱۹)	(۲۰)	(۲۱)	(۲۲)	(۲۳)	(۲۴)
الحاقۃ	المعارج	نوح	الجن	المدثر	القیامۃ
(۲۵)	(۲۶)	(۲۷)	(۲۸)	(۲۹)	(۳۰)
الدہر	المرسلات	النباء	النازعات	عبس	التکویر

(۳۱) الانفطار	(۳۲) الانشقاق	(۳۳) البروج	(۳۴) الطارق	(۳۵) الاعلیٰ	(۳۶) الغاشیہ
(۳۷) البلد	(۳۸) الشمس	(۳۹) اللیل	(۴۰) الضحیٰ	(۴۱) الانشراح	(۴۲) العلق
(۴۳) القارعۃ	(۴۴) التکاثر	(۴۵) الفیل		(۴۶) اللہب	(۴۷) حٰمٓ السجدہ

یہہ مذکورہ (۴۷) سینتالیس سورتیں تمامہا مکی ہیں۔

(۴۸) سورۃ انعام مکی ہے مگر مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ الخ تین آیتیں مدنی ہیں اور بعضوں کے نزدیک قُلْ تَعَالَوْا الخ تین آیتیں مدنی ہیں۔

(۴۹) سورۃ الاعراف مکی ہے مگر وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الخ پانچ یا آٹھ آیتیں اس میں کی مدنی ہیں۔

(۵۰) سورۂ یونس مکی ہے مگر فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ الخ دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۱) سورۂ ہود مکی ہے مگر اَقِمِ الصَّلٰوةَ ایک آیت یا فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ ایک آیت اور اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ الخ۔ دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۲) سورۂ ابراہیم مکی ہے مگر اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا ایک یا دو آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۳) سورۃ النحل مکی ہے مگر وَاِنْ عَاقَبْتُمْ ایک آیت مدنی ہے۔

(۵۴) سورۃ الاسراء مکی ہے مگر وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ آٹھ آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۵) سورۃ الکہف مکی ہے مگر وَاصْبِرْ نَفْسَكَ ایک آیت

مدنی ہے۔

(۵۶) سورۂ مریم مکی ہے مگر فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ دو آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۷) سورۃ الحج مکی ہے مگر وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ دو آیتیں مدنی ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک هٰذٰنِ خَصْمٰنِ چھ آیتیں مدنی ہیں۔

(۵۸) سورۃ الفرقان مکی ہے مگر وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ ایک آیت مدنی ہے۔

(۵۹) سورۃ الشعراء کی آخر کی دو آیتیں وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ مدنی ہے۔

(۶۰) سورۃ القصص کی ایک آیت اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ مکی نہیں ہے اور ایک آیت اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ سے لیکر لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ تک مدنی ہے۔

(۶۱) سورۂ لقمان کی دو آیتیں وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ الخ مدنی ہیں۔

(۶۲) سورۃ السبا کی ایک آیت وَیَرَی الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الخ مدنی ہے۔

(۶۳) سورۃ الزمر کی ایک آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ مدنی ہے

(۶۴) سورۃ الغافر کی دو آیتیں اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ الخ مدنی ہیں۔

(۶۵) سورۃ الشوریٰ کی چار آیتیں قُلْ لَّا اَسْئَلُکُمْ الخ مدنی ہیں۔

(۶۶) سورۃ الزخرف کی ایک آیت وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ مدنی ہے۔

(۶۷) سورۃ الدخان کی ایک آیت اِنَّا کَاشِفُوا الْعَذَابِ مدنی ہے۔

(۶۸) سورۃ الجاثیہ کی ایک آیت قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ مدنی ہے۔

(۶۹) سورۃ الاحقاف کی ایک آیت قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مدنی ہے اور بعض کے نزدیک دو آیتیں وَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ

اور وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بھی مدنی ہیں۔

(۷۰) سورۂ قٓ کی ایک آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ الخ مدنی ہے۔

(۷۱) سورۃ القمر کی ایک آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ الخ مدنی ہے۔

(۷۲) سورۃ الرحمٰن کی ایک آیت يَسْئَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ الخ مدنی ہے

(۷۳) سورۃ الواقعہ کی دو آیتیں ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ اور اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ الخ مدنی ہے۔

(۷۴) سورۃ المزمل کی ایک آیت اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ الخ مدنی ہے۔

مَدَنِيَّات

(۷۵) سورۃ الانفال مدنی ہے مگر وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الخ سات آیتیں مکی ہیں۔

(۷۶) سورۃ التوبۃ کی آخر کی دو آیتیں مکی ہیں باقی سب سورہ مدنی ہے۔

(۸۲)	(۸۱)	(۸۰)	(۷۹)	(۷۸)	(۷۷)
الاحزاب	النور	المائدہ	النساء	آل عمران	سورۃ البقرۃ
(۸۸)	(۸۷)	(۸۶)	(۸۵)	(۸۴)	(۸۳)
الجمعہ	الممتحنہ	الحشر	المجادلہ	الحجرات	الفتح
(۹۴)	(۹۳)	(۹۲)	(۹۱)	(۹۰)	(۸۹)
الناس	الفلق	النصر	التحریم	الطلاق	المنافقون

یہ مذکورہ اٹھارہ سورتیں بتمامہا مدنی ہیں۔

مختلف فیہ

(۱۰۰)	(۹۹)	(۹۸)	(۹۷)	(۹۶)	(۹۵)
التغابن	الصف	الحدید	القتال	یٰس	سورۃ الرعد

(۱۰۱) التطفیف	(۱۰۲) الفجر	(۱۰۳) التین	(۱۰۴) القدر	(۱۰۵) لم یکن	(۱۰۶) الزلزل
(۱۰۷) العادیات	(۱۰۸) العصر	(۱۰۹) الہمزہ	(۱۱۰) القریش	(۱۱۱) الماعون	(۱۱۲) الکوثر
		(۱۱۳) الکافرون	(۱۱۴) الاخلاص		

یہ بیس سورتیں مختلف فیہ ہیں۔ بعض کے نزدیک مکی ہیں بعض کے نزدیک مدنی ہیں۔

آیتوں میں سب سے پہلے

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور سب سے آخر میں یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ نازل ہوئی ہے

سورتوں میں آخری سورۃ

سورۃ التوبۃ ہے کہ اس کے بعد پھر کوئی سورت نازل نہیں ہوئی اور قرآن مکمل ہوگیا۔

قرآن مجید میں

سب سے بڑی سورت ۱ سورۃ البقرہ ہے اور سب سے چھوٹی سورت ۱ سورۃ الکوثر ہے۔

قرآن میں سب سے بڑی آیت

آیۃ المدانیۃ ہے جو سورۃ البقرہ میں ہے اور جس کا شروع ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا تَدَایَنْتُمْ اور قرآن بھر میں سب سے چھوٹی آیت ہے "مُدْهَآمَّتٰنِ"

۵ـ اتقان النوع الثامن۔

آیات سفری و حضری

کونسی آیتیں سفر کے وقت نازل ہوئیں اور کونسی اقامت میں

(۱)

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى

سورۃ البقرہ کی یہ آیت حسب روایت جابرؓ و عمر فاروقؓ حجۃ الوداع کے سال اسوقت نازل ہوئی جب کہ پیغمبر خدا صلعم طواف کعبہ کر رہے تھے مگر ابن الحصار کا بیان ہے کہ یہ آیت عمرۃ القضاء یا غزوۃ الفتح کے وقت اُتری۔

(۲)

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

سورۃ البقرہ کی یہ آیت عمرہ حدیبیہ میں یا حسب روایت سدی حجۃ الوداع میں نازل ہوئی

(۳)

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذَٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

شَدِیْدُ الْعِقَابِ

سورۃ البقرہ کی یہ آیت حدیبیہ کے عمرہ میں نازل ہوئی۔ پیغمبر خدا عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ تشریف لیجاتے تھے کہ حدیبیہ ایک موضع میں کافروں نے آپ کو روکدیا۔ آپ نے وہیں قربانی کرا کے سب کے احرام اتروا دیئے اسی کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۴)

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

سورہ بقر کی یہ آیت آخر سورہ تک اس روز نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم مکہ فتح کر چکے تھے اور مع تمام صحابہ کے سفر کی حالت میں تھے۔ف

(۵)

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰی

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ

سورۃ البقرہ کی آیت حجۃ الوداع کے سال مقام منا مین نازل ہوئی (رواہ البیہقی فی الدلائل)

(۶)

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ

سورۃ آل عمران کی یہ آیت حسب روایت حضرت عبداللہ بن عباس رض مقام حمراالاسد میں

ف اس کے بعد امام سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک اس آیت کے فتح مکہ کے دن نازل ہونے پر کوئی برہان نہیں ہے۔

نازل ہوی۔

(۷)

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ الخ

سورۃ النسار کی یہ آیت تیمم سفر کی حالت میں نازل ہوی جبکہ پانی مفقود تھا اور اس کے نزول کا باعث جناب ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ ہیں مگر وہ سفر کون سا تھا! یہ متحقق نہیں ہے۔

(۸)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا الآیہ

سورۃ النسار کی یہ آیت حسب روایت حضرت ابن عباسؓ فتح مکہ کے دن خاص کعبۃ اللہ کے اندر نازل ہوئی۔

(۹)

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْۤا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا الآیہ

سورۃ النسار کی یہ آیت حسب روایت زرقی مقام عسفان میں ظہر اور عصر کے درمیان میں نازل ہوی۔

(۱۰)

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ الآیہ

سورۃ النسار کی یہہ آخری آیت کلالہ سفر میں نازل ہوی مگر یہہ متحقق نہیں کہ وہ سفر کونسا تھا۔

(۱۱)

سورۃ المائدہ کے شروع کی ایک آیت یا دو آیتیں یا چار آیتیں یا پانچ آیتیں حسب

روایت اسماء بنت یزید منا میں بحالت سفر نازل ہوئیں اور محمد بن کعب سے ابو عبید نے روایت کی ہے کہ سورۃ المائدہ حجۃ الوداع میں مابین مکہ و مدینہ نازل ہوئی۔

(۱۲)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔

سورۃ المائدہ کی یہہ آیت حجۃ الوداع کے سال جمعہ کے روز عرفہ کی رات کو نازل ہوئی۔

(۱۳)

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْھِکُمْ مِّنْہُ الخ

سورۃ المائدہ کی یہ آیت تیمم حسب روایت عائشہ صدیقہؓ مقام بیدار یا ذات الجیش میں نازل ہوئی بیدار کا دوسرا نام ذوالحلیفہ ہے اور ذات الجیش مدینہ منورہ سے تھوڑے فاصلہ پر واقع ہے

(۱۴)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

سورۃ المائدہ کی یہ آیت حسب روایت قتادہ اسوقت نازل ہوئی جب کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب نے پیغمبر خدا کو ایذا پہونچانے کا ارادہ کیا تھا اور آپ نخلستان کے بیچ میں تشریف فرما تھے۔

(۱۵)

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

سورۃ المائدہ کی یہ آیت حسب روایت جابر رضہ غزوہ بنی انمار میں مقام ذات الرقاع میں نازل ہوئی۔

(۱۶)

سورۃ الانفال کی شروع کی تین آیتیں حسب روایت سعد بن ابی وقاصؓ مقام بدر میں جنگ کے بعد نازل ہوئی

(۱۷)

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ الآیہ

سورۃ الانفال کی یہ آیت بھی مقام بدر میں واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔

(۱۸)

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا الخ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت حسب روایت ثوبانؓ سفر میں نازل ہوئی مگر سفر کونسا تھا اسکی تحقیق نہیں

(۱۹)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ الآیہ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت حسب روایت عبداللہ بن عباس رضہ غزوہ تبوک میں نازل ہوئی

(۲۰)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ الآیہ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت بھی حسب روایت ابن عمرؓ غزوہ تبوک میں نازل ہوئی

(۲۱)

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الخ

سورۃ التوبۃ کی یہ آیت مقام عسفان میں نازل ہوئی جب رسول خدا ؐ نے اپنی مادر مشفقہ کی قبر پر جا کر اُن کے لئے دعائے مغفرت کی تھی۔

(۲۲)

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ۔

سورۃ النحل کی یہ آخری آیت مقام احد پر نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم حضرت حمزہ رضؓ کی شہادت کے بعد اُن کے پاس جا کر کھڑے ہوئے تھے مگر ابی بن کعب سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نازل ہوئی۔

(۲۳)

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ الآیہ

سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت حسب روایت عبدالرحمن بن غنم مقام تبوک میں نازل ہوئی۔

(۲۴)

سورۃ الحج کی شروع کی آیت وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ تک غزوہ بنی مصطلق کے سفر میں نازل ہوئی۔

(۲۵)

هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا الخ

سورۃ الحج کی یہ آیت مقام بدر میں عین جنگ کے وقت نازل ہوئی جب کہ اہل اسلام کفار کا ناطقہ بند کر رہے تھے۔

(۲۶)

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَإِنَّ اللّٰهَ الخ

سورۃ الحج کی یہ آیت سفر ہجرت میں نازل ہوئی۔

(۲۷)

أَلَمْ تَرَ إِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ الخ (سورۃ الفرقان)

یہ آیت مقام طائف میں نازل ہوی مگر امام سیوطی کو اس روایت پر وثوق نہیں ہے

(۲۸)

إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ (سورۃ القصص)

یہ آیت سفر ہجرت میں مقام جحفہ پر نازل ہوئی۔

(۲۹)

سورۃ الروم کی شروع آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ الخ مقام بدر میں جنگ سے پہلے نازل ہوئی۔

نمبر	نام سورہ	آیت	مقام نزول مع کیفیت
۳۰	سورۃ الزخرف	وَاسْئَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ الخ	معراج کی رات بیت المقدس میں نازل ہوئی۔
۳۱	سورۂ محمد	وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً الخ	سفر ہجرت میں نازل ہوئی۔
۳۲	سورۃ الفتح	سُوْرَةُ الْفَتْح	کراع الغمیم یا بروایت دیگر درمیان مکہ و مدینہ۔
۳۱	الحجرات	يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ الخ	مکہ بعد فتح جبکہ حضرت بلالؓ

نمبر شمار	نام سورہ	آیت	مقام نزول مع کیفیت
			اذاں دینے کیلئے کعبہ کی چھت پر چڑھے تھے۔
۳۴	سورۃ الواقعہ	ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ الخ	سفر مدینہ۔
۳۵	”	أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ الخ۔	”
۳۶	الممتحنہ	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ الخ	اسفل حدیبیہ
۳۷	المنافقون	سُورَةُ الْمُنَافِقِينَ	مقام تبوک
۳۸	المرسلات	سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ	غار منا
۳۹	المطففین	سُورَةُ الْمُطَفِّفِينَ	سفر ہجرت وقبل دخول آنحضرت بمدینہ۔
۴۰	العلق	شروع سورہ	غار حرا
۴۱	سورۃ الکوثر	سورۃ الکوثر	حدیبیہ۔ مگر امام سیوطی اسکو غیر مستند فرماتے ہیں۔
۴۲	النصر	سورۃ النصر	منا۔ روز اوسط ایام تشریق حجۃ الوداع

یہ کل بیالیس نمبر کی مصرحہ بالا آیتیں سفری ہیں اور ان کے علاوہ کل آیات قرآنیہ عالت اقامت میں نازل ہوئیں۔

آیات لیلی و نہاری

کونسی آیتیں رات کے وقت نازل ہوئیں کونسی دن کے وقت

(۱)

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ الخ (البقرہ سیقول)

بعض روایتوں میں بیان کیا گیا ہے کہ سورۃ البقرہ کی یہ آیت تحویل قبلہ دن کے وقت ظہر و عصر کے درمیان میں نازل ہوئی۔ مگر قاضی جلال الدین وغیرہ صحیح مذہب یہی ہے کہ آیت مذکورہ رات میں اتری۔

(۲)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

سورۂ آل عمران کی یہ آخر کی آیتیں رات میں عشا کے وقت یا بعد نازل ہوئیں۔

(۳)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ الخ

جنگ اُحد میں رات کے وقت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کرتے تھے کہ کہیں بیخبری میں دشمنانِ اسلام آپ کی جان کو نقصان نہ پہونچائیں۔ اسی رات کو یہ آیت عشا کے بعد نازل ہوئی آپ نے پہرہ دینے والوں سے فرمایا کہ بس اب پہرہ کی ضرورت نہیں رہی۔ تم لوگ آرام کرو کیونکہ خدا نے میری حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

(۴)

سورۃ الانعام مکۂ معظمہ میں اور سورۂ مریم اور سورۃ المنافقین یہ تینوں سورتیں رات کے وقت نازل ہوئیں۔

(۵)

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الآیہ

سورۃ التوبہ کی یہ آیت رات کے دو ثلث گذر جانے پر نازل ہوئی جب کہ صرف ایک تہائی رات باقی تھی۔

(۶)

سورۃ الحج کے شروع کی چار یا پانچ آیتیں رات میں نازل ہوئیں۔

(۷)

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ

مدینہ منورہ میں بیت الخلا گھروں کے اندر بنانے کا دستور نہ تھا۔ بی بیاں رات کو پڑوس کے میدانوں میں قضائے حاجت کیلئے جاتی تھیں۔ ایسا ہوا کہ آیت حجاب کے اُترنے سے پہلے ایک روز اُمّ المومنین سودہؓ قضائے حاجت کیلئے باہر گئی ہوئی تھیں واپسی میں حضرت عمرؓ ملے اور اُمّ المومنین سودہؓ چونکہ جسیم اور قدآور بی بی تھیں، عمرؓ نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اونکو اچھا نہ معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی ازواج مطہرات عام عورتوں کیطرح باہر نکلیں۔ دیکھتے ہی حضرت سودہ رض کو للکارا کہ خدا کی قسم! ہم نے تمکو پہچان لیا بھلا دیکھوں تو سہی اب تم کیونکر باہر نکلتی ہو! حضرت سودہ رض ہانپتی کانپتی گھر میں آئیں۔ اور سارا ماجرا رسول اللہ صلعم سے عرض کیا۔ اور اسی کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

(۸)

وَ اسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا الآیہ

سورۃ الزخرف کی یہ آیت معراج کی رات میں نازل ہوئی۔

(۹)

سورۃ الفتح کی شروع کی ایک یا دو آیتیں رات میں نازل ہوئیں۔

(۱۰)

امام سخاوی نے کتاب جمال القرا میں ابن مسعود رضؓ سے روایت کی ہے کہ سورۃ المرسلات حرا میں لیلۃ الجن میں نازل ہوئی مگر امام سیوطی کا صحیح و مستند بیان یہ ہے کہ جیسا کہ انہوں نے صحیح اسماعیلی اور بخاری کی سند سے لیا ہے کہ سورۃ المرسلات نویں ذی الحجہ کو رات کے وقت منا میں نازل ہوئی۔

(۱۱)

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دونوں سورتیں رات میں نازل ہوئیں در راہ عقبۃ بن العامر الجھنی)

جو آیتیں صبح کے وقت نازل ہوئیں

(۱)

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ الآیہ

آیۃ التیمم جس کا ذکر ایک دفعہ گذر چکا ہے صبح کے وقت نازل ہوئی جب کہ پانی بالکل مفقود ہو گیا تھا۔

(۲)

لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ الخ

سورۂ آل عمران کی یہ آیت صبح میں اُسوقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کی دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھ کر ابو سفیان وغیرہ کے حق میں بد دعا کرنے کے ارادہ میں تھے۔

ان گیارہ اور دو مقامات کے علاوہ بقیہ سارا قرآن مجید دن کے وقت (نجماً نجماً) نازل ہوا۔

آیات فراشی و نومی

کونسی آیتیں سونے کے وقت نازل ہوئیں اور کونسی نیند میں

(۱)

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ الآیہ

سورۃ التوبۃ کی یہ آیت اسوقت نازل ہوئی جب تہائی رات باقی تھی اور پیغمبر خدا صلعم ام سلمہ رضا کے حجرہ میں بستر راحت پر تھے۔

(۲)

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ الآیہ

سورۃ المائدہ کی یہ آیت رات کے اسوقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلعم سونے کے لئے بستر راحت پر لیٹ چکے تھے۔

(۳)

مسلم نے حضرت انس رض سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپکے تبسم کا کیا سبب ہے فرمایا! مجھپر ابھی ایک سورت نازل فرمائی گئی ہے اور اس کے بعد آپنے سورۃ الکوثر تلاوت کی۔

حضرت انس رض وغیرہ کے سامنے رسول اللہ صلعم خواب استراحت میں تھے اسلئے ان حاضرین کو گمان ہوا کہ سورۃ الکوثر نیند کی حالت میں نازل ہوئی ہے۔ مگر ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بیدار ہوتے ہی نزول وحی شروع ہو گیا ہو، اور دیکھنے والوں نے اس حالت وحی کو بھی حالتِ خواب ہی سمجھا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بازاری اور ایک ثقہ شخص کے خوابوں میں فرق ہوتا ہے۔

اعلیٰ درجہ کے آدمی کا خواب ادنیٰ درجہ کے خواب سے متفاوت ہوتا ہے۔
بادشاہ کا خواب عام رعایا کے خواب سے ایسے ارفع درجہ پہ ہوتا ہے کہ عامیوں
کے خواب کو اس سے لگاؤ تک نہیں ہوتا۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس جو لوگ نہایت متقی و
پرہیزگار ہیں۔ سچے عبادت گذار ہیں۔ صاف باطن اور صاحب دل ہیں ان کے
خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ خوابوں میں بہت سے واقعات اور بہت سی باتوں پر
متنبہ ہوجاتے ہیں اور وہ ہرگز خواب پریشاں نہیں دیکھتے کیونکہ ایسے واہی تباہی
خواب انہیں لوگوں کو نظر آتے ہیں جن کے خیالات پراگندہ ہوتے ہیں۔ جنکا
باطن گندہ ہوتا ہے اور جو دن رات فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں۔
اس عقل و نقل سے بدیہی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے خواب
جھوٹے نہیں بلکہ سچے اور مطابق واقع کے ہوتے ہیں اور کبھی اُن کو دربار الٰہی سے
خواب ہی میں احکام عطا ہوتے ہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو رویاء میں اسمٰعیل علیہ السّلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں فتح مکہ کی خبر دی گئی اور ہو بہو ویسا ہی واقعہ ہوا
جیسا کہ خواب میں ملاحظہ فرمایا تھا۔ اس بناء پر ہم علمائے اسلام علیہم الرحمہ کے اختلافات
و مباحث سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ اگر سورۃ الکوثر نیند میں ہی نازل ہوئی تو
اس میں کچھ قباحت نہیں نہ کچھ محل اعتراض ہوسکتا جسطرح حضرت ابراہیم کو خواب میں بیٹے
کی قربانی کا حکم ہوا اور وہ خواب سچا تھا اسی طرح ہمارے رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ
علیہ وسلم پر نیند کی حالت میں سورۃ الکوثر نازل ہوئی اور وہ برحق ہے جس نے
شروع زمانۂ نبوت میں نازل ہوتے ہی فصحائے عرب کے چھکے چھڑا دیے اور
سب ششدر ہو کر رہ گئے۔

ان تین مقامات کے سوا، باقی تمام قرآن مجید بیداری میں نازل ہوا۔

آیات صیفی و شتائی

کونسی آیتیں گرمی میں نازل ہوئیں اور کونسی جاڑے میں عہ

(۱)

قرآن مجید میں کلالہ کے متعلق دو جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک وہ آیت جو سورۃ النسآ کے شروع میں ہے۔

وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ

یہ آیت جاڑے میں نازل ہوئی۔

(۲)

دوسری وہ آیت جو سورۃ النساء کے آخر میں ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ الآیہ

یہ آیت گرمیوں میں نازل ہوئی۔

(۳)

سورۃ المائدہ کا شروع اور

(۴)

• اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

عہ - حال میں بعض نئے نادان دشمنان قرآن نے ان پر یہ انوکھا اعتراض کیا ہے کہ موسم کے اعتبار سے جو آیات کی صرف سرمائی و گرمائی دو تقسیمیں کی ہیں تو کیا عرب میں برسات کا موسم نہیں ہوتا۔ **جواب** برسات کا موسم تقریباً ہر حصہ دنیا پر ہوتا ہے مگر کہیں برسات کو جداگانہ موسم قرار نہیں دیا گیا ہے کیونکہ برسات بھی انہیں ع ۲ گویا دو موسموں میں سے کسی ایک موسم میں ہوگا یا ہنوز۔ چشم بداندیش کہ برکندہ باد + عیب نماید ہنرش در نظر

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(۵)

اور سورۃ البقرہ کی آیت ۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ

یہ سب آیتیں گرمیوں میں نازل ہوئیں ۔

(۶)

سورۃ النصر بھی موسم گرما میں نازل ہوئی ۔

(۷)

سورۃ التوبہ میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

سے لیکر وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ تک

اور

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

اور اس کے پہلے کی آیتیں جو غزوہ تبوک کے متعلق ہیں نہایت سخت گرمیوں میں نازل ہوئیں ۔

(۸)

سورۃ النور میں - اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ سے لیکر اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ تک جو ۱۴ چودہ آیتیں جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برارت وطہارت میں ہیں وہ سب جاڑوں میں نازل ہوئیں -

(۹)

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللہِ عَلَیْکُمْ سے لیکر وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْھَا وَکَانَ اللہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا تک انیس ۱۹ آیتیں جو سورۃ الاحزاب میں غزوۂ خندق کے متعلق ہیں اب جاڑوں میں نازل ہوئیں -

آیات ارضی وسماوی

کونسی آیتیں زمیں پر نازل ہوئیں اور کونسی آسمان پر

چھ آیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات میں نازل ہوئیں ۔

(۱)

تین آیتیں سورۃ الصافات میں ہیں ۔
وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ
الْمُسَبِّحُوْنَ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۔

(۲)

چوتھی آیت سورۃ الزخرف میں ہے وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ

(۳)

دو آیتیں سورۃ البقر کے آخر کی ۔ یہ چھ آیتیں رسول خدا صلعم پر اُسوقت نازل ہوئیں
جب آپ معراج میں بیت المقدس سے عالم بالا کی طرف روانہ ہو چکے تھے ۔
اب یہاں علماء کے دو گروہ ہو گئے ہیں ۔
بعض کہتے ہیں کہ یہ آیتیں زمین و آسمان کے درمیان میں نازل ہوئیں اور امام
سیوطی اسی گروہ میں ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ آیات مذکورہ رسول اللہ صلعم کے آسمانوں پر
پہونچنے کے بعد نازل ہوئیں تو اس مسلک پر یہ آیتیں سماوی ہوئیں اور پہلے
مسلک پر گویا جو السماء میں اتریں ۔
علمائے اسلام مسئلہ معراج میں بھی مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ آپ اسی خاکی جسد کیساتھ

آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ بعض روحانی معراج کے قائل ہیں اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ واقعہ معراج خواب تھا اور چونکہ رسول کا خواب بالکل سچا اور مطابق واقع کے ہوتا ہے۔ اس لئے معراج میں جو کچھ آپ نے دیکھا وہ سب برحق اور واقعی تھا۔ قرآن مجید میں نہ تو جسمانی معراج پر کوئی برہان ہے نہ اسکا بطلان ہے۔ البتہ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک رسول کا جانا قرآن میں مصرح ہے اور الفاظ قرآنی کا انداز یہی کہتا ہے کہ معراج جسمانی تھا بہرحال اگر ہم معراج کو روحانی یا خواب میں ہونا مانیں تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے اور جسمانی معراج تسلیم کریں تو اس میں بھی کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے۔

(۴)

آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ الآیہ۔

سورۃ البقرہ کی یہ آخری آیت معراج میں قاب قوسین پر نازل ہوئی۔ اور ان چار مقامات کے سوا، بقیہ تمام قرآن زمین پر نازل ہوا۔

بحث

غیر مذہب اور فلسفی خیال والے غالباً اس کو باور نکریں گے کہ آسمان و زمین کے درمیان میں آیات کا نازل ہونا اور انسان کا زمین سے آسمان کو جانا دوراز قیاس باتیں ہیں مگر اہل اسلام مجبور ہیں کہ نص اور وحی قطعی پر ضرور ایمان لائیں گو وہ محال عادی ہوں وحی کے مقابلہ میں شبہات فلسفیانہ اَوْهَنُ مِنْ بَیْتِ الْعَنْکَبُوْتِ ہیں۔ اگرچہ یہ موقع اس بحث کا نہیں ہے پھر بھی دلچسپی ناظرین کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری ہے لِاَنَّ مَا لَا یُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا یُتْرَكُ كُلُّهٗ۔

ان اور ان جیسی باتوں سے انکار کرنے والے تین صورت سے خالی نہیں (۱) یا تو

منکر مسلمان ہے (۲) یا اسلام کے سوا کسی دوسرے مذہب کا پیرو ہے (۳) یا سرے سے مذہبی ہی نہیں بلکہ صرف فلسفی خیال کا ایک سائنٹیفک آدمی ہے۔

(۱) مسلمان اس حیثیت سے کہ وہ مسلمان ہے ایسے خلاف عادت امور سے انکار نہیں کرسکتا۔ جو کتاب وسنت میں منصوص ہیں اس لئے کہ پیغمبروں سے خرق عادات ومعجزات کا ظہور، قیامت کا برپا ہونا۔ تمام مردوں کا صور کی آواز پر قبروں سے اٹھ کھڑے ہونا، قبر میں مرنے کے بعد سوال وجواب ہونا وغیرہ وغیرہ اس سے زیادہ حیرت انگیز اور خلاف عادت امور ہیں تو ایسے بڑے بڑے خرق عادات کو تسلیم کرلینے کے بعد صرف حیرت خیز امور سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) دوسرے مذاہب والوں کو اسلام کی خلاف عادت باتوں پر اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس میں خلاف عادت امور نہ ہوں اور جب خود اپنے مذہب میں ویسے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ خلاف عقل امور موجود ہیں جن پر ایمان واعتقاد رکھنا جزو مذہب ہے تو وہ اسلام پر کس منہ سے اعتراض کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں۔!

(۳) اگر معترض قید مذہبیت سے آزاد اور صرف سائنٹیفک آدمی ہے تو ہم اس سے ادب کے ساتھ پوچھتے ہیں کہ زمین سے آسمان کی طرف یا آسمان پر جانا اور پھر سمار میں پیغمبر اسلام پر آیات قرآنی کا نازل ہونا کیوں ناقابل تسلیم اور اس میں کونسی بات خلاف عقل ہے؟ زمین سے آسمان کی طرف صعود کرنا ہرگز خلاف عقل اور محال نہیں بلکہ خلاف عادت بھی نہیں ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بلا کسی ذریعہ کے پردار پرندوں کی طرح آسمان کو پرواز کر گئے۔ بلکہ یہ کہ آپ کسی ذریعہ سے آسمان کی طرف تشریف لے گئے اور یہ محال نہیں ہے آخر سر توڑ کوششوں کے بعد یورپ والوں نے ہوائی جہاز بنا لیا کہ نہیں! جس کے ذریعہ سے زمین سے آسمان پر اڑنا آسان ہوگیا

رہی یہ بات کہ ایسی ایجادات تو عرب میں اُسوقت تھیں نہیں ! تو ہم اہل اسلام محمدؐ مصطفےٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو قادر مطلق کا رسول برحق مانتے ہیں جو روحانیات میں ایسے بڑے درجہ پر تھے جہاں تک طائر وہم کا گذر بھی محال ہے اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جبریل فرشتہ یا ارواح فلکی کے ذریعہ سے اپنے پیغمبر کو زمین سے آسمانوں پر پہونچا کر دم کی دم میں واپس کر دیا۔ بہر حال جب زمین سے آسمان کی طرف چڑھنا خلاف عقل نہیں بلکہ مشاہد ہے تو رسول عرب پر زمین و آسمان کے بیچ میں یا قاب قوسین پر قرآن کی آیتوں کا نازل ہونا بھی خلاف عقل نہیں ہو سکتا۔

یورپ کے فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ مشتری سیارہ ایک گھنٹہ میں تیس ہزار میل کی مسافت طے کرتا ہے اور بہت سے سیارات ایک ایک منٹ بلکہ ایک ایک سکنڈ میں لاکھوں میل طے کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر حرکت کے لئے محرک کا ہونا ضروری ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ جب تک کوئی قوت حرکت دینے والی نہو کوئی حرکت نہیں ہو سکتی اور جب یہ ثابت و مسلم ہے کہ ہر حرکت کیلئے ایک محرک کا ہونا واجب ہے تو جس محرک نے مشتری وغیرہ سیاروں کو اتنی سرعت رفتار بخشی ہے اُسی قوت نے اگر محمدؐ مصطفےٰ صلعم کے ذرے سے جثہ میں ایسی تیزی اور سرعت رفتار پیدا کر دی تو کونسی دشوار بات ہے اور کیا استبعاد ہے ! حالانکہ اعراض کے قبول کرنے میں اجسام سب برابر ہیں۔ حرکت کے لحاظ سے جسم کی چھوٹائی بڑائی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ بہ نسبت بڑے جسم کے چھوٹے جسم میں ہی زیادہ تیزی ہوگی اور یہ ہی کمالات روحانیات کا ایک ایسا درجہ ہے کہ کمال انسانی کے منازل کو طے کر کے انسان ارواح مجردہ میں شامل اور مثل ملأ اعلیٰ کے ہو جاتا ہے اور اُسوقت اس سے عجیب و غریب خلاف عادت حرکات ظہور پذیر ہوتے ہیں جنکو اصطلاح شرع میں

آیات فوق الارض و تحت الارض

کونسی آیتیں زمین پر نازل ہوئیں اور کونسی زمین کے نیچے نازل ہوئیں۔
قرآن مجید میں صرف ایک سورۃ المرسلات ہے جو زمین کے نیچے غار (حرا یا غار منا) کے اندر نازل ہوئی۔ باقی سب قرآن زمین کی سطح پر نازل ہوا (الاما نزل فی السماء کما مر)

ہم نے قرآن مجید کی لائف پر بھی مختصر بیان کی ہے۔ امام سیوطی کی کتاب اتقان فی علوم القرآن میں یہ مباحث بڑے وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ ہماری کتاب کا یہ مقدمہ اتقان کے اُن چند بابوں کا گویا خلاصہ ہے۔
اس لائف کے مطالعہ سے ناظرین پر یہ امر بخوبی روشن ہو گیا ہو گا کہ اس بارہ خاص میں دنیا کی کوئی آسمانی یا غیر آسمانی کتاب قرآن کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

تواتر قرآن

اسلام کے تمام فرقہ ہائے مختلفہ ومتعددہ کا اس بات پر اتفاق واجماع ہے کہ قرآن شریف جو کچھ ما بین الدفتین اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے (سوائے عنوانات کے) وہی کلام الٰہی اور وحی ربانی ہے۔ نہ اس میں کچھ تغیر وتبدل ہوا نہ کبھی کسی شرارت یا عدم محافظت سے اس میں زیادتی ونقصان یا الحاق واقع ہوا جتنا کچھ پیغمبر اسلام علیہ السلام پر نازل ہوا اتنا ہی بلا کسی کمی وبیشی کے اسوقت بھی بین الدفتین ہمارے سامنے ہے۔ بین الناس مشہور ومعروف ہے۔ مشرق سے مغرب تک شائع وذائع ہے اس کی تعظیم ضروریات دین سے ہے اور اس کا استہزا کرنے والا خارج از اسلام ہے۔

مسلمانوں نے سلفاً عن خلفٍ ہر ایک طبقہ میں اس کی حفاظت اور ضبط وکتابت اور دل وزبانوں پر حفظ کرنے کا ایسا اہتمام تام کیا ہے کہ مطلق شک وشبہ کی گنجایش باقی نہیں ہے۔ جس طرح اسلام دنیا کے ہر گوشہ میں پھیل گیا۔ اُسی طرح لاکھوں کروڑوں مسلمان حفاظ اس کو حفظ ونقل کرتے رہے اور یہ حفظ ونقل کا کام اتنے اعلیٰ درجہ پر رہا کہ دنیا کی کوئی مشہور سے مشہور بات اور غایت تواتر کو پہونچی ہوئی خبر بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ صحت تواتر میں قرآن آپ اپنی نظیر ہے۔

قرآن مجید خود آنحضرت صلعم کے حضور میں تلاوت کیا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رہنے بار ہا پیغمبرؐ کے روبرو اسکو ختم کیا۔ آنحضرت صلعم کے عہد میں قرآن مجموع ومولف ہوگیا اور آپ کے بعد اہل اسلام ہمیشہ اس کے حفظ ونسخ اور ضبط وتلاوت وقرارت میں مصروف وسرگرم رہے اور لاکھوں حفاظ وقرّا کے وسیلہ سے سینہ بہ سینہ ہم تک چلا آیا۔

پس قرآن مجید کا لعینہ محفوظ رہنا ایسے ہی تواتر سے ثابت ہے جیسے خود رسول عربیؐ کا وجود یا آلان مکہ و مدینہ اور لندن وغیرہ کا موجود ہونا۔

سنی و شیعہ دونوں فریق کے علماء اور عوام و خواص کا اسی پر اتفاق ہے کہ تواتر قرآن محل کلام نہیں ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور کمی و بیشی نہیں ہوئی ہے علمائے اثنا عشریہ میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہوا کہ قرآن مجید میں غیر قرآن داخل ہوا یا اوس میں سے کچھ کم ہو گیا۔ ائمہ اثنا عشر کا زمانہ مدت تک رہا ان بزرگان کبار کے سیرت و عمل اور قول و فعل سے بجز قرآن موجودہ کی تصدیق و تسلیم کے کوئی دوسری بات ظاہر نہیں ہوئی۔ وہ ہمیشہ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کی درس و تدریس کرتے رہے۔ سورتوں اور آیات کے فضائل و کرامت کا بیان کرتے رہے اور اپنے لڑکوں، لونڈیوں، عیال و اطفال اور خدام کو قرآن کی تعلیم کرتے رہے اور اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھتے پڑھاتے رہے اور مخالفین اسلام کے مقابلہ میں اسی قرآن سے تمسک کرتے رہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر وہ ائمہ دین قرآن موجودہ کو کلام اللہ نہ سمجھتے تو ہرگز اس پر ان کا مدار کار اور اعتماد و احتجاج نہ ہوتا حضرت امام محمد باقر کا قول ہے کہ ،، جس وقت فتنے تم پر ملتبس ہو جائیں تو قرآن کی طرف رجوع لاؤ کہ وہ شفاعت کرنے والا مقبول الشفاعة ہے جو کوئی اسکو آگے رکھیگا البتہ وہ اُسے جنت میں لیجائے گا امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ :-

اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ فِيْهِ اَنْوَارُ الْهُدٰى وَمَصَابِيْحُ الدُّجٰى	اس قرآن میں انوار ہدایت اور تاریکی ضلالت کے دور کرنے والے چراغ ہیں

حضرت امام علی نقی نے جو خط اپنے شیعوں کو لکھا تھا اس میں یہ کلام وارد ہے کہ ،،

قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ قَاطِبَةً عَلٰى اَنَّ الْقُرْآنَ لَا رَيْبَ فِيْهِ	تمام امت محمد یہ اس امر پر متفق ہے کہ اس قرآن (کے کلام اللہ ہونے) میں کچھ شبہ نہیں ہے

شیعہ اثنا عشریہ کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ نقصان قرآن کے قائل ہیں اور یہ کہ ان کی بعض کتب معتبرہ میں بعض روایات تحریف فی الجملہ وارد ہیں جن سے نقصان یا ایک آدہ لفظ کا تبدل ثابت ہوتا ہے۔

پہلا جواب:۔ شیعہ اثنا عشریہ ائمہ معصومین کی حدیثوں کو خلاف واقع کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے اور اُن کے سب ائمہ اثنا عشر اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن میں کچھ کمی و بیشی نہیں ہوی بلکہ جیسا کا ویسا محفوظ رہا ہے جیسا کہ دو تین اماموں کے قول ہم نقل کرچکے ہیں تو اب کوئی شیعہ اپنے اماموں کے خلاف قرآن کو محرف کہکر شیعہ نہیں رہ سکتا۔

دوسرا جواب:۔ مذہب شیعہ کے اکثر علمائے متقدمین و متاخرین اس امر میں اہل سنت کے ہمزبان ہیں کہ قرآن میں کچھ نقصان نہیں ہوا۔ چنانچہ شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن بابویہ قمیؒ رسالہ اعتقادات میں لکھتے ہیں کہ:—

اعتقادنا ان القرآن الذی انزل اللہ علی محمد نبیہ وھو ما بین الدفتین وھو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذٰلک ومبلغ سورہ عند الناس مائۃ واربعۃ عشر سورۃ وعندنا والضحیٰ والم نشرح سورۃ واحدۃ ولایلاف قریش والم ترکیف سورۃ واحدۃ ومن نسب الینا انا نقول انہ اکثر من ذلک فھو کاذب۔

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بلاشبہ وہ قرآن جو اللہ نے اپنے نبی محمد صلعم پر نازل کیا اور جو بین الدفتین موجود ہے اور جو لوگوں کے ہاتوں میں ہے وہ اس (موجودہ قرآن) سے زیادہ نہیں ہے عامۂ اہل اسلام کے نزدیک ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور ہمارے نزدیک (ایک سو بارہ سورتیں ہیں والضحیٰ اور الم نشرح ایک سورہ ہے اور لایلاف قریش اور الفیل ایک سورہ ہے اور جس نے ہماری طرف اس بات کو منسوب کیا کہ ہم قرآن کو موجودہ قرآن سے زیادہ

سمجھتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے۔

حکیم سید باقر داماد حاشیہ قبسات میں لکھتے ہیں کہ:۔

الذکر الحکیم ھو القرآن الکریم قال اللہ تعالیٰ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون والمراد حفظ عما تطرق الی الکتب السماویة من ضلة من التحریف والتبدیل بان یزاد فی التنزیل مالم ینزل اللہ سبحانہ او یبدل او یحرف شیء منہ لغیرہ اما بحسب احتمال تنزیلہ او بحسب نظمہ وترتیبہ وھذا کلہ موضع وفاق بین الامة اجماعاً او بحسب الترک بان یکون سقط منہ بعض ما قد کان فی تنزیلہ فاکثر اصحابنا وبعض العامة یجوزون ذلک واکثر الجمھور یمنعون منہ مطلقاً والاخبار من طرقھم وطرقنا متظافرة الخ

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن الحسن طوسی تفسیر تبیان میں تحریر فرماتے ہیں:۔

لان الزیادة فیہ مجتمع علی بطلانہ والنقصان منہ فالظاھر ایضاً من مذھب المسلمین خلافہ وھو الالیق بالصحیح من مذھبنا الخ

شیخ ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان میں فرماتے ہیں:۔

ومن ذلک الکلام فی زیادة القرآن ونقصانہ فانہ لا یلیق بالتفسیر فاما الزیادة فمجمع علی بطلانہ واما النقصان فیہ فقد روی جماعة من اصحابنا وقوم من حشویة العامة ان فی القرآن تغیراً او نقصاناً والصحیح من مذھبنا خلافہ وھو الذی اختارہ المرتضیٰ

قدس اللہ سرہ

علم الہدیٰ سید مرتضیٰ مسائل طرابلسات کے جواب میں لکھتے ہیں:—

إنّ العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان والحوادث الكبار والوقائع العظام والكتب المشهورة واشعار العرب المسطورة فان الدواعي توفرت على نقله وحراسته وبلغت الى حد لم تبلغه فيما ذكرناه لان القرآن معجزة النبوة واحد العلوم الشرعية والاحكام الدينية وعلماء المسلمين قد بلغوا فی حفظه وحمايته الغاية حتى عرفوا كل شئ اختلف فيه من اعرابه وقرائته وحروفه وآياته فكيف يجوز ان يكون مغيرا او منقوصا مع العناية الصادقة والضبط الشديد انتهى کلامه

غرض ان تمام محقق اور معتبر علمائے شیعہ کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے (یعنی شیعوں کے) اعتقاد میں قرآن جیسا کا ویسا ہے۔ اس میں کچھ کمی ہوئی نہ الحاق ہوا اور جو لوگ ہم شیعوں پر یہ اتہام رکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ نقصان قرآن کا قائل ہے وہ بالکل جھوٹے ہیں قرآن کی صحت نقل کا علم ویسا ہی ہے جیسا کہ سب کو یقین ہے کہ دنیا میں فلاں فلاں شہر موجود ہے اور فلاں فلاں واقعات مشہورہ وقوع پذیر ہوئے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ کتاب سیبویہ، کتاب شاہنامہ فردوسی، گلستان سعدی انسان کی جولانی طبع کا نتیجہ ہیں اور وہ بلاغت کے کچھ ایسے بالاترین درجہ پر بھی نہیں ہیں کہ کوئی ویسا لکھ نہ سکے پھر بھی ان کتابوں میں اگرچہ چند باب لکھکر لگا دئے جائیں تو صاف کھلجائے گا کہ یہ ابواب الحاقی ہیں اور ہرگز اصل مصنف کے لکھے ہوئے نہیں ہیں چنانچہ دیکھو کہ برزو و رستم وغیرہ کے دو تین داستان لکھکر لوگوں نے شاہنامہ میں الحاق کر دئے جن کو بعد

والوں نے چھانٹ کر الگ کر دیا کہ یہ کلام فردوسی کا نہیں ہے۔ پھر قرآن مجید میں یہ کیونکر ممکن ہے کہ کچھ الحاق کر دیا جائے اور پتہ نہ چلے۔

بہرحال علمائے شیعہ کی ان تصریحات سے صاف روشن ہو گیا کہ تواتر اور صحت نقل قرآن میں اُن کا مذہب بالکل سنیوں کے مذہب کے مطابق ہے۔ اگرچہ چند عامیوں نے ضد و مخالفت یا حماقت و جہالت سے لکھ مارا کہ قرآن میں کمی و بیشی ہوئی ہے تو وہ کسی شمار میں نہیں ہے اور اس سے مذہب شیعہ پر کوئی مضر اثر نہیں پڑ سکتا کیونکہ چند عامی افراد اصولی و جمہوری ضابطہ کو نہیں توڑ سکتے بلکہ جمہور اور اصول مذہب کے خلاف کہنے والا خود غلط ہو جاتا ہے اور اسی صحیح مسلک پر دنیا کا چلن ہے۔

سید نور اللہ شستری اپنی کتاب مصائب النواصب کے جلد رابع میں لکھتے ہیں کہ:—

مانسب الی الشیعة الامامیة	وہ جو شیعہ امامیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے
بوقوع التغیر فی القرآن لیس مما	کہ قرآن میں تغیر واقع ہوا تو یہ مذہب ہرگز جمہور
قال به جمهور الامامیة انما	امامیہ کا نہیں ہے بلکہ تھوڑے مخذول و منکوب
قال به شرذمة قلیلة اخرهم الخ	لوگوں کا ایسا خیال ہے۔

پس علمائے اصولین کی تصریحات اور جمہور اہل مذہب کو چھوڑ کر چند منکوب و کج فہم لوگوں کے اقوال مطرودہ معدودہ کو سند پکڑنا بالکل نادرست اور دلیل جہالت و حماقت ہے۔

لطیفہ

شیعی صحابہ کرام کو عموماً اور خلفائے ثلاثہ (ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ) کو خصوصاً نہ صرف غیر معتبر بلکہ بہت ہی برا یقین کرتے ہیں۔ وہ خلفائے ثلاثہ کو غاصب، خائن، ظالم، فاسق اور اون کے سب و دشنام کو موجب خیر و برکت اور باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے قرآن مابین الدفتین کو وحی ربانی سمجھنا اور اسپر اعتقاد صحیح رکھنا کہ وہ

جس طرح محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ویسا ہی بلا کسی کمی وبیشی کے مؤلف ومرتب ہوا اور وہی بعینہٖ بین الناس دائر وسائر رہا، قرآن مجید کے محفوظ اور بجنسہٖ قائم رہنے کی روشن دلیل ہے۔

تیسرا جواب

قرآن مجید ہی اسلام کی جڑ اور اسی سے اسلام کی بنیاد ہے۔ اگر کوئی مسلمان یا اسلام کا کوئی فرقہ موجودہ قرآن کو غیر معتبر سمجھتا ہے یا اسکو کلام اللہ تسلیم نہیں کرتا تو خود اس کا اسلام وایمان کس بنیاد پر ہوگا! موجودہ قرآن، کلام اللہ نہیں اور دوسرا قرآن پیش نہیں کیا جاسکتا تو وہ اپنے کو مسلمان کس بنا پر قرار دیتا ہے!

اس دلیل سے ظاہر ہے کہ کوئی شیعہ بحیثیت مسلمان، شیعہ ہونے کے صحت قرآن سے انکار نہیں کرسکتا بلکہ وہ اسبات کے تسلیم کرنے پر طوعاً یا کرہاً مجبور ہے کہ قرآن بین الدفتین جو تیرہ سو برس سے نسلاً بعد نسلٍ سلفاً عن خلفٍ سینہ بسینہ ہم تک پہونچا ہے، لاکھوں مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ ہے، بلاشبہ وہی قرآن ہے جو رسول عربی پر نازل ہوا، جسکو ابوبکر رضؓ نے ایک جگہ مرتب کیا، عثمان رضؓ نے شائع کیا اور بلا ایک جملہ کی کمی بیشی کے اسوقت بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے پھر بھی اگر کوئی، بدنام کنندۂ نکو نامے چند کسی خباثت یا حماقت کے سبب سے مدعی اسلام ہوکر قرآن مجید کو محرف قرار دے یا اس کو غیر معتبر سمجھے تو وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اسلام کے بھیس میں درپردہ دشمنِ خطرناک ہے اور کسی سمجھدار اہل مذہب کو لائق نہیں ہے کہ دشمنِ اسلام کے قول مردود کو اہل اسلام کے مقابلہ میں حجت لائے۔

چوتھا جواب

قرآن مجید کا ہر ہر جملہ ہر ہر لفظ متواتر ہے یعنی ہر طبقہ میں اس کے روایت کرنیوالے اس کثرت سے رہے ہیں کہ اُن پر جھوٹ کا وہم بھی نہیں ہو سکتا اور وہ روایات و اخبار جن سے نقصان و تحریف قرآن ثابت ہوتی ہے سب یا تو ضعیف و موضوع ہیں یا اخبار آحاد سے ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اخبار آحاد سے دلیل قطعی کا معارضہ نہیں ہو سکتا ضعیف اور روایات آحاد سے تواتر کا مقابلہ محال ہے اُن میں ہرگز اتنی طاقت و قدرت نہیں ہے کہ قرآن کے تواتر لفظی کا معارضہ کر سکیں پس ایسی ایسی اخبار احاد ، ایک یا دو کیا معنی ما ہزاروں لاکھوں بھی ہوں تو غیر معتبر اور اہل اصول کے قاعدۂ مقررہ میں کَانْ لَّمْ یَکُنْ متصور ہیں کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو مذہب درکنار تمام تواریخ عالم سے امان اُٹھ جائے اور عالم تاریخ و اخبار زیر و زبر ہو جائے اور دنیا کی کوئی ذری سی اور بڑی سی بڑی خبر بھی قابل اعتبار نہ رہے۔

پانچواں جواب

بعض روایات صحیحہ میں جو وارد ہے کہ فلاں آیت یا فلاں لفظ اس طرح ہے تو اس سے مراد تحریف نہیں ہے کہ در اصل قرآن میں کچھ تھا اور لوگوں نے کچھ لکھدیا جیساکہ مخالفین اسلام اور بعض نادان آریوں کا خیال ہے بلکہ مقصود اس سے یہ ہے کہ اس آیت یا لفظ کے معنی یہ ہیں مثلاً قرآن میں ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (تم امت محمدؐ یہ سب سے بہتر امت ہو) شیعوں کے امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے خَیْرَ اُمَّةٍ کو خَیْرَ اَئِمَّةٍ پڑھا (ائمہ امام کی جمع ہے یعنی تمام اماموں سے بہترین امام ہو) پس اس سے امام صادق کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ قرآن میں لفظ ائمہ کو نکال کر امۃ لکھدیا گیا بلکہ انھوں نے آیت کی تفسیر بیان کی اور آیت

کے معنی ائمہ کئے اور اُمتہ سے ائمہ اثنا عشر کو مراد لیا۔
اسی طرح سورۃ المائدہ میں ہے یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ الخ شیعوں کی کتب احادیث میں امام سے مروی ہے مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (فِیْ عَلِیٍّ) تو فِیْ عَلِیٍّ کا لفظ جو روایت میں مسترا ہے وہ جزو قرآن نہیں ہے بلکہ آیت کی تفسیر اور شان نزول کا بیان ہے کہ یہ آیت علی رضؓ کی شان میں ہے غرض ہم کہاں تک بیان کریں اس قسم کی ہزاروں روایتیں نہ صرف شیعوں کی روایتوں میں ہیں بلکہ اہل سنت کی کتب احادیث بھی ایسی صحیح روایتوں سے مالامال ہیں مگر حاشا وکلا اگر اُن روایتوں سے ذرہ برابر بھی تحریف الفاظ کا ثبوت ملسکتا ہو ہم نے جو دو مثالیں پیش کی ہیں وہ سنجیدہ سمجھدار کے لئے کافی ہیں اور مولوی چراغ علی شیعی المخاطب بنواب اعظم یار جنگ نے تو اپنی کتاب تواتر قرآن میں اسپر بہت مبسوط بحث کی ہے ان پانچ جوابوں کے سوا ہمارے پاس اور بہت سے جوابات ہیں مگر کافی سے زیادہ سمجھکر بخوف طوالت ہم نے پانچ ہی جوابوں پر اکتفا کیا ہے اور وہ حق جو کے لئے کافی وشافی ہیں۔
بعض متعصبین نے اختلاف قرارت کو تحریف کا مرادف سمجھا ہے جو معترض کی کم علمی پر روشنی ڈالے بغیر نہیں رہتا اور گذشتہ صفحات میں ہم اس مسئلہ کو بھی صاف کر چکے ہیں۔

بہرحال ان بدیہی دلائل سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ قرآن متواتر ہے اور جیسا کچھ وہ محمد مصطفٰے صلعم پر نازل ہوا جس طرح پر آپ نے مؤلف کیا، اُسی طرح بلا کسی کمی بیشی کے صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ایک جگہ مدون و مرتب کیا اور وہ بجنسہ ہمارے ہاتھوں میں تواتر کے ذریعہ سے پہونچا اور لاکھوں کروڑوں مسلمان ہر دور میں اس کے حفاظ و رُوات رہے

دنیا کی کوئی آسمانی وغیر آسمانی کتاب اگر تواتر ، صحت وحفاظت ، اشاعت علمی اور اس خاص شان میں قرآن کے دسویں حصہ کے برابر بھی ہوا ور کوئی ثابت کر دے تو ہم قرآن کے منجانب اللہ اور اس کے کلام اللہ ہونے کے دعوے سے دست بردار وَلَاشَكَّ اَنَّهٗ مُحَالٌ -

قرآن کے اسماء وصفات

دنیا میں بہتیرے مذاہب ہیں۔ ہر مذہب اپنے برحق ہونے کا مدعی ہے۔ ہر ایک کے پاس ایک کتاب ہے اور ہر ایک اپنی کتاب کو آسمانی اور منجانب اللہ قرار دیتا ہے۔
حق و ناحق ہونے یا من جانب اللہ ہونے نہ ہونے کا فیصلہ تم پیچھے کرنا۔ پہلے ایک ذرا سی بات یہ تو دیکھو کہ کوئی کتاب جس کو اس کے معتقدین آسمانی کہتے پھرتے ہیں اپنے لئے دو ایک سے زیادہ عمدہ اور مقدس نام پیش نہیں کرتی۔ یہ شرف صرف ایک قرآن مجید ہی کو حاصل ہے جو اپنے کو بہتر سے بہتر، پاکیزہ سے پاکیزہ اور منتخب مگر سچے القاب اور ناموں سے ملقب کرتا ہے پھر دو ایک ہی نہیں جس صفحہ پر نظر ڈالو دو ایک نام ضرور ملیں گے۔
بنائے علیہ ہم چاہتے ہیں کہ اصل مقصود کے شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید کے اسماء وصفات اور اس کے اسماء عالیہ کے وجہ تسمیہ کی بقدر کافی تشریح کریں۔
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس مبارک کتاب کو ایک سو (۱۰۰) ناموں سے یاد فرمایا ہے جن میں سب سے زیادہ مشہور جو اصلی نام کہا جا سکتا ہے۔ **قرآن** ہے چنانچہ اللہ جل شانہ سورۃ الانعام میں فرماتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ

اے پیغمبر ان کفار سے کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان (بڑا معتبر) گواہ خدا ہے اور یہ قرآن میری طرف اسی لئے وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعہ سے تمکو اور جسے پہونچے ڈراؤں۔

سورۃ البقر میں ارشاد فرماتا ہے :۔ (روزوں کا) مہینہ رمضان ہے جس میں خدا
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ۔ کی طرف سے قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کا رہنما ہے اور اس میں ہدایت اور (حق و باطل کی) تمیز کے کھلے کھلے حکم ہیں
قرآن کامل ایک بار رمضان میں رسول صلعم پر اُترا ، اور اس کے بعد تدریجاً نازل ہوتا رہا۔ (اتقان) قرآن مجید میں قرآن کا لفظ پینسٹھ مقامات پر آیا ہے جن میں سینتالیس جگہ القرآن معرف باللام ہے اور بقیہ مقامات پر نکرہ لایا گیا ہے پھر ان میں بھی بارہ جگہ نکرہ موصوفہ ہے اور بقیہ چھ مقامات پر (قرآن) نکرہ محض ہے۔

وجہ تسمیہ ۔ قرآن بروزن فعلان مصدر ہے اسکے معنی ہیں پڑھنا جیسا کہ سورۃ القیامہ میں وارد ہوا ہے :۔ اے پیغمبر (وحی کے یاد کرنے کے لئے)
لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ اپنی زبان نہ چلایا کرو تاکہ تم کو وحی جلدی سے یاد ہو جائے قرآن کا یاد کرا دینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے تو جب ہم (جبریل کے ذریعہ سے) پڑھا کریں تو تم اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔
مگر قرآن مصدر بمعنی مفعول ہے اور اس کے معنی ہیں پڑھا گیا۔

بلاشک دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں جو پڑھی نہ جاتی ہو یا پڑھی نہ گئی ہو لیکن قرآن کا پڑھا جانا ایسا عجیب و غریب ہے جو عجائبات عالم میں شمار کئے جانے کے لائق ہے ہر مسلمان عام اس سے کہ عربی دان ہو یا جاہل ، سمجھ سکتا ہو یا نہ سمجھ سکتا ہو اس کیلئے محض قرآن کی تلاوت ہی باعث ثواب اور موجب نجات ہے۔ جو لوگ بہ سبب اُمّی محض ہونے کے پڑھ نہیں سکتے وہ دوسروں سے پڑھوا کر سنتے ہیں۔

پڑھنے پڑھانے کا یہ طریقہ دنیا کے کسی مذہب میں پایا نہیں جاتا ۔
مسلمانوں میں نماز تراویح سنت موکدہ ہے ۔ یہ کل بیس رکعتیں ہیں جو رمضان شریف کے مہینے میں روزانہ رات کے وقت پڑھی جاتی ہیں ۔ رمضان بھر میں کم از کم ایک بار تمام قرآن کا سننا ضروری ہے ۔
تراویح کے لئے حافظ قرآن کا ہونا لابدی ہے اور حفاظ کا قاعدہ ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ ہمیشہ قرآن کا دور کیا کریں اگر ایسا نہ کیا جائے تو بھول جانا لازمی ہے اور قرآن کا یاد کرنے کے بعد بھلا دینا گناہ ہے ۔ ان دو مذکورہ وجہوں کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کثرت سے قرآن پڑھا پڑھایا جاتا ہے اس کے برابر تو کیا اسکا عشر عشیر بھی کوئی دوسری آسمانی یا غیر آسمانی کتاب نہیں پڑھی جاتی یہی سبب ہے کہ اس کا نام رکھا گیا **قرآن** یعنے پڑھا گیا ۔
امام جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قرآن قرات سے مشتق نہیں ہے بلکہ وہ بذاتہ مستقل لفظ اور کتاب کا علم ہے ۔ قرآن کے معنے ہیں اصل پڑھنے کے لائق چیز اور یہ نام بالکل اسم بامسمیٰ ہے اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ دینیات میں قرآن کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے نہ کسی اور کتاب سے عرفان الہی معلوم کرنے کی حاجت ۔
قرآن کے حقائق ، معارف دینی اور اس کے اقل و دل مضامین پر غور کرو تو دنیا بھر کی کتابیں ردی نظر آئیں ۔ اسکے فلسفہ حقہ اور حکمت روحانیہ کے سامنے تمام فلاسفۂ قدیم و حکمار جدید کی حکمت ، گپ سے زیادہ باوقعت نظر نہ آئے تم دیکھتے ہو کہ ہر دور کا فلسفہ دوسرے دور میں ردی ہو جاتا ہے ۔ کل جو بات یقینیات میں شمار ہوتی تھی آج اُس پر اسکول کے نو آموز بچے تک مضحکے اُڑاتے ہیں مگر قرآن کے فلسفہ حقیقیہ اور حکمت الٰہیہ پر نظر کرو کہ باوجود تیرہ سو برس گذر جانے کے اور باوصف

فلسفہ کے اسقدر ترقی کرجانے کے اسکا ایک شوشہ بھی نہ بدل سکا اور نہ انشاء اللہ تعالے کبھی قیامت تک بدل سکیگا۔

اللہ اکبر۔ قرآن ہی وہ بڑی کتاب ہے جس نے دنیا میں پہونچتے ہی توحید و معارف کا ڈنکا بجایا جس کی صدا کرہ ہوا میں آج تک اُسی آب و تاب کے ساتھ گونج رہی ہے وہ تمام صداقتوں کی جڑ ہے۔ کوئی چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سی بڑی بات بھی معارف حقہ کی ایسی نہیں جو قرآن مقدس میں موجود نہ ہو۔ کوئی مفید علم دینی و دنیاوی ایسا نہیں جسپر قرآن حاوی نہ ہو۔ اسی لئے تو یہ کتاب قرآن یعنی قرارت کے قابل اور تلاوت کی سزاوار ٹھیری بیشک جس شخص نے اس پاک کتاب کو نہیں پڑھا وہ سعادت ابدی کے اکتساب سے محروم رہا۔

(۲) قرآن عربی

جیساکہ سورۂ یوسف میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔	ہم نے اس قرآن کو زبان عربی میں اتارا تاکہ تم (عرب) لوگ سمجھ سکو۔

قرآن مجید عربی میں ہے اس کو "قرآن عربی" کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن بات یہ ہے کہ قرآن کی عربی خالص عربی ہے اور اس امتیاز کی وجہ سے جو دوسری کتاب میں نہیں پایا جاتا قران عربی کہا گیا۔ یہ مرکب لفظ قرآن مجید میں چھ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۳) قرآن مبین

جیساکہ سورۂ یٰسٓ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ـ	یہ قرآن، تو بس (نری) نصیحت ہے اور روشن قرآن یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے والا اور کھول کھول کر بیان کرنے والا۔

یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے ایک سورۂ ابراہیم میں، دوسرے سورۂ یٰسٓ میں۔

قرآنِ عظیم (۴)

جیساکہ سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ	اور ہم نے تمکو (سورۂ فاتحہ کی) سات آیتیں عطا فرمائیں جو (نماز کی ہر رکعت میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور ہم نے تمکو بڑا قرآن عنایت کیا

چونکہ عظمت و تقدس میں قرآن، آسمانی و غیر آسمانی تمام دوسری کتابوں سے اعلیٰ و بہتر ہے اس لئے قرآن عظیم فرمایا۔ بڑے ہونے سے ضخامت مراد نہیں ہے بلکہ علوشان مقصود ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں ایک ہی جگہ وارد ہے۔

قرآنِ مجید (۵)

جیساکہ سورۂ البروج میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ	ان کے جھٹلانے سے ہوتا ہی کیا ہے

لوح محفوظ ۔	یہ کچھ ایسی ویسی باتیں تو ہیں نہیں) بلکہ یہ قرآن بڑے رتبہ کا قرآن ہی جو لوح محفوظ میں موجود ہے ۔

جو قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہی بلا کم و کاست اسوقت بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ۔ نہ کہیں ایک حرف کی زیادتی ہوی ہے نہ ایک نقطہ کی کمی ہوی ہے قرآن کی یہ صحت ایسی بدیہی اور متواتر ہے جس سے انکار کرنا بدیہیات سے انکار کرنا ہے صحت کا یہ مرتبہ دوسری کتابوں کو تو کیا ، توریت و انجیل کو بھی حاصل نہیں بلکہ اسبارہ میں توریت و انجیل کو قرآن مجید سے وہی نسبت ہے جو نسبت ذرہ کو آفتاب سے ہے ۔

اس مرتبہ صحت اور دوسری صفات عالیہ وخاصہ کی وجہ سے مجید کہا گیا ۔

یہ لفظ قرآن مجید میں دو ہی مقام پر آیا ہے ایک سورہ ق میں دوسرے سورۃ البروج میں

(۶) قرآن کریم

جیسا کہ سورۃ الواقعہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ	یہ (قرآن) بڑی قدر و منزلت کا قرآن ہے جو ایک پوشیدہ کتاب میں موجود ہے پاک نفوس کے سوا کوئی اُسکو ہاتھ نہیں لگاتا (اور اسی کی نقل یہ قرآن ہے جو) پروردگار عالم کی طرف سے (پیغمبر آخرالزماں پر) نازل ہوا ہے ۔

لا یمسّہ الا المطہرون کی تفسیر میں علماء کے دو گروہ ہو گئے ہیں ۔ ایک وہ جو لا یمسّہ کی

ضمیرہ کا مرجع کتاب مکنون کو قرار دیتے ہیں تو ان کے نزدیک مطہّرون سے مراد فرشتے ہوں گے یعنی جس کتاب میں قرآن لکھا ہوا ہے اس کو فرشتوں کے سوا کوئی دوسرا ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ دوسرے وہ جو لایمسّہٗ کی ہا، کا مرجع قرآن کریم کو ٹھیراتے ہیں تو مطہّرون سے مراد صاحب طہارت مسلمان ہونگے یعنی قرآن کو اُن مسلمانوں کے سوا جو باوضو اور طہارت والے ہیں کوئی دوسرا نہیں چھوتا۔ احادیث میں بھی بلا وضو قرآن کے چھونے اور پڑھنے کو ناپسندیدہ اور نجس کو چھونے کی ممانعت کی گئی ہے۔

ہمارے نزدیک پہلا مسلک صحیح ہے۔ لایمسّہٗ الا المطہرون کو اگر قرآن کریم کی صفت قرار دیں تو خالی از اشکال نہیں ہے اس لئے کہ لایمسّہ اخبار ہے نہ انشاء اور اخبار بلا تاویل مجہود صحیح نہیں اس لئے کہ غیر مطہر بھی قرآن کو مس کرتے ہیں۔ حدیث کا حکم صحت اخبار کا ذریعہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اکثر مسلمان حدیث کے خلاف عمل کرتے ہیں اور مطابع میں تو بہت ہی بے پروائی برتی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بعض ائمہ وعلماء تو بلا طہارت پڑھنا اور چھونا جائز قرار دیتے ہیں۔

اگر "لایمسّہٗ الا المطہّرون" کو کتاب مکنون کی صفت قرار دیں تو کوئی اشکال لازم نہیں آتا پھر وہ قریب بھی ہے اور کرامت یہ ہے کہ قرآن کتاب مکنون میں ہے جہاں سوائے فرشتوں کے کوئی نہیں پہونچ سکتا اور نہ کوئی اُس میں ردّ و بدل یا محو و اثبات کر سکتا آیت مابعد "تنزیل" "من رب العالمین" اس معنی پر واضح قرینہ ہے یعنی یہ قرآن کریم ایسی کتاب مکنون میں ہے جہاں سوائے فرشتوں کے کسی کا گذر نہیں ہے جہاں سے خداوند کریم اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے پس ہرگاہ وہ ایک پوشیدہ کتاب میں ہے جہاں فرشتوں کے سوا کوئی نہیں جا سکتا تو اُس پر اطلاع حاصل کرنے کا سوائے اس کے کیا ذریعہ ہے کہ خدا

خود ہی اسکو بندوں پر نازل کرے یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

قرآنِ حکیم

جیسا کہ سورہ یٰسں میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔	قرآن کی قسم جس میں (سرتاسر) دانائی کی باتیں ہیں کہ (اے محمدؐ) کچھ شک نہیں کہ تم پیغمبروں میں سے ہو۔

اللہ تعالے بلاشک حکیم مطلق ہے۔ قرآن اُس کا کلام مقدس ہے۔ حکیم کا کلام حکمت سے خالی ہو، یہ کیونکر ممکن ہے! اس کا سرتاسر پر از حکمت ہونا یقینی بات ہے اور اسی لئے قرآن کو حکیم کا ممتاز وصف دیا گیا۔ یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

(۸) قرآنِ عجب

جیسا کہ سورۃ الجن میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ۔	اے پیغمبر کہدو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنات میں سے کچھ لوگوں نے (مجھے قرآن پڑھتے سنا) اور (اپنے لوگوں سے جاکر) کہا کہ ہم نے عجیب طرح کا قرآن سنا جو نیک راہ دکھاتا ہے سو ہم اُس پر ایمان لے آئے

قرآن کو قرآن عجب کہنے کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے بخوف طوالت

ہم صرف دو عمدہ وجوہ کو اس موقع پہ بالاختصار لکھتے ہیں :۔

(پہلی وجہہ) قرآن بوجہہ اپنی غیر معمولی فصاحت و بلاغت اور خلاف عادت سلاست و روانی کے بلاشک کلام عجیب اور کتاب غریب ہے۔

کیا یہ عجیب و غریب بات نہیں ہے کہ جس زمانہ میں اہل عرب کو اپنی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی پر غرہ و ناز تھا ، عین ایسے وقت میں قرآن نے اُتر کر دعوے کیا کہ میں قادر مطلق کا کلام ہوں اور اگر اے فصحائے عرب ! تم کو میرے دعوے میں شبہہ ہے تو تم میری جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ لیکن مغرور طلاقت لسانان عرب قرآن کا مقابلہ تو کیا کرتے دریائے حیرت میں غوطے کھانے اور قرآن کی فصاحت پر عش عش کرنے لگے اور آخر کار سب نے میدان مقابلہ میں ہتھیار ڈال کر اعتراف کیا کہ بے شک اے قرآن ! تو اُسی ذات واحد بیمثل کا کلام ہے جو تمام عالم کا خالق ہے اور تیرے مثل ایک سورت بنانے سے بھی ہم عاجز ہیں۔

نزول قرآن کو تیرہ سو برس گذر گئے۔ اس کا دعوے اُسی زور و شور کے ساتھ قائم ہے مگر آج تک کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی جو قرآن کے مثل ایک سورہ بھی بنا کر پیش کر دیتا۔

اے منصف انسان ! اے سرکش نفس ! ذرا انصاف سے کہنا کیا یہ عجائب غرائب بات نہیں ہے کیا تو اب بھی قرآن کے قرآن عجب اور کلام الٰہی ہونے میں شک کرتا ہے !

دوسری وجہ :۔ نزول قرآن سے غرض صرف ہدایت خلق اللہ ہے اس لئے وہ صرف احکام ضروری اور وعدہ وعید اور پند و نصائح پر جو کئی پیرائے مختلف ہیں مشتمل ہے مگر علوم و فنون حقہ کے لئے ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے سبحانہ جلت کبریاؤہ۔ قرآن کے علوم و فنون اور صنایع بدایع کی بحث انشاء اللہ تعالٰی

کسی ثبوت میں آئے گی۔

(۹)
کتابُ اللہ

جیساکہ سورۂ فاطر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ۔

جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا ہے اُس میں سے چھپا کر اور کھلے طور پر خرچ کرتے ہیں بیشک وہ ایسے بیوپار کی آس لگائے بیٹھے ہیں جس میں کبھی گھاٹا ہو نہیں سکتا۔

بلاشک قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں ہم مسلمانوں کو تو ذرا بھی شبہ نہیں ہے بلکہ بہت سے انصاف پسند علمائے نصاریٰ نے بھی اسکی تعلیم اور بدیہی دلائل کو دیکھکر بیچون وچرا تسلیم کیا اور اپنی تصنیفات میں کھلے الفاظ سے اقرار کیا کہ قرآن مجید بلاشبہ کتابُ اللہ ہے چنانچہ پادری رائٹ نندرچی نے اپنی کتاب "ابطال اعجاز قرآن" میں۔ علامہ ریورنڈ سیل فیلو آف مدراس یونیورسٹی نے اپنی کتاب "ہسٹاریکل ڈیولپمنٹ آف دی قرآن۔ فیتھ آف اسلام" میں۔ ڈاکٹر راڈویل نے اپنے دیباچہ ترجمہ قرآن میں۔ ڈاکٹر نکلس پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی نے اپنی کتاب "لٹریری ہسٹری آف دی عربیا" قرآن چاپٹر میں علامہ ڈی ٹاس فرانسیسی نے اپنی کتاب "قرآن اینڈ اسلام میں" ڈاکٹر وان کریمر جرمنی نے اپنی کتاب "ہسٹری آف اسلام قرآن چاپٹر میں۔ ڈاکٹر گستالی بان فرانسیسی نے اپنی کتاب

لاسیوی لیٹریشن آف دی عرب قرآن چاپڑ" دتمدن عرب مترجم) میں ڈاکٹر کیلی
نے اپنی کتاب "محمدن اینڈ محمد نزم میں اور علامہ لولڈے نے اپنی کتاب "عشقی
آف دی قرآن" میں اور ان کے علاوہ اور بہت سے کثیر التعداد علمائے
مخالفین اسلام نے اپنی اپنی بیش بہا تصانیف میں باوجود تعصب کے قرآن
کے اعجاز اور کلام الٰہی ہونے کا اقرار کیا ہے اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر آنکھوں سے
تعصب کی پٹی دور کر کے انصاف و حق جوئی کی نظر ڈالی جائے تو دنیا کی کوئی
قوم قرآن کے کتاب اللہ ہونے سے انکار نہیں کر سکتی۔
کتاب اللہ کا لفظ قرآن مجید میں پانچ مقامات پر آیا ہے۔
قرآن مجید میں کتاب اور الکتاب کے ساتھ بھی اس کا ذکر آیا ہے مثلاً شروع سورہ
بقر میں فرمایا۔ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ کتاب کا لفظ یوں تو قرآن مجید
میں بہت کثرت سے آیا ہے مگر قرآن کے معنی میں یہ لفظ اکہتر (۷۱) مقامات پر وارد
ہوا ہے۔ تینتیس (۳۳) مقامات پر الکتاب یعنی معرف باللام ہے۔ تیرہ مقامات پر
صرف کتاب بغیر الف لام کے نکرہ واقع ہوا ہے۔ چھ جگہ اضافت کے ساتھ
ہے اور اُنیس مقامات پر موصوف ہے۔
کتاب لفظ عام المعنی ہے اسلئے علی الظاہر اسکو نام قرار دینا مستبعد ہے مگر چونکہ قرآن
اشرف الکتب ہے اور ہر کلی سے علی الاوّلیتہ والاولویتہ فرد کامل مراد لیا جاتا ہے
اس لئے کتاب سے قرآن مقصود ہو سکتا ہے اور اسی اعتبار سے اسکو قرآن کا
نام بھی کہہ سکتے ہیں۔

(۱۰) کتاب رب

جیسا کہ سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے فرماتا ہے:۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۔	اور (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی کتاب جو وحی کے ذریعہ سے تم پر نازل ہوی ہے اُسکو پڑھتے رہو۔ کوئی اسکی باتوں کو بدل نہیں سکتا۔

یہ مرکب لفظ قرآن میں اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(۱۱)
کِتَابٌ حَکِیْمٌ

جیساکہ سورۂ یونس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيْمِ	یہ ایسی کتاب کی آیتیں ہیں جس میں بڑی بڑی حکمت کی باتیں ہیں۔

حکیم کی وجہ تسمیہ قرآن حکیم۔ کے عنوان میں گذر چکی ہے۔ کتاب حکیم کا لفظ قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔

(۱۲)
کِتَابٌ مُّبِیْنٌ

جیساکہ سورۃ النمل میں ہی جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

تِلْكَ اٰيَاتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ	یہ آیتیں ہیں قرآن اور کتاب روشن کی

ایسی ہی ایک آیت سورۂ یوسف کے شروع میں ہے جہاں الکتاب المبین فرمایا ہے

تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ	یہ آیتیں ہیں کتاب واضح کی۔

قرآن مجید کو کتاب واضح یا روشن کہنا بہت ہی صحیح اور مطابق واقع ہے۔ قرآن

ایسی قوم میں اُترا تھا جس کے اکثر افراد اُمّی یا اونٹ کے چرانے والے بدوی تھے ان کی ہدایت کے لئے ایسی ہی واضح کتاب درکار تھی جس کی روشنی سے وہ سب مستفید ہو سکیں۔ قرآن اپنی فصاحت و سلاست کی وجہ سے اعلیٰ و ادنیٰ دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اُمّی و بدوی تو اوسکے واضح آیات سے فائدہ اُٹھا کر خوش ہوتا ہے اور اعلیٰ طبقہ کے لوگ اس کے نکات و لطائف سے جو اس میں مرموز ہیں محظوظ ہوتے ہیں۔

نحو ار اس کا سہل ہے اور اس کے اندر دقیق مسائل منطوی ہیں جس قدر اسکو باریک نظر سے دیکھا جائے نکات بدیعہ ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ کلام الٰہی ہونے کی یہ ایک کافی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں کتاب مبین چھ جگہ اور الکتاب المبین پانچ جگہ آیا ہے۔

(۱۳) کِتَابٌ مُبَارَکٌ

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	یہ کتاب (یعنی کتاب قرآن) ہم ہی نے اُتارا ہے برکت والی کتاب ہے تو اسی پر چلو اور ڈرتے رہو عجب نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔

ف

بھلا جس کتاب کا مصنف خود اللہ تعالےٰ ہو اس کے مبارک اور بابرکت ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ اور وہ کیوں نہ مبارک ہو کہ اس پر عمل کرنا اور اس کے احکام کے مطابق چلنا موجب فلاح دنیا اور باعث نجات اخروی ہے

اب اس سے بڑھکر برکت کیا ہوسکتی ہے !

کتاب مبارک کا لفظ قرآن مجید میں تین مقام پر آیا ہے۔ ایک سورۂ انعام کے ع میں دوسرے ع میں تیسرے سورہ ص کے ع ہیں۔

کِتَابٌ مُتَشَابِہٌ (۱۴)

جیساکہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ فرماتا ہے :-

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابًا مُّتَشَابِھًا۔	اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ) کتاب اتاری جسکی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

ف

قرآن کو کتاب متشابہ اس لئے فرمایا کہ اس کی آیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور اسی تشابہ کی وجہ سے حفّاظ اکثر مغالطہ میں پڑتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ الزمر میں دوسرے شروع سورہ آل عمران میں۔

کِتَابٌ عَزِیْزٌ (۱۵)

جیساکہ سورہ حم السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَاِنَّہٗ لَکِتَابٌ عَزِیْزٌ۔	اور یہ (قرآن) تو بڑے پایہ کی معزز کتاب ہے

قرآن مجید کی ظاہری عزت تو یہ ہے کہ کوئی مسلمان بغیر طہارت کے اسکو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کرتا۔ باطنی عزت یہ ہے کہ وہ اہل اسلام کا عین دین و ایمان ہے۔ اس میں

اب تک کوئی تحریف وتبدیل نہیں ہوئی۔ یہ لفظ قرآن مجید میں اسی ایک مقام پر وارد ہوا ہے۔

(۱۶)
کِتَابٌ مَّسْطُوْرٌ

جیساکہ سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَالطُّوْرِ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ۔ ہمکو طور (پہاڑ) کی قسم اور کتاب (لوح محفوظ) کی قسم جو چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھی ہوئی ہے

ف

کتاب کی ایک توجیہہ تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کی ہے تو اس کا چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھا ہونا اُسکی جامعیت کے اعتبار سے ہے کہ اس سے کوئی بات متروک نہیں ہوئی۔ بعض مفسروں نے کتاب کو لوگوں کا نامۂ اعمال سمجھا اور شاید عام کتاب مراد ہو جو اکثر چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھی جاتی ہے (حاشیہ مولوی نذیر احمد دہلوی بر ترجمہ قرآن)

مولوی نذیر احمد دہلوی "کتاب مسطور سے لوح محفوظ کو مراد لیتے ہیں جیساکہ اُن کے ترجمہ سے ظاہر ہے لیکن ہماری رائے میں یہ درست نہیں ہے۔

اولاً:۔ اسوجہہ سے کہ لوح محفوظ واقعی کوئی کتاب مکتوب یا زمرد وزبرجد کی تختی یا درحقیقت کوئی رجسٹر نہیں ہے جیساکہ عامی لوگوں کا خیال ہے۔ لوح محفوظ دراصل علم الٰہی سے عبارت ہے کہ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بھی ایسا ہی مستنبط ہوتا ہے اور یہی مطابق عقل ہے۔

ثانیاً:۔ اس وجہہ سے کہ لوح محفوظ کا چوڑے چکلے کاغذوں پر مکتوب ہونا

ایسا قیاس محض ہے جو نہ قرآن شریف سے ثابت ہے نہ حدیثوں میں کہیں اسکا نشان ہے نہ عقل سلیم اس سے اتفاق کرتی۔

ثالثاً اسوجہ سے کہ مترجم نے جو توجیہ کی ہے کہ لوح محفوظ کا چوڑے پھکلے کاغذوں پر ہونا اُس کی جامعیت کے اعتبار سے ہے کہ اس سے کوئی بات متروک نہیں ہوئی "وہ محض ایک من گھڑت قیاس ہے جبکا شریعت میں کوئی اثر نہیں اور یہ توجیہہ بھی بہت رکیک و کمزور ہے۔ کتاب سے لوگوں کا نامۂ اعمال مراد لینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بھی تاویل بعید ہے۔ پھر عام کتاب بھی مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ عام کتاب مراد ہونے کے لئے کوئی شہادت عادلہ چاہیئے۔ ایسے مواقع پر محض عقل و قیاس سے کام لینا معتبر نہیں ہوسکتا نہ عام کتابوں کی قسم کوئی ایسی موقربات ہے۔

ہم تو ایسا سمجھتے ہیں کہ کتاب مسطور سے بھی ہمارا قرآن مراد ہے اور اسی پر عظمت کتاب کی اُس ذات عدیم المثال نے قسم کھائی ہے جیسا کہ سورۂ لقمان وغیرہ میں کتاب حکیم اور قرآن مبین وغیرہ کی قسم کھائی گئی ہے۔ باقی رہا کتاب کا چوڑے چکلے کاغذوں پر ہونا وہ برابر مشاہد ہے۔ اب بھی ہزاروں قرآن مجید چوڑے چکلے کاغذوں پر لکھے نظر آتے ہیں منجملہ ان کے آگرہ اکبر آباد کا مطبوعہ قرآن ہم نے دیکھا ہے جو مکمل "تیس روپے میں ہدیہ ہوتا ہے اور اتنا ضخیم و عظیم القامتہ ہے کہ ایک آدمی پوری کتاب کو اٹھا نہیں سکتا۔ لغت میں "رق" کے معنی پوست کے ہیں۔ چونکہ پیغمبر خدا کے عہد میں قرآن کی سورتیں چمڑوں وغیرہ پر ہی لکھی جاتی تھیں اس لئے اسکو رق منشور کہنا بھی بہت صحیح ہوا۔

(۱۷)

ھُدًی

جیسا کہ شروع سورۃ البقر میں جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ وہ کتاب ہے جس (کے کلام الٰہی ہونے) میں کچھ بھی شک نہیں ہے (اور) پرہیز گاروں کے لئے رہنما ہے۔

ف

ہدی اور ہدایت کے معنی ہیں راہ دکھانا۔ اور راہ دکھانا دو طرح پر ہے۔ ایک تو صرف راستہ بتا دینا۔ دوسرے راستہ بتاتے ہوئے منزل مقصود تک پہونچا دینا۔ اس آیت میں دوسرے معنی مراد ہیں اس لئے کہ ایسے پرہیز گار جو غیب پر ایمان لائیں، پابندی سے نماز پڑھیں، اللہ تعالےٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کریں، کتب منزلہ پر ایمان لائیں اور قیامت کا یقین رکھیں وہ صراط مستقیم تو گویا دیکھے ہوئے ہیں۔ اب اسکے بعد ان کے لئے حالت منتظرہ ہی کیا باقی ہے سوائے اسکے کہ وہ منزل مقصود تک پہونچ جائیں چنانچہ اسی سلسلۂ نظم کی آیۃ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ نے اس معنی کی صراحت کر دی ہے اس لئے کہ کامیابی منزل مقصود تک پہونچ جانے ہی میں ہے۔

اس بیان سے مبرہن ہو گا کہ مولوی نذیر احمد دہلوی کی یہ تشریح کہ "اس سے پرہیز گاروں کو زیادہ ہدایت ہوتی ہے یا جن میں پرہیز گاری کی صلاحیت ہے ان کے لئے وہ رہنما ہے۔" نادرست ہے اللہ تعالےٰ نے اسی سورہ میں آگے چلکر جو فرمایا ہے:۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ رمضان کا مہینا ہے جس میں خدا کی طرف سے قرآن لوگوں کی رہنمائی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔

وہاں ہدیٰ سے راہ حق دکھانا مقصود ہے نہ منزل مقصود تک پہونچا دینا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہی راہنمائی موصل الی المقصود ہو جائے پس چونکہ یہاں راہ حق دکھانا

مقصود تھا اس لئے للناس کہا کیونکہ تمام خلق کے لئے یہ موصل الی المطلوب نہیں ہے
ہدیٰ مصدر ہے آیت اولیٰ میں بمعنی اسم فاعل یعنی ہادی آیا ہے مبالغۃً اور آیت
ثانیہ میں بمعنی مصدری ہے۔
قرآن مجید میں ہدیٰ کا لفظ بہت کثرت سے ہے مگر قرآن پر اس کا اطلاق اٹھارہ مقامات
پر ہوا ہے

(۱۸) اَلْھُدیٰ

جیسا کہ سورۃ النجم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدیٰ۔	اور ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت (یعنی قرآن) بھی آ چکی۔

ف

یہاں ہدیٰ بمعنی مصدری ہدایت ہے۔ چونکہ قرآن سرتاسر ہدایت ہے اسلئے
یہی اس کا وصف ہوگیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مبالغۃً ہدیٰ سے ہادی مراد ہو۔
الھدیٰ بمعنی قرآن نو (۹) مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۱۹) هُدَی اللهِ

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِكَ هُدَى اللهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔	یہ اللہ کی ہدایت ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے۔

ف

ہدی اللہ کے معنی اللہ کی ہدایت اور قرآن مجید بلا ریب اللہ کی طرف سے مجسم ہدایت ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ وارد ہوا ہے ایک سورۃ الانعام میں دوسرے سورۃ الزمر میں۔

(۲۰)

رَحْمَۃٌ

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ	اور ہمنے اُن کو قرآن پہونچا دیا سمجھ بوجھکر اس میں ہر طرح کی تفصیل بھی کر دی (اور وہ) ایمان والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے

ف

قرآن کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمکو راہ مستقیم دکھا کر جنت تک پہونچانا چاہتا ہے، اور ایسی باتیں سکھاتا ہے کہ اس پر عمل کریں تو حسن آخرت کے ساتھ دنیا بھی خوشی اور عزت میں گذرے قرآن کے معنی میں "رحمۃ" کا لفظ قرآن مجید میں تیرہ جگہ وارد ہوا ہے

(۲۱)

بُشْریٰ

جیسا کہ سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:—

تِلْكَ آيَاتُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُبِينٍ هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ۔	یہ آیات، قرآن اور کتاب روشن کی ایمان والوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہیں۔

خوشخبری یہ ہے کہ قرآن کی تبعیت کرنے والے دنیا میں حرمت اور راحت کے ساتھ رہیں اور آخرت میں داخل جنت ہوں ۔ قرآن میں **بشری** کا لفظ بمعنی قرآن سات جگہ پر آیا ہے ۔

(۲۲)

شِفَاءٌ

جیساکہ سورۂ یونس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔	لوگو ! تمھارے پروردگار کی طرف سے آئی تمھارے پاس نصیحت اور امراض قلبی کی دوا ، اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۔

ف

یہاں قرآن کی چار صفتیں بیان کی گئی ہیں موعظت ۔ شفاء الصدور ۔ ہدیٰ و رحمت موعظت یعنی نصیحت حسنات کے اختیار کرنے اور سیٔات سے بچنے کے لئے ہے خواہ وہ شخص جسکو نصیحت کی گئی ہے اسکو قبول کرے یا نہ کرے ۔

شفاء قلبی امراض کی دوا کرنے کے لئے ہے جیسے بغض ۔ عداوت ، حرص ۔ طمع ، نفاق ، کبر ، کفر ، شرک وغیرہ ہے پس شفا اُسی وقت متحقق ہوگی جب مرض دور ہو جائے ورنہ شفا نہیں ہے ۔ ہدیٰ دین کا سیدھا رستہ دکھانا ہے جو احکام شرعیہ سے متعلق ہے اور رحمت فلاح دین و دنیا ہے پس موعظت عام ہے جس میں امور دین و دنیا دونوں داخل ہیں اور شفاء خاص ہے امراض قلبی سے اور ہدیٰ دین کا سیدھا رستہ بتاتا ہے جس کا تعلق ظاہر احکام شرعیہ سے ہے مثلاً کوئی شخص ظاہر احکام شرع کا پابند ہو اور اُسکے دل میں کچھ شکوک وغیرہ بھی ہوں تو بناءً

علی الظاہر اس کو مومن کہا جائیگا پھر رحمت جو فلاح دین و دنیا ہے اقصی الکمال ہے یعنی جو شخص اس رحمت سے پوری طرح مستفید ہوا وہ ظاہراً باطناً انتہائے کمال کو پہونچ گیا مومن کامل مصداق ان چاروں امور کا ہے لیکن ان چاروں کا منشاء معنی مختلف ہے مثلاً قرآن کی بعض مواعظ سے کوئی بہرہ مند ہوا اور بعض امراض قلبی دور نہ ہوں یا احکام شرعیہ کا پابند ہو جسکی بناء پر اسکو مومن کہا جائے مگر بعض امراض قلبی باقی ہوں یا بعض مواعظ کا وہ کسی وجہہ سے پابند نہ ہو۔

اس سے ظاہر ہے کہ شفاء کو شفاء روحانی کے معنی میں لینے سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا اور نہ وہ قادح بلاغت ہوسکتا۔

شفاء کو امراض جسمانی سے متعلق نہیں کرسکتے جیسا کہ جامع طب نبوی اور بعض دوسرے اہل علم کا خیال بھی ہے اس لئے کہ شفا مخصوص کردی گئی ہے "لما فی الصدور" سے جس کا محوی امراض قلبی ہے اور جس کا ذکر قرآن میں جابجا مختلف طور پر کیا گیا ہے (فی قلوبہم مرض وغیرہ) اور اس مرض سے وہ قلبی و روحانی امراض ہی مقصود ہیں جن کا سیاق کلام موقع وغیرہ مقتضی ہے۔

لما فی الصدور کا لفظ عام ہے یعنی صدر کے امراض روحانی اور جسمانی دونوں کو شامل ہوسکتا ہے لیکن امراض جسمانی مراد نہیں لئے جاسکتے اس لئے کہ اگر تمام امراض جسمانی مراد لئے جائیں تو وہ خلاف نص ہے۔ الفاظ میں جو منصوص ہے اس سے زاید معنی نہیں لیسکتے ورنہ بالرائے زیادۃ علی القرآن لازم آئے گی اور یہ بقاعدۂ اصول صحیح نہیں ہے۔ اور اگر صرف امراض جسمانی صدر مراد ہوں تو صفت قرآن ناقص رہتی ہے اس لئے کہ اطباء تو تمام امراض جسمانی کا علاج کریں اور قرآن کا اثر باوجود اپنی اس عظمت و قوت کے صرف امراض جسمانی صدر کے لئے شفا ہو اور باقی اعضا کے علاج سے قاصر ہو اور جب کہ یہ مان لیا جائے کہ قرآن جسمانی

امراض کے لئے ہی دوا ہے تو سوائے امراض جسمانی صدر کے باقی اعضاء کے علاج سے قاصر رہنا بڑا نقص ہوگا۔

یہ خیال کہ جب قلب کے امراض روحانی و جسمانی کے لئے شفا ہو تو دوسرے امراض جسمانی کے لئے کیوں نہ شفا ہو کمزور خیال ہے کیونکہ اس صورت میں بالکل زیادت لازم آتی ہے اور مجرد رائے و قیاس نہ صرف ناکافی بلکہ بالاثر ممنوع ہے۔ اگر قرآن تمام امراض جسمانی و روحانی کے لئے علاج ہوتا تو البتہ نص میں اس کا کوئی منشاء ہوتا یا یہ کہا جاتا کہ "شفاء لما فی الصدور ولما دونہ" واذ لیس فلیس۔

قرآن کے نزول کی غایۃ کیا ہے! تعلیم توحید و اصلاح اخلاق بالمعنی الاعم۔ اگر اس سے امراض جسمانی کا علاج بھی مقصود ہوتا تو البتہ اس امر کی تصریح کیجاتی کہ کوئی آیت یا سورہ کسی مرض کے لئے مفید ہے کما قال اللہ تعالٰے اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور ہوتا کہ اسکی تعلیم فرماتے کیونکہ ہرگاہ یہ امر مقاصد قرآن میں داخل ہو تو بغیر اسکی تعلیم کے رسالت کی تکمیل نہیں ہوسکتی اگر یہ کہا جائے کہ علاج امراض جسمانی قرآن کے مقاصد میں داخل نہیں ہے بلکہ بالعرض و بالتبع یہ غرض اس سے حاصل ہوتی ہے تو اولاً اس امر کے اثبات کے لئے بینۂ شرعیہ درکار ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا ہوتا تو پیغمبر صلعم ضرور نقوش قرآنیہ سے علاج فرمایا کرتے حالانکہ اس کے متعلق ایک اثر بھی موجود نہیں ہے بلکہ خیر القرون میں بھی اس کا وجود و شیوع نہیں پایا جاتا۔ البتہ تین سو برس کے بعد گنڈہ تعویذ کا نشو و نما ہوا ہے پس اس سے تو اس کا بدعت ہونا ثابت ہوا۔

مَاھُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ" میں شفا ایک صلہ کو چاہتا ہے جیسا رحمت کے لئے مومنین ہے پس اگر للمومنین کو شفاء سے متعلق نہ کریں تو بروئے بلاغت ضرور ہے کہ اس کے بعد اس کا کوئی صلہ مثلاً للناس مذکور ہو کیونکہ ایسا نہ کرنے کی

صورت میں کوئی امراس کا مانع نہیں ہے کہ اس سے للمومنین کو متعلق کریں پس درحالیکہ
خلاف بلاغت ہے۔
ایسا مقصود نہ ہو کلام خلاف مقصود ہوگا جو خلاف بلاغت ہے۔
بالفرض اس کو مطلق رکھا جائے تو لازم آئیگا کہ قرآن کے نقوش ہر کافر و مسلم کے امراض
کے لئے علاج ہوں حالانکہ اسی آیت کے آخر میں ہے" وَلَا يَزِيدُ الظّٰلِمِيْنَ
إِلَّا خَسَارًا "جس کے معنی یہ ہوے کہ مومنین کے لئے تو شفا و رحمت ہے اور
کفار کے لئے خسران پس اب سوا اسکے کوئی چارہ نہیں کہ للمومنین کو شفا و رحمت
دونوں سے متعلق کریں۔
اگر شفا سے مومنین کی روحانی و جسمانی دونوں شفائیں مراد لی جائیں تو بھی خالی از اشکال
نہیں کیونکہ ایک ہی حکم جب ایک جگہ مطلق اور دوسری جگہ مقید ہو تو بقاعدہ اصول
مطلق میں بھی وہی قید معتبر ہوگی جو مقید میں ہے تو اگر یہاں مومنین کے لئے شفا مطلق
بھی ہو تو لما فی الصدور کی قید یہاں بھی معتبر ہوگی اور پھر اطلاق باقی نہ رہے گا۔
طب نبوی کے مولف نے نقوش قرآنیہ کے با اثر اور شفا رہونے پہ ایک یہ دلیل
عقلی بھی قائم کی ہے کہ گالی محرک غضب ہے اور جب گالی کے کلمات میں اثر ہے
تو کلام الہی میں بالضرور بہت زیادہ اثر ہونا چاہیئے "
یہ دلیل محض ایک وسوسہ ہے اس لئے کہ اگر گالی کا کلمہ بالذات موثر ہے تو چاہیئے کہ
ہر جگہ موثر ہو جیسا کہ سنکھیا ہر جگہ موثر ہوتی ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ جب ایسے شخص کو گالی
دیجائے جو زبان نہیں جانتا تو اسپر کچھ بھی گالی کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اثر کیلئے
سمجھنا شرط ہے تو ارازل پر جو رات دن گالی کھایا کرتے ہیں کچھ اثر نہیں ہوتا۔ اگر بذاتہ
گالی میں اثر ہوتا تو ناممکن ہے کہ اس کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ گالی میں بذاتہ
کچھ اثر نہیں ہے بلکہ موثر کوئی اور چیز ہے۔ گالی محض واسطہ ہے وہ بھی باتباع عرف
مثلاً غیور آدمی گالی سے یہ سمجھتا ہے کہ اسکی آبرو کو جو محترم چیز ہے نقصان پہونچایا گیا

اس لئے بغرض انتقام غضب کو التہاب ہوتا ہے اور گالی ہی پر کیا ہے کسی کی مذہبی معزز چیز پر جوتا رکھدینے کڑوی نظر سے متہور کو دیکھنے کسی کے ناموس میں دست اندازی کرنے حق کہ مزارع کے کھیت میں جہاں غلہ ہو گھوڑا دوڑلنے سے غضب کی تحریک ہوتی ہے حالانکہ یہ چیزیں بذاتہ موثر نہیں ہیں بلکہ یہ واسطہ ہیں توہین مذہب اذیت ہتک ناموس اور نقصان مایہ وغیرہ کے اسی طرح اشعار جو حزن و فرح کے محرک ہوتے ہیں وہ بھی واسطہ ہیں۔

حقیقت میں وہ مضمون جس سے متعلق ہے اس کے صور قوت متخیلہ و وہمیہ میں متمثل ہوتے ہیں اور نفس اس سے محزوں یا متلذذ ہوتا ہے اور یہ آثار محض عرف کے تابع ہیں دیکھو الو ہندمیں منحوس سمجھا جاتا ہے۔ کسی غیور شخص کو الو کہدیا جائے تو وہ متاذی ہوتا ہے بخلاف اس کے یورپ میں الو مسعود و مبارک سمجھا جاتا ہے پس وہاں کسی کو الو کہنا گویا اسکو مبارک و میمون کہنا ہے۔

یہی حال تمام عرفی امورمیں بحسب عرف دائر و سائر ہے۔ بہرکیف ان الفاظ میں بذاتہ کوئی اثر نہیں ہے جیسا کہ سنکھیا، نوشدارو، سنا وغیرہ میں ہے۔

ممکن ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ میں کوئی اس قسم کا معنوی اثر ہو مگر چونکہ اسبارہ میں کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے نہ اسکی تائید میں متواتر عمل خیر القرون پایا جاتا، اس لئے مناسب نہیں ہے کہ باتباع خواہشات نفسانی خواہ مخواہ کو کھینچ تان کر بطریق نامرضی کوئی اثر مفروض ثابت کیا جائے یا ثابت کرنے کی کوشش کیجائے۔

خواص سُور جو بیان کئے جاتے ہیں اُن کی تمام حدیثیں موضوع ہیں الا ماشاء اللہ فلاسفہ اور علت سے بحث کرنے والے لوگ کلمات کی تاثیر معنوی کے قائل نہیں ہیں کیونکہ نہ اُس پر کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ ہوسکتی اور تجربیات شکوک سے خالی نہیں ہیں لیکن بعض اوقات ہم تعویذ گنڈے اور پھونک جھاڑ کو موثر پاتے ہیں۔ پھر اتقوا السلف تو اہما؟

میں اس کثرت سے ہیں جس کا احصا اگر ناممکن نہیں تو دشوار تو بالضرور ہے۔ اتنے اقوال کثیرہ کو جن کے رواۃ میں بعض بعض صلحا ء بھی پائے جاتے ہیں ہم محض انیاب اغوال تصور نہیں کر سکتے درحالیکہ ہمارے بعض تجربیات بھی اس کے مؤید ہیں۔ علاوہ اس کے سانپ بچھو کے منتر اور اس کے امثال دوسرے منتروں کو بھی کبھی صحیح یا با اثر پایا جاتا ہے اور اس کے متعلق بھی روایات نامحصور بین الناس مشہور ہیں ان وجوہ سے عقل تجویز کرتی ہے کہ کلمات میں ایک قسم کا اثر معنوی ضرور ہے۔ خواہ یہ اثر تنہا کلمات کا ہو یا عامل کی قوت روحانی کی مشارکت سے ہو۔

روح مجردات میں سے ہے اور بعد تزکیہ اسکی قوت بہت زبردست ہو جاتی ہے اس لئے اسکی تاثیر معنوی میں کوئی شک نہیں ہے چنانچہ خود حکماء متقدمین میں ایک فرقہ اشراقیین کا تھا جو قوت روحانی سے مسائل عویصہ کو حل کیا کرتے تھے اور صوفیہ کرام اسی طاقت سے سلب امراض وغیرہ کرتے ہیں مسمریزم اسی کا ایک شعبہ ہے جو فی الحال لوگوں میں دائر وسائر ہے الحاصل جب عام کلمات میں تاثیرات معنوی مشاہد ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ قرآن مجید میں جو کلام ربانی ہے اس سے مافوق تاثیرات کو باور نہ کریں مگر چونکہ امور شرعیہ نصوص وآثار شرعیہ کے تابع ہیں اور نصوص وآثار میں اس قسم کے احکام مفصل ومحکم وضاحت کے ساتھ نہیں پائے جاتے اسلئے توقف کے سوا چارہ نہیں ہے۔ باقی رہا مشاہدہ تو عامیوں کا مشاہدہ نتیجہ کلیہ کے استخراج کے لئے کافی نہیں ہے۔ مشاہدہ عارف یا حکیم یا واقف علل واسباب کا معتبر ہو سکتا ہے۔

(۲۳)

موعظۃ

جیساکہ سورۃ النور میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ آیَاتٍ مُّبَیِّنَاتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔	مسلمانو! ہم نے تمھارے پاس کھلے کھلے احکام اور حالات اُن لوگوں کے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں اور پرہیزگاروں کیلئے نصیحت بھیجی

ف

موعظہ بمعنی قرآن پانچ مقامات پر وارد ہے۔ اس سے پہلے کی آیت میں بہت صاف و صریح ہے۔

(۲۴) مُصَدِّقٌ

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا الْکِتَابُ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ۔	یہ قرآن، کتاب (آسمانی) جسکو ہم نے اتارا ہے برکت والی (کتاب ہے اور) جو کتابیں اس سے پہلے کی ہیں اُن کی تصدیق کرتی ہے۔

اس سے صاف وہ آیت ہے جو سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ آمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَکُمْ	اے اہل کتاب! ایمان لاؤ قرآن پر جسکو ہم نے نازل کیا ہے اور جو تصدیق کرتا ہے اُن (کتابوں کی) جو تمھارے پاس ہیں۔

ف ہم مسلمان چار فرقوں کو اہل کتاب مانتے ہیں۔ ایک داؤدی جن کے پیغمبر حضرت داؤد پر زبور نازل ہوی مگر یہ فرقہ اب دنیا سے نابود ہوگیا ہے۔ دوسرے یہود کہ اُن کے پیغمبر حضرت موسیٰ پر توراۃ نازل ہوی۔ تیسرے عیسائی کہ اُن کے پیغمبر حضرت عیسیٰ پر انجیل نازل ہوی پھر آخر میں چوتھے ہم اہل اسلام کہ ہمارے پیغمبر حضرت

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف نازل ہوا اس کے بعد قیامت تک پیغمبری کا خاتمہ ہو گیا۔

ان میں سے یہودی، عیسائیوں کو نہیں مانتے۔ عیسائی ہم مسلمانوں کو نہیں مانتے اور ہم مسلمان ہیں کہ یہود اور عیسائی دونوں کو مانتے ہیں۔ کہ موسیٰ اور ان کی تورات اور عیسیٰ اور ان کی انجیل سب برحق ہیں موسیٰ اور عیسیٰ خدا کے پیغمبر۔ تورات و انجیل خدا کی منزل کتابیں ہیں۔

آیت میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قرآن اپنے سے پہلے کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اس سے اجمالی تصدیق مراد ہے مثلاً حضرت موسےٰ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے اور جیسے قرآن خدا کا کلام ہے تورات بھی منزل من اللہ ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگلی کتابیں جیسی کہ وہ اب ہیں شروع سے آخر تک بلا کم و کاست صحیح و محفوظ ہیں۔ قرآن میں جا بجا اہل کتاب کو تحریف و تبدیل کا الزام بھی دیا گیا ہے تاہم جیسی اجمالی تصدیق ہے ویسا ہی ان کا اجمالی ادب بھی مسلمانوں کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ مصدق کا لفظ قرآن میں دس جگہ آیا ہے۔

(۲۵)

تَصْدِیْق

جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ	یہ قرآن اس قسم کی کتاب نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اسکو اپنی طرف سے بنا لایا ہے بلکہ یہ تصدیق ہے اس کتاب کی جو اسکے سامنے (یعنی تورات و انجیل) اور تفصیل شریعت ہے

فِيهِ مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِينَ -	(کتب سابقہ) اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ (یہ) تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے ہے۔

ف

یعنی قرآن مجید توراۃ و انجیل کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق ہے تصدیق قرآن میں دو جگہ آیا ہے۔

(۲۶) تَفْصِيلُ الْكِتَابِ

یہ نام ابھی اس سے اوپر والی آیت میں گذر چکا ہے۔ قرآن اگلی کتابوں کے احکام کی تفصیل ہے۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ توراۃ و انجیل میں مجمل احکام ہیں اور نامکمل ہیں۔ قرآن نے اُن احکام کی تفصیل و تکمیل کردی۔

(۲۷) تَفْصِيلُ

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ -	یہ (قرآن) کوئی بنائی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ وہ تصدیق کرتا ہے اُس کتاب (یعنی توراۃ و انجیل) کی جو اسکے سامنے ہے اور اسمیں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے۔

ف

ختم نبوت سے یہی مراد ہے کہ احکام آلہی جو بندوں تک پہونچنے تھے پہونچ گئے - اور اُن کی تفصیل و تکمیل ہوگئی اور چونکہ یہ امر قرآن سے اتمام کو پہونچا ہے اس لئے اس کا نام تفصیل ہوا - یہ نام قرآن بھر میں یہیں ایک جگہ آیا ہے -

(۲۸) مُفَصَّل

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اِلَیْکُمُ الْکِتٰبَ مُفَصَّلًا	وہ وہی (ذات پاک) ہے جسنے تم لوگوں کی طرف (یہ) کتاب بھیجی جو مفصل ہے یعنی جسمیں بیان کردی احکام کا کھلا کھلا بیان ہے -

(۲۹) حَقّ

جیساکہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَھُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ -	اور یہ (قرآن) سچا ہے (اور) جو کتاب ان (یہود و نصاریٰ) کے پاس ہے اسکی تصدیق بھی کرتا ہے

ف

ہر نفس الامری اور مطابق واقع ، حق ہے -

قرآن مجید ابتداءً ایک بار رمضان میں حضرت سرور کائنات صلعم پر جملۃً واحدۃً نازل ہوا اس کے بعد (۲۳) سال تک نجماً نجماً نازل ہوتا رہا -

اگر قرآن کسی انسان کا بنایا ہوا ہوتا تو عقل تجویز نہیں کرتی کہ اتنی مدت تک خیالات انسانی

یکساں رہیں۔ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک انسانی خیالات میں بے انتہا ردو بدل ہوتا رہتا ہے پس اگر قرآن کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس میں بھی خیالات مختلفہ ہوتے پر ہوتے جیسا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔	تو کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) میں غور نہیں کرتے اور اگر قرآن خدا کے سوا کسی اور کے پاس سے آیا ہوتا تو ضرور اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔

مگر وہ شروع سے آخر تک ایک نسق پر چلا جاتا ہے اور جو تعلیم ہے۔ نظر ہے وہ قرآن کی ہر جگہ سے یکساں جلوہ گر ہے۔ یہ اسکے کلام الہیٰ ہونے اور برحق ہونے کی بڑی دلیل ہے اور اسی لئے اس کا نام حق ہے حق کا لفظ یوں تو قرآن میں اَن گنت آیا ہے مگر قرآن کی صفت میں چھتیس [۳۶] مقامات پر واقع ہوا ہے۔

(۳۰)

آیٰتُ اللّٰہِ

جیساکہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ۔	(اے پیغمبر!) یہ واقعی اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم (جبرئیل کی معرفت) تمکو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں۔

ف

آیات اللہ کا لفظ قرآن مجید میں اس صفت کے ساتھ سولہ جگہ آیا ہے۔

(۳۱)

آیٰتٌ بَیِّنٰتٌ

جیساکہ سورۃ الحدید میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ	وہی خدا ہے جو اپنے بندے محمدؐ پر کھلی کھلی آیتیں نازل فرماتا ہے۔

ف یعنی قرآن کے احکام اور اوامر و نواہی بہت صاف و صریح ہیں۔ اُن میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔

(۳۲)

آیاتٌ مُبَیِّنٰتٌ

جیساکہ سورۃ النور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ	اور ہم نے تمھارے پاس کھلے کھلے احکام بھیجے ہیں۔

ف

آیات بیّنات اور آیات مبیّنات دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ آیات بیّنات قرآن میں سات مقامات پر ہے اور آیات مبیّنات صرف دو جگہ ہے۔

(۳۳)

عِلمٌ

جیساکہ سورۃ البقرہ کے رکوع ۱۴ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ	اور اگر تم اسکے بعد کہ تمھارے پاس یعنی قرآن آچکا ہے ان (یہود و نصاریٰ) کی خواہشوں پر چلے تو پھر تم کو خدا کے غضب سے

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ	(بچانیوالا) نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار

ف قرآن کو علم اسواسطے کہا گیا کہ وہ بجائے خود ایک علم ہے یا اس لئے کہ وہ تمام علوم حقہ کا سرچشمہ ہے یا اس لئے کہ علم کے معنی سمجھ کے بھی ہیں اور قرآن کے پڑھنے سے دنیا و آخرت کے سدھارنے کی سمجھ پیدا ہوتی ہے وغیرذالک علم بمعنی قرآن چھ جگہہ آیا ہے

(۳۴)

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ

(وہ جو اللہ نے نازل فرمایا)

جیسا کہ سورہ لقمان میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے۔--

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (قرآن) جو خدا نے نازل کیا ہے اسکی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جسپر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا۔

(۳۵)

مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

(وہ جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا)

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:—

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا	دیہات کے لوگ کفر اور نفاق میں بڑے سخت ہیں اور (جہالت کی وجہسے) اسی لایق ہیں کہ

اللہ نے جو اپنے رسول پر کتاب اتاری ہے اس کے احکام کو نہ سمجھیں۔	وَاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ

(۳۶)

مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ

(وہ جو رسول کی طرف اتارا گیا)

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اور جب سنا انہوں نے (قرآن کو) جو ہمارے رسول پر اتارا گیا ہے تو اے مخاطب تو انکی آنکھوں کو دیکھتا ہے کہ اُن سے آنسو جاری ہیں۔	وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰی اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ

ف

جب کچھ مسلمان ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے حبشہ چلے گئے تو کفار نے ان کی شکایت نجاشی بادشاہ سے کی جو مذہب کا عیسائی تھا۔ نجاشی نے مسلمانوں سے کچھ دریافت کیا اور جواب معقول پایا۔ پھر اُن سے کچھ قرآن سنانے کی فرمایش کی اور انہوں نے سورۂ مریم سنائی تو اسپر نجاشی اور اس کے درباری سب رو پڑے۔

(۳۷)

مَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ

جیسا کہ سورۂ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور ایمان لائے اسپر جو نازل کیا گیا ہے محمد پر اور وہ	وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ

مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ	برحق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے تو خدا ان کے گناہ ان پر سے اتار دیگا ۔

(۳۸)
مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

جیساکہ سورۃ الحدید میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ	کیا مسلمانوں کیلئے ابھی تک اسکا وقت نہیں آیا کہ ذکر خدا اور تلاوت قرآن کیلئے جو خدا کے برحق کی طرف سے نازل ہوا ہے ان کے دل گداز نہ ہوں

ف

قرآن مجید میں ان مرکبات کے علاوہ اور بہت سے الفاظ ہیں جو قرآن کی صفت میں وارد ہوئے ہیں مگر چونکہ ان الفاظ کو نام و علم شمار نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہم ایک جگہہ سب کو بتائے دیتے ہیں

مَآ اُنْزِلَتْ	صرف ایک جگہہ سورۃ البقر میں وارد ہوا ہے
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ	تین جگہہ ہے ۔
اَلَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا	دو جگہہ ہے ۔
مَا نَزَّلْنَا	دو مقامات پر ہے ۔
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ	نو مقامات پر ہے ۔
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ	صرف ایک مقام پر ہے ۔
مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ	چھ مقامات پر ہے
مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ	ایک مقام پر ہے ۔

مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ	ایک مقام پر ہے۔
مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ	تین جگہ ہے۔
مَا یُوْحیٰ اِلَیْکَ	چار مقامات پر ہے۔
مَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ	ایک مقام پر ہے۔
مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ	ایک مقام پر ہے۔
مَا آتَاھُمُ اللّٰہُ	ایک مقام پر ہے۔
اَلَّذِیْ اَوْحَیْنَا	پانچ مقامات پر ہے۔

کسی مشہور و محترم چیز کو اشارہ کنایہ سے بیان کرنا اور نام لینے سے اعراض کرنا، یہ بھی اس کی علو شان کا ایک اظہار ہے۔ قرآن کی یہ بھی ایک قادر الکلامی اور بلاغت ہے کہ باوجود اس کے کہ بہت ساری جگہ وہ اپنا نام بالکل ظاہر نہیں کرتا نہ کوئی اشارہ کرتا پھر بھی پڑھنے والا طرز کلام اور انداز بیان سے سمجھ جاتا ہے کہ اس لفظ یا اس جملہ سے قرآن ہی مقصود ہے۔

(۳۹)

حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ

(سرتاسر دانائی)

جیسا کہ سورۃ القمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَھُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِیْہِ مُزْدَجَرٌ حِکْمَۃٌ بَالِغَۃٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ	اور ہر آئینہ اُن کے پاس ایسی خبریں (یعنی حالات امم سابقہ) آچکی ہیں جن میں (کافی) تنبیہ ہے یعنی حکمت کاملہ پھر بھی ڈرانے والی باتوں نے انہیں نفع نہ پہونچایا۔

ف

قرآن مجید کے سرتاسر دانائی وحکمت ہونے میں کوئی صاحب فہم سلیم شک نہیں کرسکتا حتیٰ کہ ہر زمانہ کے حکما اور متعصب علمائے نصاریٰ نے بھی اتنا بیچون وچرا تسلیم کیا کہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو قرآن کے مصنف تھے اعلیٰ درجہ کے حکیم تھے چنانچہ علامہ کارلائل یوروپین عیسائی کی کتاب ہیروز اینڈ ہیرو شپ" (یعنی مشاہیر ومشاہیر پرستی) اس امر کی شاہد عدل ہے جس میں اس نے انبیاء کرام میں سے صرف محمد صلعم کو منتخب کیا ہے۔ اس موضوع پر ہم پھر بحث کرینگے۔ یہ لفظ ایک ہی جگہ آیا ہے۔

۴۰

اَلْعُرْوَةُ الْوُثْقٰى

(مضبوط رسی)

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔	گمراہی سے ہدایت (الگ) ظاہر ہوچکی ہے تو جو (جھوٹے معبودوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو یہ آئینہ اس نے مضبوط رسی پکڑ رکھی ہے جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔

ف

کوئی شخص کنویں یا باولی میں گر پڑتا ہے تو اس کو نکالنے کے لئے رسی لٹکاتے ہیں جسکو پکڑتا ہوا یا تو وہ خود اوپر آجاتا ہے یا لوگ کھینچ لیتے ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید نجات دارین یا اللہ تک پہونچنے کے۔ لئے مضبوط رسی ہے کہ جس نے

قرآن کو اپنا پیشوا بنایا اور اُسپر عمل کیا وہ سیدھا نجات کے راستہ پر پہونچا اور آخر کار
اللہ اور ملأ اعلی سے جاملا۔
یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہہ آیا ہے۔ ایک سورۃ البقر میں جیسا کہ گذر چکا۔ دوسرے
سورۂ لقمان میں۔

(۷۱)
فُرقَانٌ

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ مِن قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ	اسی اللہ نے تم پر یہ کتاب برحق اُتاری جو اُن (آسمانی کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے سامنے ہیں اور اسی نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے توراۃ اور انجیل اتاری اور اسی نے فرقان کو نازل کیا۔

ف

فرقان کے لفظی معنی فرق کے ہیں اب رہی یہ بات کہ وہ فرق کیا چیز ہے؟ بعض
کہتے ہیں معجزات۔ بعض کہتے ہیں عقل سلیم۔ بعض کہتے ہیں دوسرے پیغمبروں کے
صحیفے اور بعض کہتے ہیں قرآن جس کا تذکرہ تاکید کے طور پر دوسرے لفظوں میں مکرر
فرما دیا ہے (حاشیہ مولوی نذیر احمد دہلوی مترجم قرآن صفحہ ۷۷)
اب ہمکو ان اقوال کی صحت پر محققانہ نظر ڈالنی چاہیئے تا ایک معنی کی تعیین ہو جائے
فرقان بمعنی معجزہ۔ اگرچہ معجزہ فارق ہے درمیان نبی صادق و کاذب کے اور درمیان
نبی صادق و ساحر کے لیکن یہاں معجزہ مراد لینے کے لئے کوئی ایسی قوی وجہہ جو دوسرے

معانی کے مقابلہ میں ترجیح پیدا کرے نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ انزال سے
تعبیر بھی درست نہیں ہے سوائے کتاب کے۔

فرقان بمعنی عقل سلیم آسمانی کتاب کے پرکھنے کا بڑا معیار حسن تعلیم و حسن بیان ہے اور
اسکی تمیز کے لئے عقل سلیم درکار ہے لیکن اس کے بیان کا یہ موقع نہیں ہے۔ اسکے
علاوہ، عقل کا استعمال انزال کے ساتھ نہیں ہے۔ اعطاء اور اس کے مماثل
الفاظ ہونے چاہیئے۔

فرقان بمعنی صحیفہ درست نہیں ہے اس لئے کہ زبان شرع میں فرقان کا اطلاق
صحف انبیاء یا کسی کتاب آسمانی پر نہیں ہوا ہے اور نیز اس لئے کہ فرقان مفرد ہے اور
صحیفے بہت اور مفرد جمع کا فائدہ نہیں دے سکتا۔ ہاں مفرد کا اطلاق ہر فرد کے لحاظ
سے جمع پر ہو سکتا ہے لیکن ایسی تاویل اسوقت جائز ہے جب کسی وجہ سے فرقان کو
صحیفے کے معنی میں لینا ناگزیر ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس اسکی کیا ضرورت ہے کہ
بلا وجہ فرقان کو بمعنی صحیفہ لیا جائے اور پھر تاویل رکیک کی جائے۔ بلا شبہ
فرقان سے قرآن ہی مراد ہے جیسا کہ محققین علمائے اسلام کی رائے ہے اور یہ
اس لئے صحیح ہے کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہہ اس کا شاہد موجود ہے چنانچہ
شروع سورۃ الفرقان میں ہے:-

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا	(خدا کی ذات) بابرکت ہی جسنے اپنے بندے (محمد) پر فرقان یعنی قرآن اُتارا تاکہ تمام جہان کیلئے ڈرانیوالا ہو۔

ف

اس آیت سے ثابت ہوگیا کہ فرقان سے مراد قرآن ہے اور کسی دوسری نص سے پتا
نہیں چلتا کہ فرقان کا اطلاق، قرآن کے سوا کسی اور کتاب پر بھی ہوا ہے۔ پس اس
کلیہ کی بنا پر کہ "اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا" یعنی قرآن کا بعض حصہ بعض کا

مفسرہ ہے) یہ متعین ہو گیا کہ آیت ما نحن فیہ میں فرقان سے قرآن کا بیان مکرر
تاکیداً و اہتماماً نشان القرآن ہے۔ یہ جواب معمولی ہے۔
دوسرا جواب یہ ہے کہ:۔ توریت اور انجیل جب لوگوں کی ہدایت کے لئے تھیں
تو چاہیئے کہ اب بھی وہ اپنے منصب پر رہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اُن کتابوں کے
کچھ احکام تو قرآن میں آگئے اور کچھ احکام قرآن نے منسوخ کر دیئے تو اس صورت
میں ظاہر ہے کہ توریت و انجیل کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ رہی اور اسی معنی کے
اظہار کے لئے مکرر ارشاد ہوا وَ اَنزَلَ الْفُرْقَانَ، جو جدا کر دینے والا ہے
توریت و انجیل اور اُن کی تعلیم سے وفیہ نکات اُخر۔
اب رہی یہ بات کہ قرآن کا نام یا لقب فرقان کیوں ہوا، تو لغت میں فرقان کے
معنی ہیں "وہ چیز جو حق و باطل میں فرق اور تمیز کر دے"، چونکہ قرآن اُترا
اسی لئے ہے تا باطل کو حق سے الگ کر کے حق کو حق کر دکھائے اور ایسا ہی
اس نے کیا کہ اسلام کو کفر سے، حق کو ناحق سے، طیب کو خبیث سے اور
راستی کو کجی سے الگ کر دکھلایا اس لئے اس کا نام فرقان ہوا۔ یہ لفظ قرآن
میں بمعنی قرآن دو جگہ آیا ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

۴۲
ذِکر

جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا	اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ذکر یعنی قرآن عطا فرمایا

ف

ذکر کے معنی ہیں نصیحت اور یاددہانی اور قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں موجود ہیں۔

(۴۳)
اَلذِّکْر

جیساکہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔	ہمنے تمھاری طرف یہ قرآن اُتارا تاکہ جو احکام لوگوں کیلئے اُن کی طرف بھیجے گئے ہیں تم اُن کو اچھی طرح سمجھا دو۔

ذکر قرآن میں، سات یا آٹھ مقامات پر اور الذکر دس مقامات پر آیا ہے۔

(۴۴)
ذِکْرٰی

جیساکہ سورۃ ہود میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ	جو لوگ ذکر الٰہی کرنے والے ہیں اُن کے حق میں یہ (قرآن) یاد دہانی ہے

ف

سچ ہے اے ہمارے پروردگار! اے وہ پاک ذات جس نے محمد عربی کے مبارک سر پر نبوت کا تاج رکھکر ختم رسالت کا سہرا باندھا۔ واقعی تیرا کلام مقدس یاد دہانی ہے ہم آدم کی سرکش اولاد جو اپنے مشغلوں میں پڑکر اپنی اصلی حقیقت کو بھول بیٹھتے ہیں اور تیرے ذکر سے غافل ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی جب تیری مہربانی کی تیری توفیق کی رفیق طریق ہو جاتی ہے اور ہم تیرا کلام مقدس پڑھنے لگتے ہیں تو قسم ہے خلق محمدی کی اور قسم ہے تیرے عزت و جلال کی کہ تھوڑی ہی دیر کے لئے

سہی مگر اپنی اصلیت سے واقف ہو کر اپنے وطن اصلی کو یاد کر کے گناہوں سے توبہ کرنے لگ جاتے ہیں اور تیری سب سے نہایت مہربانی اور عفو و رافت سے، اے غفار رحیم! امید رکھتے ہیں کہ بحرمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے گناہوں سے درگذر فرمائے گا اور ہمکو توفیق نیک بخشے گا۔ رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

یہ لفظ قرآن میں بمعنی قرآن چھ مقامات پر آیا ہے۔

۴۵

ذِکْرُ الرَّحْمٰن

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَهُم بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كَافِرُونَ	اور وہی لوگ رحمٰن کے ذکر یعنی قرآن سے منتفر ہیں۔

(۴۶)

ذِکْرٌ مُّبَارَکٌ

جیسا کہ اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ۔	اور یہ قرآن نصیحت ہے بابرکت جس کو ہم ہی نے اتارا ہے۔

۴۷

ذِی الذِّکْرِ

جیسا کہ سورہ صٓ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ .	قسم ہے قرآن کی جس میں نصیحت ہی نصیحت ہے

ذکر مبارک ،، اور ،، ذی الذکر ،، یہ دونوں لفظ ایک ہی جگہ ہیں ۔

(۴۸)

اَلذِّکْرُ الْحَکِیْمُ

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۔	اے پیغمبر ! یہ جو ہم تم کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات (الٰہی) ہیں اور حکمت بھری نصیحت ہے

(۴۹)

اَلْقَصَصُ الْحَقُّ

سچا بیان

جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ	اے پیغمبر ! بلا شک یہ ہی سچا اور واقعی بیان ہے ۔

یہ نام قرآن بھر میں اسی ایک مقام پر ہے ۔

(۵۰)

اَحْسَنُ الْقَصَصِ

جیسا کہ سورۂ یوسف میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ	اے پیغمبر! ہم تمکو سناتے ہیں ایک چہایا قرآن دے کے ضمن میں جسکو ذریعہ وحی ہمنے تم پر اتارا ہے اور بیشک تم اس سے پہلے بیخبر تھے۔

ف

احسن القصص سے بعض لوگ قرآن کو مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ صرف سورہ یوسف ہی کو احسن القصص فرمایا گیا ہے۔

اگر احسن القصص سے قرآن ہی کو مراد لیں تو بھی کوئی قباحت نہیں ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں بہتر سے بہتر واقعات اور اس میں عمدہ سے عمدہ نصیحتیں۔ حکمت کی باتیں۔ دین و دنیا و معاش و معاد کی اصلاح کی تدبیریں ما سیاست مدن کے قوانین اور اخلاق کے بیش بہا موتی ہیں۔ غرض ہم کہاں تک بیان کریں یہ مقدس کتاب تو دنیا بھر کے مضامین مفیدہ پر مشتمل ہے پھر ایسی کتاب احسن القصص نہ ہو۔ تو کونسی کتاب ہوگی۔

اگر سورۂ یوسف پر احسن القصص کا اطلاق ہو جیسا کہ سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے تو اس لئے کہ سورۂ یوسف قرآن کا ایک جزء ہے قرآن کو بھی احسن القصص کہہ سکتے ہیں کیونکہ جس کتاب کا ایک جزء بہتر ہو اسکو بہتر کہا جا سکتا ہے۔

سورۂ یوسف کے احسن القصص کہنے کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے چند کو ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔

پہلی وجہ

قرآن مجید میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں مگر کوئی واقعہ ایک جگہ مکمل طور پر نہیں ہے بخلاف ان کے حضرت یوسف کا حال شروع سے آخر تک

سلسلہ وار ایک ہی سورہ میں ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ

پند و نصیحت اور ایسے اوامر و نواہی جن میں گونہ تکلیف ہو، ان کا بیان بالطبع مرغوب انسانی نہیں ہے بخلاف اُن بیانات کے جو مذکورۂ بالا امور سے خالی ہیں ان کی طرف انسان بالطبع مائل ہوتا ہے بشرطیکہ طرز بیان دلچسپ ہو اور مدنیت کا پیرایہ لئے ہوئے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو قصوں اور افسانوں سے زیادہ دلبستگی ہوتی ہے خصوصاً جب اس کا پہلو عشق کا رنگ لئے ہوئے ہو۔ حضرت یوسف کا حال نہ پند و نصیحت ہے نہ امر و نہی بلکہ وہ دوسری قسم ہے جسکا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس لئے وہ خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ کہیں کہیں اثنائے بیان میں پند و نصیحت امر و نہی اور توحید وغیرہ کا بیان چھوٹے چھوٹے جملوں میں کر دیا گیا ہے جو بہت زیادہ موثر ہے اور اصل غرض جو تعلیم توحید و اخلاق حسنہ سے ہے وہ اس سے بدرجہ اتم حاصل ہے۔

بچپن میں حضرت یوسف کا خواب دیکھنا۔ باپ کا اس کے اظہار سے منع کرنا۔ بھائیوں کا مخالف ہونا۔ اور کوئیں میں ڈالنا۔ قافلہ والوں کا آکر نکالنا۔ پھر غلام بنکر بکنا۔ عزیز مصر کا خرید کرنا۔ عزیز مصر کی عورت کا اُنپر فریفتہ اور حضرت یوسف کی پرہیزگاری پر ناخوش ہونا۔ حضرت یوسف کا قید کیا جانا۔ قید خانہ میں خوابوں کی تعبیر کا سچ اترنا۔ بادشاہ کا خواب دیکھنا حضرت یوسف کا بلایا جانا اور بعد شروط ان کا جانا۔ خواب کی تعبیر کہنا اور بادشاہ کے مقربین میں داخل ہوکر مہتمم خزانہ ہونا پھر خواب کے موافق قحط پڑنا۔ بھائیوں کا غلہ کے لئے آنا۔ باہم ایک دوسرے کا پہچاننا پھر حضرت یوسف کا اپنے بھائیوں کی خطا کو معاف کرنا اور اپنے ماں باپ کو کنعان سے مصر میں طلب کرنا۔ خواب کی تعبیر کا راست اُترنا اور حضرت یوسف کا بادشاہ مصر ہونا۔ ایک ایسا

بیان ہے جو سحر کا ہمدوش اعجاز کا ہم آغوش ہے - جگہہ جگہہ اثنائے کلام میں مناسب مواقع پر جو توحید وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہایت دلکش ہے جسکو بخوف طوالت کے خیال سے ترک کر دیا -

تیسری وجہ

اس بیان میں قرآن مجید کی تھذیب بھی ایک اعجاز ہے کہ عشقیہ مضامین کو کس متانت اور سنجیدگی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والے کا ذہن کسی برائی کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا آخر تک کہیں زلیخا کا نام نہیں لیا گیا حالانکہ تمام بیان زیادہ تر اسی سے متعلق ہے - اور نام کیوں نہیں لیا ؟ اس لئے کہ نام لینے کی صورت میں غیبت کی بُری نظیر قائم ہوتی جسکو خود قرآن نے بُرا کہا ہے اور یہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تھذیب ہے یہ عجیب قادر الکلامی ہے کہ قرآن زلیخا کا نام تو نہیں لیتا مگر پڑھنے والا اس کا نام سننے سے مستغنی ہے اور اس سے بیان کی دلچسپی میں کوئی فرق نہیں آتا -

کیا قرآن کے سوا کوئی کتاب مدعی تھذیب ایسی نظیر پیش کر سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں -

چوتھی وجہ

سورۂ یوسف ، حضرت یوسف کے واقعہ کا مختصر بیان ہے اور اس میں اُن تمام اخلاق اور جرائم کے نتائج کو جن کا اس سے تعلق ہے ، جس دلچسپی و خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اس میں شبہ نہیں کہ وہ قرآن ہی کا حق تھا -

بد اخلاقی اور خوش اخلاقی دو قسم ہے - ایک عقلی یا طبعی جسکو انسان کی عقل و طبیعت بلا خصوصیت زمان و مکان اچھا یا برا سمجھے جیسے چوری خیانت کذب زنا انتقام اور ان کے مقابلہ میں راستی - دیانت - صدق - عفاف عفو -

دوسری قسم ، عارضی یا مختص الزمان والمکان مثلاً حجاب النسوان ہند میں مھا امکن ممدوح ہے اور یورپ میں مطلق العنان -

بھیک مانگنا براہمۂ ہند کے لئے جز مذہب ہے اور دوسرے ممالک میں مطلقاً معیوب
سورۂ یوسف میں اول سے آخر تک پہلی قسم کی بد اخلاقی اور خوش اخلاقیوں کا بیان
مناسب مواقع پر نہایت خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے اور پھر ہر ایک کا نتیجہ
بھی دکھا دیا گیا ہے۔

(۵۱)
حَبْلُ اللہِ

اللہ کی رسی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (سورۂ آل عمران)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم پر موت نہ آئے مگر ایسی ہی حالت میں جب تم مسلمان ہو اور تم سب مضبوطی سے اللہ کی رسی پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو

ف

اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے رہنا جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرتے دم تک دین اسلام پر ثابت قدم رہنا، اور مسلمانوں کا ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا یہ سب باتیں اسی وقت حاصل ہو سکتی ہیں کہ جب مسلمان اللہ کی رسی کو جس کا نام قرآن ہے مضبوطی سے تھامے رہیں اور اسی پر عمل کرتے رہیں۔ یہ لفظ قرآن میں بصفت قرآن اسی ایک جگہ وارد ہوا ہے

(۵۲)
بَیَانٌ

جیساکہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ	یہ قرآن لوگوں کے لئے بیان ہے اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

یہ لفظ بمعنی قرآن اسی ایک جگہ ہے۔

(۵۳)

رِضْوَانُ اللّٰہِ

جیساکہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ	بھلا جو شخص اللہ کی مرضی (قرآن) کا تابع ہو کہیں اس جیسا ہوسکتا ہے جو خدا کے غضب میں آگیا ہو۔

قرآن کی تبعیت، عین خدا کی مرضی پر چلنا ہے اس لئے قرآن کو اللہ کی مرضی کہا گیا ہے۔ یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ اسی سورہ میں ہے۔

(۵۴)

مُنَادِیْ

منادی کرنے والا

جیساکہ سورہ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا	اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کرنیوالے کو سنا کہ ایمان کی منادی کررہا ہے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لے آئے

ف

منادی کرنے والے سے بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا ہے اور بعضوں نے جن میں امام جلال الدین سیوطی بھی ہیں قرآن مجید کو مراد لیا ہے پچھلی صورت قوی ہے۔ بلاشک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ایمان کی منادی کرنیوالے تھے مگر آپکا ظاہری تعلق صرف آپ کی حیات جسمانی تک تھا، اور وہ بھی قرآن کے ساتھ۔ اور قرآن مجید کا مسلمانوں سے ابدی تعلق ہے جو انشاء اللہ تعالےٰ اسی طرح قیامت تک باقی رہے گا اور قرآن قیامت تک اسلام کی منادی کرتا رہے گا۔

(۵۵)

اَلْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذَالِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ | یہ بڑی کامیابی ہے۔

ف

قرآن مجید کو بڑی کامیابی اس لئے کہا گیا کہ اُس کی پیروی کرنے سے انسان کو اپنے دنیاوی مقاصد میں بہت جلد اور عمدہ کامیابی ہو جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر بڑی کامیابی یہ ہے کہ مرنے کے بعد اُس دوسری ہستی میں آسایش ابدی ملتی ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ قرآن کے معنی میں دو جگہہ آیا ہے۔ ایک یہاں، دوسرے سورۃ الصافات میں۔

(۵٦)

اَلْحَدِيْثُ

بات

جیساکہ سورۃ النجم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ	تو کیا تم لوگ اس بات سے تعجب کرتے ہو اور (قیامت کا ذکر سنکر) ہنستے ہو اور تمکو رونا نہیں آتا

یہ لفظ قرآن میں بمعنی قرآن پانچ مقامات پر آیا ہے:۔

اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ

بہت اچھا کلام

جیساکہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔	اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ) کتاب اُتاری (جسکی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں (اور ایک ہی بات سمجھانے کیلئے) بار بار دہرائی گئی ہے (اس کتاب کی تاثیر یہ ہے کہ) جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اس کے سننے سے اُن کے بدن کانپ اُٹھتے ہیں پھر اُن کے جسم اور دل نرم ہو کر یادِ الٰہی کی طرف (راغب) ہو جاتے ہیں۔

ف

اللہ کا ذکر اور اوس کی عبادت جسمانی و روحانی دونوں طرح پر ہے۔ جسمانی عبادت جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ ارکان مفروضہ۔ روحانی عبادت وہ جو قلب و نفس سے متعلق ہے اس قرآن سے جلود و قلوب دونوں نرم ہو جاتے

ہیں یعنی بہ قلب شوق، قرآن سے متاثر ہونے والا، ذکر جسمانی و روحانی دونوں کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ چونکہ جسمانی میلان کے لئے نرمی ضرور ہے اس لحاظ سے تلین جلودھم فرمایا اور مقصد یہ ہے کہ اعضا، جوارح اور جلود کو جسمانی اذکار مثلاً، قعود، رکوع، سجود وغیرہ کا ادا کرنا فرط شوق کی وجہہ سے کچھ بار نہیں ہوتا۔

سچ تو یہ ہے کہ درحقیقت سمجھدار کے لئے قرآن مقدس ایسا ہی کلام موثر ہے کہ اسکو سنکر خود بخود طبیعت پگھل جاتی ہے۔ دل خدا کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور کچھہ دیر گویا سننے والا یا پڑھنے والا دنیا سے بالکل مستغنی ہو جاتا ہے۔

چنانچہ بروایات صحیحہ ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب قرآن پڑھا جاتا تو چاہے آپ کیسے ہی غصہ و غضب میں ہوتے فوراً نرم پڑ جاتے اور سارا غصہ کافور ہو جاتا اسی لئے قرآن کا لقب احسن الحدیث ہوا۔

قرآن مجید کی تاثیر کی بحث انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ بہت تفصیل کے ساتھ کیجائیگی

(۵۸)

بُرۡهَانٌ

حجت

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔	لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے حجت آ چکی۔

ف

قرآن خدا کی حجت ہے اور ایسی زبردست حجت ہے کہ تیرہ سو برس گذر گئے مگر

باوجود دنیا بھر کی سر توڑ کوششوں کے آجتک اس کا بطلان نہ ہوسکا اور نہ قیامت تک ہوسکیگا۔

یہ لفظ قرآن میں بہ صفت قرآن ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(۵۹)

نُورٌ مُّبِیْنٌ

جگمگاتا ہوا نور

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا	اور تمھاری طرف ہم جگمگاتا ہوا نور بھیج چکے ہیں

دوسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ	اللہ کی طرف سے تمھارے پاس نور اور کتاب روشن آچکی ہے۔

تیسری آیت سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗ	اور جو نور ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے اسکے پیچھے ہولئے۔

چوتھی آیت سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا	اے پیغمبر! تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ایمان (جانتے تھے) مگر ہم نے قرآن کو ایک روشنی بنا دیا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں اس کے ذریعہ سے رستہ دکھا دیتے ہیں۔

پانچویں آیت سورۃ التغابن میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا	تو (لوگو) اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور (نیز) اس روشنی (قرآن) پر جسکو ہم نے اتارا

ف

نور کے معنی روشنی۔ روشنی کا فائدہ یہ ہے کہ انسان اندھیرے میں اس کے ذریعہ سے سیدھا رستہ دیکھکر منزل مقصود تک پہونچے یا جو کام اندھیرے میں نہیں کرسکتا روشنی میں کرسکے۔

قرآن مجید کو روشنی اس واسطے کہا کہ وہ انسان کو کفر و بدعت کی تاریکی سے نکال کر ایمان و اخلاق کی روشنی میں پہونچاتا ہے اور گویا قرآن کی روشنی میں آخرت کا سیدھا رستہ جو انسان کی منزل مقصود ہے سوجھ پڑتا ہے اور اس لئے کہ قرآن کی روشنی میں انسان کو حرام و حلال اور خبیث و طیب کی پہچان ہوتی ہے۔

اندھیرا بالطبع انسان کو ناپسندیدہ ہے اور اس لئے فطرتاً ہر حیوان روشنی کو چاہتا ہے چونکہ انسان بالطبع برائی کو ناپسند اور بھلائی کو پسند کرتا ہے اس لئے ناپسندیدہ کو اندھیرا اور پسندیدہ کو روشنی کہنا مطابق مقتضائے عقل و فطرت ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں کفر و گمراہی کو ظلمات (اندھیرا) اور ایمان و ہدایت کو نور (روشنی) کہا گیا اور اسی وجہ سے قرآن مجید کو نُوْرٌ مُّبِيْنٌ (جگمگاتا ہوا نور) اور روشنی کا لقب دیا گیا کہ وہ بمنزلہ روشنی کے ہے جس میں انسان حرام کو حلال سے، باطل کو حق سے، ایمان کو شرک سے، اسلام کو کفر سے، ثواب کو عذاب سے، اور برائی کو بھلائی سے تمیز کرتا ہے

۶ صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

سیدھی راہ

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا اور ہر آئینہ یہ (قرآن) ہی ہمارا سیدھا رستہ ہے

فَاتَّبِعُوْهُ۔ تو اسی پر چلے چلو۔

دوسری آیت سورۃ المومنون میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ اور تم (اے پیغمبر!) بیشک ان کو سیدھے رستے

مُّسْتَقِيْمٍ۔ یعنی قرآن کی طرف بلاتے ہو۔

ف

مستقیم کے معنی ہیں "سیدھا ہمواری کے ساتھ" دیکھو خط مستقیم ایسے ہی خط کو کہتے ہیں جس میں یہ دونوں باتیں ہوں۔ مثلاً تلوار کی دھار ہے کہ اگرچہ وہ سیدھی ہے لیکن ناہمواری یعنی درمیانی انحنا کی وجہہ سے اس کو مستقیم نہیں کہہ سکتے۔

سیدھا ہموار رستہ جلد دکھائی دیتا ہے اور بہت سہولت کے ساتھ جلدی منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے۔ پس یہی حال قرآن مجید کا ہے جو اپنے پیرو کو سہولت کیساتھ منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے قرآن کا کوئی مسئلہ، کوئی تعلیم فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ نہ پیچیدہ ہے نہ خلاف عقل نہ ایسا مشکل کہ اس پر عمل ہی نہ ہو سکے۔ مثلاً عیسائیوں میں تثلیث کا مسئلہ ہے جسمیں یا ایک ذات اور دو صفت علم وحیات کے مانتے ہیں جن کو روح القدس اور یسوع کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اُن لوگوں کے مسئلہ جیسا ہے جو صفات باری کو عین باری مانتے ہیں یعنی ایک ذات اور متعدد صفات۔ یہاں تک تو عیسائیوں پر کوئی سخت الزام عائد نہیں ہوتا تھا لیکن غضب یہ کیا کہ ان دونوں صفتوں کو مجسم مان لیا اور مستقل بذاتہ جس سے تین ذوات ہو گئے اور یہ باطل محض ہے۔

دونوں صفتوں کو صفت مان کر اُن کا تعلق مجسم سے تسلیم کیا جا سکتا ہے لیکن علاوہ اس اشکال کے خود عیسائی اسکو نہیں مانتے اور اپنی نافہمی کی وجہہ سے ایک صریح البطلان

عقیدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔
اس کے مقابلہ میں توحید کا مسئلہ اسلام میں ایسا صاف ہے کہ ایک فلسفی اور ایک اُمّی دونوں اس کے سمجھنے میں بلا کسی خلجان کے برابر ہیں۔
موسوی شریعت کے احکام عشرہ جس کے، یہودی و نصرانی دونوں معتقد ہیں اُن میں کا ایک حکم یہ ہے کہ کل کے لئے ذخیرہ نکرو حالانکہ یہ ناممکن التعمیل ہے۔ اسکے مقابلہ میں قرآن کا یہ حکم ہے کہ "نہ تو ہاتھوں کو گلے کا ہار بناؤ اور نہ سب خرچ کر ڈالو کہ کل کے لئے کچھ باقی ہی نہ رہے" یہ تعلیم بالکل حکیمانہ ہے۔
اسی طرح انجیل کی یہ تعلیم کہ "اگر کوئی تمہارے ایک کلے پر مارے تو تم دوسرا کلہ بھی اس کے آگے کردو" بالکل ناممکن التعمیل ہے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کا یہ حکم کہ "برائی کا بدلہ ہے بُرائی اور اگر معاف کردو تو بہت بہتر ہے" بالکل منصفانہ اور حکیمانہ تعلیم ہے۔
اسی طرح یہودیوں کے یہاں عورتوں کو معمولی ایام کے زمانہ میں گھر سے باہر کردیا جاتا ہے گویا وہ اس درجہ نجس ہیں کہ انکا گھر میں رہنا بھی موجب نجاست ہے اور قریب قریب ایسا ہی حکم براہمہ ہنود اور مجوسیوں کے مذہب میں بھی ہے۔
ان کے مقابلہ میں قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں کی یہ خاص حالت ایک آزار ہے، اس کے نزدیک نہ جاؤ، اور اختلاط کو منع نہیں کیا۔
اصل یہ ہے کہ معمولی ایام میں قرار نطفہ ممکن نہیں ہے۔ اور تقرب کی صورت میں مردوں کے بیمار ہوجانے کا اندیشہ ہے بس ان مصالح سے مقاربت کی ممانعت کردیگئی اور ان کے سوا باقی امور جن میں کوئی قباحت نہیں ہے وہ علیٰ حالہ مباح رہے اور ایسا حکم سراسر درست و حکیمانہ ہے۔ توراۃ و انجیل میں ایسے بہت احکام ہیں جن کی تعمیل ناممکن ہے اور ان کے مقابلہ میں قرآن کے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ وہ نہ خلاف

عقل ہیں نہ باعث اذیت ہیں نہ ناممکن التعمیل ہیں یہ موقع اس بحث کی تفصیل کیلئے مناسب نہیں ہے جس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ أَمْرًا صراط مستقیم بصفت قرآن سات مقام پر آیا ہے۔

۶۱

نِعْمَتُ اللّٰہِ

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ۔	اور یاد کرو اللہ کی نعمت (قرآن) کو (جو تم پر اتاری گئی ہے)

دوسری آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

أَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ	تو کیا یہ لوگ خدا کی نعمت (یعنی قرآن کے کلام الٰہی ہونے سے) انکار کرتے ہیں۔

تیسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا۔	یہ لوگ خدا کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر جان بوجھکر اس (کے کلام الٰہی ہونے) سے انکار کرتے ہیں۔

ف

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ قرآن نہ صرف مسلمانوں کے حق میں بلکہ تمام عالم کے لئے رحمت اور نعمت الٰہی ہے۔ ہاں خصوصیت کے ساتھ اس لئے کہ ہم اس کے ماننے والے اور پیروی کرنے والے ہیں، ہم پر اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا، احسان ہے کہ ہمارا مذہب علمی اور عملی کل مشکلات سے آزاد ہے۔

نعمت اللہ بمعنی قرآن چھ مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۶۲)

بشارت دینے والا اور ڈرانے والا

جیساکہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ — تو تمہارے پاس خوشخبری سنانیوالا اور ڈرانیوالا آچکا

دوسری آیت سورۂ حٰمٓ السّجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا — یہ قرآن کتاب ہے جسکی باتیں زبان عربی میں سمجھدار لوگوں کیلئے تفصیل کے ساتھ بیان کردی گئی ہیں اور وہ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (ہے)

ف

بشیر کے معنی خوشخبری دینے والا اور نذیر کے معنی ڈرانے والا اور یہ دونوں لقب ہیں قرآن کے اس لئے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو فلاح دارین اور نعمائے جنت کی خوشخبری دیتا ہے اور منکروں اور کافروں کو عذاب جہنم سے ڈراتا ہے تا وہ لازوال نعمتوں کی خوشخبری سنکر صدق دل سے خدا کی طرف متوجہ ہوں۔ گناہوں سے توبہ کریں اور احکام الٰہی کو مضبوط پکڑیں۔ بشیر و نذیر قرآن میں ، دو جگہ ایک ساتھ اور صرف نذیر دو مقامات پر آیا ہے۔

(۶۳)

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ۔	مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس تک (پہونچنے) کے ذریعہ کی خواہش کرتے رہو۔

ف

خدا تک پہونچنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن مجید ہے۔ ہاں آج سے تیرہ سو برس پہلے ایک اور بھی وسیلہ تھا ناطق یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر آپ عالم اجسام سے اُٹھ گئے تو آپ کے اقوال و احادیث آپ کی قائم مقامی کرتے ہیں۔

(۶۴)

مُهَیْمِن (محافظ)

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ۔	اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمھاری طرف کتاب برحق اُتاری کہ جو کتابیں اُس کے (اُترنے کے وقت) پہلے سے (موجود) ہیں انکی تصدیق کرتی ہے اور انکی محافظ (بھی) ہے۔

ف

قرآن کو جو کتب سابقہ آسمانی کا محافظ فرمایا ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اُن کتابوں میں کسیطرح کے ردّ و بدل کو جائز نہیں رکھتا اور اسی لئے قرآن میں اہل کتاب پر تحریف کے بارہ میں بار بار سختی کے ساتھ الزام دیا گیا ہے۔

یہ فائدہ مولوی نذیر احمد مترجم دہلوی کا ہے مگر یہ کافی نہیں ہے اسلئے کہ جائز نہ رکھنے

سے محافظت پوری نہیں ہوتی۔ محافظت اسی وقت ہے جب اس میں تصرف نہ ہو اور جب اس میں تصرف ہوا یا تحریف ہوئی تو محافظت باطل ہوگئی۔

پس واضح ہو کہ لغت میں مُهَیمِن کے پانچ معنی ہیں۔

(۱) گواہ۔ (۲) نگاہبان (۳) آنکہ امین کند دیگرے را از ترس و بیم (۴) امین کہ حق کسے را ضائع نہ کند (۵) موتمن کہ بیم را دفع کند (منتہی الارب) قرآن ان تمام صفات کے اعتبار سے مہیمن کے لقب کا مستحق ہے لیکن اس مقام پر صرف معنیٰ اول و دوم لئے جاسکتے ہیں۔

اوّل گواہ۔ قرآن اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ زبور اور توریت اور انجیل منزل منہ اللہ اور آسمانی کتابیں ہیں جو حضرت داؤد، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں۔

دوسرے۔ نگہبان یا محافظ۔ قرآن اس امر کا محافظ ہے کہ موجودہ کتب آسمانی کتب آسمانی ہیں اور جب تک قرآن باقی ہے (قیامت تک) تصدیق کے ساتھ اسی طرح محافظت کرتا رہے گا۔ اندرونی تبدیلیاں اگر کچھ ہوں بھی تو وہ مانع تصدیق و محافظت نہیں ہیں۔ پھر اس کے علاوہ قرآن مجید نے، کتب سابقہ کے جن احکام کو لے لیا ہے ان کا وہ محافظ ہے منسوخ مسائل تو بہت قلیل ہیں وللاکثر حکم الکل۔

تیسرے، ترس و بیم سے امن میں رکھنے والا، تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید اپنے پیروی کرنے والوں کو عذاب اور ترس و بیم قیامت سے امین رکھتا ہے اور نہایت بلند آواز سے منادی کر رہا ہے کہ جو میرے دامن تلے آئیگا وہ بیم قیامت اور عذاب دوزخ سے مامون رہے گا۔

چوتھے امین۔ اور قرآن مجید کے امین ہونے میں کیا کلام ہے کہ وہ اپنی حسن

تعلیم سے دنیا بھر کے حقوق کو ضائع اور تلف ہونے سے بچانا چاہتا ہے یہاں تک کہ باطل معبودوں کو برا کہنے سے بھی اپنے پیروؤں کو منع کرتا ہے۔

پانچویں، مومن جو ڈر کو دفع کرے اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنے بیشک اللہ والے لوگوں کو کسی قسم کا خوف ہے نہ وہ کبھی آزردہ خاطر ہوں گے۔ مطلب یہ کہ پیروان قرآن کو عقبیٰ میں نہ کوئی ڈر ہوگا نہ کوئی غم ہوگا۔

یہ تین آخر الذکر معنی اس مقام پر آیت زیر بحث سے متعلق نہیں ہیں مگر صفت قرآن ہو سکتے ہیں۔ مومن کا لفظ قرآن کے معنی میں ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(۶۵)
رسالۃ

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ۔	اے پیغمبر! جو تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے (بلا کم وکاست) لوگوں کو پہونچا دو اور اگر تم نے (ایسا) نہیں کیا تو سمجھا جائیگا کہ تم نے خدا کا پیغام نہیں پہونچایا۔

ف

قرآن سر تا سر خدا کا پیغام ہے جو اس کے بندوں تک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہونچا ہے۔ یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ وارد ہوا ہے

(۶۶)
بصائر
دل کی بینائی

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	لوگو! یہ قرآن نشانیاں (بینائی دل) ہیں جو تمہارے پروردگار کی طرف سے اتری ہیں اور ایمان دار لوگوں کیلئے ہدایت و رحمت ہے

دوسری آیت سورۃ الجاثیہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ	یہ قرآن، لوگوں کیلئے سوجھ بوجھ کی باتوں کا مجموعہ ہے اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں اُن کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔

تیسری آیت سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانیاں تو تمہارے پاس آ ہی چکیں۔

ف

آنکھ کا نور، ادراک مرئیات کا ذریعہ اور دل کا نور ادراک معقولات کا ذریعہ ہے۔ نورِ چشم کو بصارت اور نورِ دل کو بصیرت کہتے ہیں اور کبھی بصیرت، بصارت کے معنی میں بھی آتی ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صاحبِ بصیرت قرآن میں تامل کرے تو درحقیقت وہی نورِ دل ہی جس سے معقولات اور دقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ یہ عام لوگوں کیلئے ہے مومنین اور موقنین کے لئے تو قرآن ہدایت و رحمت ہے۔

قرآن مجید میں یہ لفظ بمعنی قرآن تین مقامات پر وارد ہوا ہے۔

(۶۷)

صِدْق

سچائی

جیساکہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ	تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے خدا پر جھوٹ باندھا اور سچی بات (یعنی قرآن) جب اُس کے پاس آیا تو اُسکو جھٹلایا۔

ف

چونکہ قرآن مجید سچی باتوں کا مجموعہ ہے اور سچائی اختیار کرنے کے لئے اُس میں سخت احکام ہیں اس لئے اس کا لقب صدق ہو گیا۔
قرآن میں یہ لفظ دو ہی جگہ آیا ہے ایک وہ جو ابھی گذر چکا۔ دوسرے سورۃ الانعام میں

(۶۸)

عدلٌ

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے -

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا	اور تمھارے پروردگار کا ارشاد سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا ہوا۔

ف

قرآن مجید میں سیاست مدن کا مکمل اصول بتایا گیا ہے اور اس میں عدل و انصاف کے نہایت سخت احکام ہیں اس لئے عدل اسکا لقب قرار

پاگیا۔ یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(۶۹)

حُجَّۃٌ بَالِغَۃٌ

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ | اے پیغمبر ان سے کہو کہ تمہارے اور اللہ کی حجت غالب ہے۔

ف

بالغہ کے معنی ہیں انتہا کو پہونچنے والی اور حجت انتہا کو پہونچیگی تو کامل ہوگی اور بعد تکمیل حجت غلبہ مسلم ہے۔ یہ لفظ قرآن میں بصفت قرآن اسی ایک جگہہ آیا ہے۔

(۷۰)

بَیِّنَۃٌ

ثبوت یا شاہد

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَقَدْ جَاءَکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ۔ | تو اب تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی۔

ف

بلاشبہ قرآن مجید، خداوند حمید کے وجود اور اسکی توحید مطلق کا بدیہی ثبوت، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت پر برہان قاطع اور خود

اپنے منزل من اللہ ہونے کا واضح ثبوت اور بیّن دلیل ہے اور ایسی بیّن دلیل ہے کہ تیرہ سو برس سے آجتک اُس کا ایک شوشہ ایک حرف نہ بدل سکا نہ کسی سے جواب بن آیا اور انشاء اللہ تعالےٰ قیامت تک ایسا ہی رہے گا۔

یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ آیا ہے۔ ایک یہاں، دوسرے سورۂ ہود میں۔

(۱۷)

کَلَامُ اللہِ

جیساکہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ

اور (اے پیغمبر!) مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسکو پناہ دو یہاں تک کہ وہ (اطمینان سے) کلام الٰہی کو سُنے پھر اُسکو اُس کے امن کی جگہ واپس پہونچا دو۔

ف

مشہور و متفق علیہ تو یہی ہے کہ قرآن مجید اسوجہ سے کہ وہ خدا کا کلام ہے، کلام اللہ کے محترم لقب سے ممتاز ہوا مگر امام جلال الدین سیوطیؒ نے اسکے علاوہ ایک اور دلچسپ وجہ یہ لکھی ہے کہ ”کلام مشتق ہے کلم سے اور کلم کے معنی ہیں تاثیر کے اور چونکہ قرآن دلوں میں تاثیر اور کانوں میں نفوذ کرتا ہے اس لئے کلام اللہ کے لقب سے ملقب ہوا“ اب ہم ایک اس سے عمدہ وجہ یہ مستزاد کرتے ہیں کہ لغت میں کلام کے معنی ہیں وہ مفید بات چونکہ قرآن اللہ کی بات اور جن وانس کے لئے مفید ہے اسلئے کلام اللہ سے

ملقب ہوا۔ اگرچہ ہر کلام مفید ہی ہوتا ہے مگر یہاں مفید سے فرد کامل بکمال الافادۃ مراد ہے۔

(۷۲)

كَلِمَةُ اللهِ

جیساکہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَكَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا — اور (سدا) اللہ ہی کا بول بالا ہے۔

ف

اس کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ قرآن اللہ کا بول یعنی فرمودہ ہے اور اسکا بالا ہونا مشاہد ہے یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ آیا ہے۔

(۷۳)

حُكْمٌ عَرَبِيٌّ

عربی فرمان

جیساکہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

كَذَالِكَ اَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا — ایسا ہی ہمنے اسکو فرمان عربی اتارا ہے۔

(۷۴)

اَلْقَوْلُ

ارشاد

جیساکہ سورۃ المومنون میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَاْتِ اٰبَاءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔

کیا ان لوگوں نے (اس) ارشاد (یعنی قرآن) میں غور ہی نہیں کیا یا اُن کے پاس وہ بات آگئی جو اُن کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی۔

دوسری آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ۔

جو (ہمارے) ارشاد کو کان لگا کر سنتے ہیں اور اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت دی ہے

القول بمعنی قرآن پانچ مقامات پر آیا ہے:۔

(۷۵)

اَلْقَوْلُ الثَّابِتُ

پکّی بات

جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کو پکّی بات (یعنی قرآن) کی برکت سے اللہ دنیا اور آخرت میں بھی (ایمان پر) ثابت قدم رکھتا ہے

ف

قرآن پکی بات ہے یعنی اُس میں کہیں کسی قسم کی خامی نہیں ہے اور اُس نے جیسا اور جو کچھ فرمادیا ہے وہی حقیقۃً ہے اور ہوکر رہے گا۔

بعض علماء نے قول ثابت سے ایمان مراد لیا ہے اس وجہ سے کہ وہ دنیا و آخرت

میں انفع ہے اور اُسی پر قائم رہنا ضروری ہے۔

(۷۶)

بَلاغ

(اطلاعنامہ یا پیام)

جیسا کہ سورۂ ابراہیم کے آخر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ	یہ قرآن لوگوں کے لئے ایک پیام ہے۔

(۷۷)

مَثَانِیَ

جو بار بار دہرائی جائے

جیسا کہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ	اللہ نے بہت ہی اچھا کلام (یعنی یہ کتاب) اُتاری جسکی باتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں اور ایک ہی بات سمجھانے کیلئے بار بار دہرائی گئی ہے۔

دوسری آیت سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ۔	اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمکو سات آیتیں عطا فرمائیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں۔

ف

پہلی آیت میں قرآن کو بار بار دُہرایا جانا، یا تو اسواسطے کہا کہ وہ ہمیشہ بار بار پڑھا جاتا ہے

یا اس لئے فرمایا کہ ہر رمضان المبارک میں حافظ قرآن ، دہراتا ہے یا اس لئے کہا کہ ایک ہی بات قرآن مجید میں براوضاع مختلفہ مکرر سہ کرر کہی گئی ہے۔
دوسری آیت میں سات آیتوں سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے جو پنجوقتہ نماز کی ہر رکعت میں دُہرائی جاتی ہے۔

(۸)

اَمرُ اللّٰہِ

فرمان الٰہی

جیساکہ سورۃ الطلاق میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ذَالِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَيْكُمْ	(مسلمانوں!) یہ فرمان الٰہی ہے جو اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

یہ لفظ قرآن میں بمعنی قرآن دو جگہ آیا ہے ایک یہاں دوسرے ابتدائی سورۃ النحل میں۔

(۹)

تِبْيَانٌ

تمام صداقتوں کا بیان کرنیوالا

جیساکہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ	اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر (یہ) کتاب نازل کی ہے جو ہر چیز کا بیان کرنے والی ہے۔

یہ لفظ قرآن میں اسی ایک مقام پر آیا ہے۔

(۸۰)

لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ

خالص عربی زبان

جیسا کہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ — اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان ہے۔

ف

اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ قرآن شریف کی زبان، خالص عربی زبان ہے اس میں کسی دوسری زبان کا خلط نہیں ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے کیونکہ تمام قبائل عرب میں قبیلۂ قریش ہی کی زبان معتمد علیہ اور خالص عربی تھی۔

قرآن مجید میں معدودے چند الفاظ جو غیر عربی خیال کئے جاتے ہیں ہم اُن سب کو یہاں ایک جدول میں دکھاتے ہیں، بعد انکی تشریح کریں گے۔

آدم (۱)	ابراہیم (۲)	اسمٰعیل (۳)	اسحاق (۴)	اسرائیل (۵)	یعقوب (۶)
یوسف (۷)	داؤد (۸)	سلیمان (۹)	ادریس (۱۰)	الیاس (۱۱)	موسیٰ (۱۲)
ہارون (۱۳)	زکریا (۱۴)	عیسیٰ (۱۵)	ایوب (۱۶)	یونس (۱۷)	الیسع (۱۸)
لقمان (۱۹)	مریم (۲۰)	جبریل (۲۱)	میکال (۲۲)	ہاروت (۲۳)	ماروت (۲۴)

طالوت (۲۵)	جالوت (۲۶)	عمران (۲۷)	ابلیس (۲۸)	فرعون (۲۹)	آزر (۳۰)
ثمود (۳۱)	یاجوج (۳۲)	ماجوج (۳۳)	ہامان (۳۴)	قارون (۳۵)	ارم (۳۶)
منات (۳۷)	یغوث (۳۸)	یعوق (۳۹)	بابل (۴۰)	مکّۃ یا بکّۃ (۴۱)	مدین (۴۲)
مصر (۴۳)	جہنم (۴۴)	سندس (۴۵)	استبرق (۴۶)	یاقوت (۴۷)	مرجان (۴۸)
فردوس (۴۹)		سجیل (۵۰)		جزیہ (۵۱)	

قرآن بھر میں یہی کل (۵۱) الفاظ ہیں جن کو عجمی یا غیر عربی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن حقیقت ان کی یہ ہے کہ ان اکاون میں سے شروع کے (۱۸) الفاظ تو انبیا رعلیہم السلام کے اسمار گرامی ہیں۔ جبریل و میکال، دو فرشتوں کے دو علم ہیں۔ لقمان ایک مشہور حکیم کا نام ہے۔ مریم حضرت عیسٰی کی ماں کا نام ہے۔ تیئیس سے پینتیس تک تیرہ الفاظ مختلف لوگوں کے نام ہیں (۳۷) سے (۳۹) تک تین، خاص بتوں کے علم ہیں۔ چھتیسواں لفظ اور (۴۰) سے (۴۳) تک (بابل مکہ۔ مدین۔ مصر۔) پانچ شہروں کے پانچ نام ہیں۔

جہنم خالص عربی ہے جیسا کہ جمہور محققین کی رائے ہے اور اگر عجمی لفظ تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ بتانا چاہیئے کہ کس زبان کا لفظ ہے اور اسکی کافی سند پیش ہونی چاہیئے۔

اسماء و اعلام کا ایراد بجنسہ ضرور ہے اور اسکے اختلاط سے زبان پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ وہ مخل فصاحت ہے لہذا یہ (۴۴) الفاظ جو اسماء و اعلام ہیں اس بحث سے مطلقاً خارج ہو گئے۔

اب رہے سات کلمے۔

فردوس عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں باغ اور جنت الفردوس ایک خاص بہشت کا نام ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام اور صدیقین و شہداء کا مقام ہوگا بعض لوگونکا اسکو رومی یا ایرانی لفظ خیال کرنا غلط اور محض بے سند ہے۔

سجیل کو سنگ گل کا معرب کہا جاتا ہے جیسا کہ مولوی نذیر احمد دہلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ پر لکھا ہے اور ایسا ہی بعض اور لوگوں نے بھی خیال کیا ہے سجیل اور سنگ گل ۱۔ وضع لفظی میں مشابہ اور قریب المعنی ہیں اسی وجہ سے ایک گروہ کو سنگ گل کے معرب ہونے کا دھوکہ ہوا حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہے۔ سجیل خود عربی لفظ ہے جسکے معنی ہیں۔ کنکر پتھر کے اور بعض اہل تفسیر و لغت نے سجیل کو بمعنی سجل لکھا ہے۔ البتہ ایک اثر میں حضرت ابن عباس علیہ السلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہو سنگ گل۔ اولاً تو یہ اثر روایۃً صحیح ثابت نہیں۔ دوسرے عقلاً قابل اعتماد نہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ زبان فارسی نہیں جانتے تھے تیسرے اگر یہ روایت صحیح مان بھی لی جائے تو اسکے دو نو پہلو ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ سجیل کو سنگ گل کا معرب قرار دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ سجیل کا معنی سنگ گل ہے غرض اس سے کوئی تعیین نہیں ہو سکتی۔

جزیہ خالص عربی لفظ ہے۔ یہ نکلا ہے جزا سے جس کے معنی ہیں بدلہ اور عوض جزیہ اسلام میں وہ محصول یا ٹیکس ہے جو ذمی یعنی غیر مسلمان رعایا سے لیا جاتا ہے تا اُن کے جان و مال کی حفاظت کی جائے اور چونکہ یہ ٹیکس حفاظت جان و مال کا بدلہ ہے اس لئے جزئیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ کافۂ اہل اسلام ۲ جمہور اہل لغت

اور علمائے تحقیق کا اسی پر اتفاق ہے۔

اس زمانہ میں مولوی شبلی نعمانی نے اَلْجِزْیَہ ایک رسالہ لکھا ہے جس میں صاحب برہان قاطع کی تقلید میں جزیہ کو گزیت فارسی لفظ کا معرب بتایا ہے۔ اس دعوے پر چند کمزور دلیلیں بھی قائم کی ہیں جس سے دعوی ثابت نہیں ہوتا۔

غالباً اس احداث سے مقصود یہ ہوگا کہ جزیہ قدیم زمانہ کا ٹیکس ہے نہ ایجاد کردۂ اسلام لیکن جب عربی میں جزیہ کا ما بہ الاشتقاق اور اسکی کافی وجہ تسمیہ موجود ہے تو ہمکو خواہ مخواہ اس کے معرب بتانے کی کیا ضرورت ہے درحالیکہ اس پر کوئی بینہ بھی موجود نہیں ہے۔ چونکہ اس مبحث پر برادر محترم احمد معظم مد اللہ ظلہ کا ایک مستقل رسالہ ہے اسلئے زیادہ لکھنا ہم مقتضائے محل کے خلاف سمجھتے ہیں

سندوس و استبرق۔

ان دو لفظوں کے غیر عربی ہونے پر امام سیوطی نے بہت عمدہ بحث کی ہے ہم اس موقع پر صرف اس کا ترجمہ کر دینا، کافی سمجھتے ہیں۔"

کہا جاتا ہے کہ استبرق لفظ عربی نہیں ہے اور کلام عرب میں غیر عربی لفظ کا آنا بلاغت کے درجہ کو گھٹا دیتا ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اگر دنیا بھر کے فصحاء جمع ہوکر متفقہ کوشش کریں کہ اس لفظ کو جدا کرکے بجائے اس کے دوسرا لفظ لاجائیں تو ممکن نہیں ہے اور اگر ایسا کر بھی گزریں تو وہی ہوگا کہ زربفت میں ٹاٹ کا پیوند۔

اب دیکھو کہ جب اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوںکو اپنی اطاعت پر برانگیختہ کیا تو باعتبار فصاحت و بلاغت کے ضرور ہوا کہ برانگیختہ کرنیکے بعد عمدہ عمدہ انعامات کا وعدہ کرے اور سخت سخت عذابوں سے خوف دلائے پھر یہ اچھے وعدے اپنی چیزوں میں ہونے ضرور ہیں جو عقلاء کے نزدیک مرغوب ہیں اور وہ منحصر ہیں پانچ چیزوں میں

اوّل آراستہ اور پاکیزہ مکان۔ دوسرے مزیدار کھانے تیسرے خوش گوار شراب چوتھے بھڑکیلے کپڑے۔ پانچویں شہوانی لذتیں۔

عمدہ سے عمدہ اور مزیدار سے مزیدار کھانے پینے کی چیز گندی جگہ بیٹھکر کھائی جائے تو

کچھ لطف نہ آئیگا اس لئے اللہ تعالے نے مزیدار کھانے پینے کے وعدے کے ساتھ پاکیزہ جنات کا وعدہ بھی فرمایا۔ مکان کے بعد کپڑوں کا ہونا لازم ہے۔ دنیا میں ریشمی کپڑے سے عمدہ کوئی کپڑا نہیں ہے۔ سونا ضرور اس سے بہتر وگرانمایہ چیز ہے مگر وہ ایسی شے نہیں ہے جس سے کپڑا بنا جاسکے بلکہ سونے کے استعمال کی دوسری صورتیں ہیں غیر ریشمی کپڑوں میں وزن کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا۔ بہت سے ہلکے کپڑے بھاری کپڑوں سے عمدہ اور گراں بہا ہوتے ہیں۔ ریشم میں یہ بات کہاں؟ ریشمی لباس جتنا بھاری ہوگا۔ اتنا ہی گرانبہا اور بیش قیمت ہوگا۔

لہذا مزیدار اکل وشرب کے بعد ایسے ہی عمدہ کپڑوں کا وعدہ شایان فصاحت ٹھہرا جو بھاری اور بیش قیمت ہو۔

اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا تو اس بیش قیمت چیز کا اظہار وعدہ ایک لفظ میں کیا جائے جو اسی چیز کے لئے موضوع ہو یا متعدد لفظوں میں بیان کیا جائے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی چیز کو ایک ہی لفظ میں بیان کرنا بہت بڑی بلاغت اور قادر الکلامی ہے بہ نسبت اس کے کہ متعدد الفاظ میں صراحت کی جائے۔

تو اس بیان کے لئے استبرق کے سوا دوسرا کوئی لفظ نہیں ہے اسی لئے ہمارا دعوے ہے کہ کوئی بلیغ اور قادر الکلام اس لفظ کو چھوڑ کر دوسرا لفظ اسکا قائم مقام نہیں لاسکتا یہ نہیں لاسکتا۔

عرب میں نہ تو کوئی ریشمی کپڑا ہے نہ اس کے لئے عربی زبان میں کوئی لفظ موضوع ہے۔ استبرق سے اہل عرب واقف تھے۔ اس کا استعمال جانتے تھے۔ اپنے کلام میں اسکو برتتے تھے تو اگر ایسے لفظ کو جس سے اہل عرب اور عرب عرباء مانوس تھے اپنے اشعار وکلام میں بلاتکلف استعمال کرتے تھے جس کا نعم البدل

خود ان کے لٹریچر میں موجود نہ تھا اور وہ لفظ بھی عربی سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اپنے موقع اور بہترین نہج پر مطابق بلاغت استعمال کیا گیا تو یہ فصاحت کے خلاف ہوا، یا عین بلاغت۔ جو مضمون سطر کی سطر میں ادا ہوتا، اگر وہ ایک ہی لفظ میں ادا کر دیا گیا تو یہ قادر الکلامی کا ثبوت اور بلاغت کی دلیل ہے یا محل اعتراض ہے؟

حاصل یہ ہے کہ یہ لفظ زمانہ نامحدود سے عرب میں مستعمل ہو کر جزو زبان ہو چکا ہے۔

یاقوت اکثر لوگ اس کے معرب ہونے کے قائل ہیں لیکن عرب میں اس درجہ مستعمل تھا کہ اجنبیت باقی نہ رہی۔ تاہم یاقوت کی عجمیت مشتبہ ہے اور عنقریب ہم اس پر مشرح بحث کریں گے۔

مرجان ائمہ لغت کا ایک گروہ اسکو عربی بتاتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ملک عرب میں کسی قسم کے پتھروں کی کان نہیں پائی جاتی اس لئے جتنے جواہرات پتھر کے قسم سے ہیں ان کے لئے عربی میں کمتر الفاظ پائے جاتے ہیں لیکن مرجان و موتی دریا میں پیدا ہوتے ہیں چنانچہ علاوہ دوسرے دریاؤں کے بحر عمان سے موتی اور بحر احمر سے مرجان نکلتے ہیں۔

ایک دلچسپ بحث

قرآن مجید کی سورۃ الرحمن میں ارشاد ہوا ہے:۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ

اسی (اللہ) نے دو سمندر بنا نکالے کہ آپس میں ملتے ہیں (پھر بھی) دونوں کے بیچ میں ایک پردہ رہتا ہے کہ اس سے ایک دوسرے کی طرف بڑھ نہیں سکتے دونوں میں سے

وَالْمَرْجَانُ۔ موتی اور مونگے نکلتے ہیں ۔

دو سمندروں سے کونسی دو سمندریں مراد ہیں ؟ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں

پہلا قول :- بعض صوفیہ کا یہ ہے کہ دو سمندروں سے مراد ، انسان کی روح اور نفس ہے کہ روح اخلاق حسنہ کو چاہتی ہے اور نفس صفات ذمیمہ کی طرف مائل ہوتا ہے اور ان دونوں کے بیچ میں قلب ، برزخ (پردہ) ہے جو ایک کو دوسرے کی طرف بڑھنے نہیں دیتا اور موتی مونگے سے یہ مراد ہے کہ ان روح ونفس سے دو قسم کی چیز ، نیکی و برائی صادر ہوتی ہے ۔

یہ توجیہہ نہ صرف غیر صحیح بلکہ تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کی مصداق ہے۔

اوّلاً :- تو دو سمندروں سے روح ونفس مراد ہونے کے لئے کوئی قرینہ چاہئے جو اس مقام پر موجود نہیں اور جب تک کوئی پسندیدہ قرینہ نہ ہو ہر لفظ کا اطلاق اپنے حقیقی معنی پر ہوتا ہے اور ایسی صورت میں تاویل نادرست ہے ۔

دوسرا اس وجہ سے کہ اگر دو سمندروں سے روح ونفس اور برزخ سے قلب مراد لیا جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ برزخ قلب ، ان دونوں (روح ونفس) میں سے کسی ایک کو دوسرے پر بڑھنے نہیں دیتا حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے کیونکہ روح کبھی شہوانی ونفسانی خواہشوں سے مغلوب ہو جاتی ہے اور کبھی نفس کو اپنے تابع بنا لیتی ہے ۔

تیسرا اس وجہ سے کہ موتی اور مونگے سے نیکی و بدی کا مراد لینا عقلاً ونقلاً کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ نیکی و بدی میں سے نیکی ممدوح اور بدی مذموم ہے حالانکہ موتی و مونگا دونوں ممدوح چیزیں ہیں ۔

دوسرا قول :- بعض ظرافت پسند شیعہ کا ہے کہ دو سمندروں سے مراد جناب علی مرتضےٰ اور فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا ہیں ۔ ان دونوں کے بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم برزخ ہیں جو ایک کو دوسرے پر زیادتی نہیں کرنے دیتے اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما موتی و مونگے ہیں فقط یہ قول صرف ایک ظرافت کی شان رکھتا ہے۔

تیسرا قول:۔ یہ ہے کہ بحرین سے مراد بحر شور اور بحر شیریں ہے اور قدرت الٰہی ان دونوں کے درمیان میں برزخ ہے جو ایک کو دوسرے پر بڑھنے نہیں دیتی کہ شیریں پانی بحر شور میں ملکر اس کو میٹھا کر دے یا کھارا پانی میٹھے پانی سے ملکر اسکو کھارا بنا دے حالانکہ اختلاط مائین اسی کو چاہتا ہے۔

اس قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آیت میں بحرین کا لفظ ہے۔ بحرین کے معنی ہیں دو سمندر اور سمندر کا پانی کھارا ہوتا ہے نہ میٹھا اور اگر بحرین سے دو دریا مراد لیں تو دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے کھارا نہیں ہوتا مگر اس اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ بحرین سے نہ دو سمندر مراد ہیں نہ دو دریا بلکہ کھارے اور میٹھے دو قسم کے پانی اور اس صورت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

چوتھا قول:۔ یہ ہے کہ بحرین سے آسمان کا سمندر اور زمین کا سمندر مراد ہے کہ یہ دونوں سال میں ایک دفعہ مل جاتے ہیں مگر اس صورت میں "برزخ لا یبغیان" کا کوئی مفاد نہیں ہوگا بلکہ اس کی مخالفت ہوگی کیونکہ ہر ایک دوسرے پر بڑھتا ہے پھر اسکے علاوہ آسمان کے پانی یا ابر وغیرہ پر سمندر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

پانچواں قول:۔ یہ ہے کہ بحرین سے مراد بحر روم اور بحر ہند ہے اور ملک عرب برزخ ہے جو ان دونوں کے بیچ میں حائل ہے۔

چھٹواں قول:۔ یہ ہے کہ بحر روم اور بحر فارس بحرین (دو سمندر) ہیں اور ان کے درمیان میں جو خشکی یا جزائر ہیں وہ برزخ ہے جو ایک کو دوسرے پر بڑھنے نہیں دیتا۔

ساتواں قول:۔ ان چھ مذکورہ اقوال کے علاوہ ہم ایک لگتی ہوئی صاف وصریح بات عرض کرتے ہیں کہ:۔

جزیرہ نمائے یمن کی ایک جانب بحر قلزم یعنی بحر احمر ہے اور اس کے مقابل دوسری جانب بحر عمان ہے۔ یہ دونوں دریا، جزیرہ نما سے خارج ہو کر بحر ہند میں مل جاتے ہیں اور ان دونوں کے بیچ میں وہی جزیرہ نما خشکی یمن برزخ ہے جس سے یہ دونوں دریا تجاوز نہیں کرتے پھر بحر احمر سے مرجان اور بحر عمان سے موتی نکلتا ہے پس اب کوئی شک نہیں رہا کہ مرجان کا لفظ عربی ہے۔ تمام ممالک سے زیادہ، عرب میں مرجان مستعمل ہے اور اکثر زینت کے کاموں اور زیورات میں کام آتا ہے۔

سندس۔ یا استبرق یا جو الفاظ کہ قرآن مجید میں غیر عربی کہے جاتے ہیں، اگر وہ غریب یا خلاف محاورہ ہوتے تو کفار عرب کب خاموش بیٹھتے؟ حالانکہ ایسا نہیں ہوا بلکہ انھوں نے کلام اللہ کو اعلیٰ درجہ کا فصیح و بلیغ مانا اور ایسے اعلیٰ درجہ کا بلیغ مانا کہ سحر سے تعبیر کرنے لگے اور اس کے مثل لانے سے عجز کا اعتراف کیا۔

بات یہ ہے کہ ہر زبان میں جب ایسے اجنبی الفاظ مستعمل ہوں جن کو اس زبان والے عام طور پر نہ جانتے ہوں تو وہ ضرور عیب اور خلاف فصاحت ہے لیکن جب ایسے الفاظ مستعمل ہوں جو کسی زمانہ میں غیر زبان کے رہے ہوں مگر اس زبان میں منقول ہو کر جزو زبان ہو چکے ہوں تو وہ کچھ مخل فصاحت نہیں ہے اور اس کے خلاف قرآن کا دعویٰ ہی نہیں ہے۔ پس اگر دو چار الفاظ غیر زبان عرب کے جو منقول ہو کر جزو زبان ہو چکے ہیں غیر زبان کے ہوں بھی تو وہ قرآن کے قادح بلاغت نہیں ہیں نہ کسی دعوے کے منافی۔

(۸۱) قولِ ثقیل

بھاری حکم یا قول

جیسا کہ سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا | ہم تم پر عنقریب ایک بڑے بھاری حکم کا بوجھ ڈالنے والے ہیں

ف

قولاً ثقیلاً سے کیا مراد ہے؟ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ثقیل کے معنی ہیں "عظمت وجلالت میں بڑا اور نفع و ثواب میں بھاری ہے" قولِ ثقیل سے مراد ہے رات کی نماز اور کچھ شبہ نہیں کہ رات کی نماز و عبادت انسان کے لئے بڑی مشقت اور یہی مشقت کثرت ثواب کی باعث ہے۔ امام رازی کا مختار مذہب یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ قول ثقیل سے خود قرآن مجید مراد ہے اور ثقیل اس لحاظ سے فرمایا کہ اس میں اوامر و نواہی ہیں جن کا بجالانا امت محمدیہ پر عموماً اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصاً تکلیف اور محنت شاقہ ہے یا اس لئے کہ نزول وحی کا وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ثقیل ہوتا تھا حتیٰ کہ سخت جاڑا ہوتا تھا بھی تو نزول وحی کے وقت آپ پسینے پسینے ہو جاتے تھے۔

(۸۲) قیِّم

سیدھی بات

جیسا کہ سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَیِّمًا۔	ہر طرح کی تعریف خدا ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر قرآن کو اُتارا اور اس میں (کسی طرح کی) کجی (کوکسر) نہ لگی رکھی (بلکہ وہ) سیدھی بات ہے ۔

(۸۳)

تَذْکِرَۃٌ

جیسا کہ سورۃ الدھر میں ہے اور سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْکِرَۃٌ	بلاشک یہ (قرآن) بڑی نصیحت ہے ۔

تذکرہ بمعنی قرآن چھ مقامات پر وارد ہوا ہے ۔

(۸۴)

تَنْزِیْلٌ

جیسا کہ سورۃ الشعراء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	اور کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) پروردگار عالم کا اُتارا ہوا ہے ۔

یہ لفظ قرآن مجید میں تیرہ مقامات پر وارد ہوا ہے ۔

(۸۵)

وَحْیٌ

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

قُلْ إِنَّمَآ أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ	(اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ میں تو بس وحی یعنی قرآن کے بموجب تمکو ڈراتا ہوں۔

(۸۶)
احسن تفسیر

عمدہ توجیہہ

جیسا کہ سورۃ الفرقان میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا	اور یہ لوگ کیسی ہی بات تمھارے پاس سوچکر لائیں، ہم قرار واقعی جواب اور عمدہ توجیہہ (تفسیر) تمکو بتا دیتے ہیں۔

ف

یہ تفسیر و توجیہہ قرآن ہی میں ہے پس اسم الکل بالنسبتہ الی الجزء ہوگا۔ یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ ہے۔

(۸۷)
اِمامٌ مُبین

جیسا کہ سورہ یٰس میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ	اور ہم نے تو سب ہی چیزوں کو کتاب واضح یعنی لوح محفوظ میں قلمبند کر رکھا ہے۔

ف

لغت میں امام کے معنی پیشوا، اور شارع عام کے ہیں اور لوح محفوظ پر دونوں
باتیں صادق آتی ہیں کہ تمام واقعات گذشتہ اور آئندہ اُسی کے مطابق واقع
ہوئے اور ہونگے، گویا تمام دنیا ومافیہا اُسی پر چل رہی ہے اور اسکو واضح
اس لئے فرمایا کہ اُس میں سب باتیں وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں اور مراد
علم الٰہی بھی ہوسکتا ہے (حاشیہ مولوی نذیر احمد)

ف

اکثر لوگ، امام مبین سے لوح محفوظ مراد لیتے ہیں اور بعض لوگ جن میں ایک
امام سیوطی ہیں قرآن کریم مراد لیتے ہیں۔ پوری آیت یوں ہے:۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَنَکْتُبُ مَاقَدَّمُوْا وَاٰثَارَھُمْ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ	ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردونکو اور لکھ لیتے ہیں ان کے گذشتہ اعمال کو اور اُن کے نقوش پا کو اور تمام چیزونکو ہمنے محصور کر رکھا ہے لوح محفوظ میں

آیت میں قرآن مجید کا کچھ ذکر نہیں ہے نہ اس کے تمام اعمال و آثار قرآن
میں لکھے ہوئے ہیں بلکہ سیاق و مقام دونوں لوح محفوظ ہی کی تعیین کر رہے ہیں
امام وہ ہے جو اپنے رتبۂ عالی کی وجہہ سے سب کے آگے ہو اور سب لوگ اس کے
پیرو ہوں پیشوا بھی اسی کو کہتے ہیں۔

لوح محفوظ خواہ تختی ہو یا وہ علم الٰہی سے عبارت ہو، اس میں تمام کتب منزلہ اور دوسرے
سب امور داخل ہیں پس لامحالہ وہ سب سے عالی رتبہ ہوا، اور سب کتب اس کی
پیرو ھیں۔ اسی طرح ہر ایسے شخص کو جس کا رتبہ کسی فن میں عالی ہو امام کہتے ہیں۔
مثلاً امام النحو، امام المتکلمین۔ امام الفقہا، امام اللغتہ، امام الحدیث وغیرہ لوح
محفوظ میں قرآن داخل ہے، اور جب قرآن امام ہے تو لوح محفوظ بدرجہا اولی امام

ہوگا۔ آیت مذکورہ میں نہ قرآن کا کچھ ذکر ہے نہ قرآن میں نقوش قدم کا احصا ہے نہ موتی اور دوسرے حالات کا اس میں احصا ہے۔ قرائن اور ربط ما سبق و ما لحق لوح محفوظ ہی کی صراحت کو متعین کر رہے ہیں۔

کسی شی کی ایسی تعریف جو اس پر منطبق نہ ہو درحقیقت تعریف نہیں، ہمچو طبع ہے بعض علماء کی، یہ تعریف بھی ایسی ہی ہے کہ قرآن میں تمام دنیا کی چیزیں ہیں۔

اوّلاً:۔ اس وجہ سے کہ لوح محفوظ میں بھی تمام دنیا کی چیزیں ہیں اور قرآن لوح محفوظ کا جزو ہے پس کل اور جزو کا برابر ہونا لازم آتا ہے۔

ثانیاً:۔ اس وجہ سے کہ ہم کسی فلسفی یا معترض کی تسلی نہیں کر سکتے حساب، ہیات۔ اقلیدس، موسیقی، طبعیات، سائنس اور جر ثقیل وغیرہ قرآن میں کہاں ہیں؟ کسی فن کے مناسب اگر دو ایک لفظ آ بھی گئے تو اتنی بنیاد پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ تمام فن اس میں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہر فن کا اصل اصول قرآن میں ہے حالانکہ یہ غلط ہے تو اس امر کے تسلیم کر لینے کے بعد بھی دعویٰ غیر ثابت رہتا ہے کیونکہ جب اصل اصول بلا تفصیل فروع، ہوا تو اس سے ثابت ہوگا کہ قرآن میں سب چیزیں نہیں ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹے فن کے بھی تمام مسئلے قرآن میں نہیں ہیں۔ اس امر کو اب تک نہ کسی نے ثابت کر دکھایا نہ ثابت کر سکتا ہے پس ایسا بے بنیاد دعوےٰ جو باعث ریشخند اغیار ہو، سوائے سبکی اپنے اور اپنے مذہب کی سبکی کے کوئی نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا پھر اگر یہ کہا جائے کہ قرآن میں، ہے تو سب کچھ مگر ہمکو نہیں معلوم تو دعوےٰ بے معنی ہے۔

ان امور کے علاوہ، ایک قابل غور امر یہ بھی ہے کہ اگر قرآن میں تمام باتیں ہیں تو حدیث اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاُمُوۡرِ دُنۡیَاکُمۡ لغو ہو جاتی ہے کیونکہ جب سب کچھ ہے تو اس کو بھی ہونا چاہیئے یا یوں کہا جائے کہ رسول کو قرآن کا کما ینبغی علم نہ تھا

معاذ اللہ منہا۔ غرض ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ امام مبین سے لوح محفوظ ہی مراد ہے۔

(۸۸)

نبأ عظیم

بڑا واقعہ یا بڑی خبر

جیساکہ سورۂ ص میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ	(اے پیغمبران لوگوں سے) کہو کہ قرآن دکا نا ہونا بھی ایک بہت، بڑی بات ہے۔

دوسری آیت سورۃ النبا رمیں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ	یہ سب لوگ ایک دوسرے سے کس چیز کا حال دریافت کر رہے ہیں۔ اس بڑے حادثہ کا جس کے بارہ میں وہ مختلف ہیں۔

ف

امام سیوطی اور اور لوگوں نے بھی النباء العظیم سے قرآن کو مراد لیا ہے اور عامۂ مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔

پہلی آیت میں قرآن کا مراد لینا راجح ہے اس لئے کہ اگرچہ اس کے اوپر قیامت کا ذکر ہے مگر قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ تک ذکر قیامت ہو کر رسول مقبول صلعم کا ذکر شروع ہوا ہے۔

دوسری آیت میں نبا رعظیم سے قیامت ہی مراد ہے اس لئے کہ یہاں حساب قیامت ہی کا بیان ہے جسکو عم یتساءلون اور نبا رعظیم سے یعنی قیامت زیادہ

ربط ہے۔

یہ ثابت نہیں ہے کہ کفار عرب کو قرآن کے آسمانی ہونے میں فیما بین اختلاف تھا البتہ قیامت کے وقوع میں ضرور اختلاف تھا۔ تو نبا عظیم سے جب قیامت مراد ہو تو عظیم اس لئے کہ وہ دنیا کا بہت بڑا حادثہ ہے اور اگر قرآن مراد ہو تو عظیم اس لئے ا۔ قرآن کا اس دعوے کے ساتھ رسول عرب پر اترنا بہت بڑی بات ہے۔

یہ لفظ قرآن میں بہ صفت قرآن دو ہی جگہ ہے۔

(۸۹)

غَيْرَ ذِي عِوَجٍ

جیسا کہ سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ۔	(یہ) قرآن (صاف اور سلیس) عربی (زبان میں) ہے اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں ہے۔

ف

یہ، قرآن کا عجیب تصرف ہے کہ اہل عرب پر نازل ہوا جو اس کے نزول کے وقت تمدن اور اخلاق اور معتقدات کے اعتبار سے بلا مبالغہ چیونٹی بھرے ہوئے کباب تھے پھر قرآن کی تعلیم سے وہ ایسے ٹھیک ہوئے کہ ان سے سارے جہان نے تہذیب اور شائستگی اور ترقی کا سبق لیا۔ اسی لئے تو قرآن کو "غیر ذی عوج" کہا کہ اس میں ذرا بھی کجی، خامی اور پیچیدگی نہیں ہے یہ لفظ قرآن میں ایک ہی جگہ وارد ہوا ہے

(۹۰)

رُوحٌ

جان

جیساکہ سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اور (اے پیغمبر!) اسی طرح ہم نے وحی کے ذریعہ سے تمہارے پاس اپنے حکم سے (دین کی) جان بھیجی (یعنی یہ قرآن)

ف

مفسرین نے روح کے دو معنی لکھے ہیں۔ بعض نے روح القدس یعنی جبرئیل تو انہوں نے اوحینا کے معنی اَرْسَلْنَا کر دئیے ہیں کہ ہم نے اپنے حکم سے روح الامین یعنی جبریل کو تمہاری طرف بھیجا ہے بعض نے روح سے قرآن کو مراد لیا ہے کہ وہ دلوں کو زندہ کرتا ہے یا حیات ابدی کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہم نے اس معنی کا لحاظ کر کے " دین کی جان " ترجمہ کیا کہ دین جو لوگوں کے اختلافات اور تصرفات سے گویا مردہ ہو گیا تھا قرآن نے اس میں از سر نو روح پھونک دی۔

یہ فائدہ مولوی نذیر احمد دہلوی کا ہے

ہم کہتے ہیں کہ جن مفسرین نے اس آیت میں روح کو جبرئیل کے معنی میں لیا ہے انہوں نے اوحینا کو ارسلنا کے معنی میں کر دیا ہے مجازاً و تجریداً، اور یہ کمزور صورت ہے۔ قرآن پر روح کا اطلاق کئی وجہہ سے موزوں ہے۔

(۱) روح جوہر مجرد غیر فانی ہے اور قرآن کلام اللہ ہونے کی حیثیت سے

صفت باری اور قدیم غیر فانی ہے۔

(۲) روح انسان کے لئے باعث حیات ہے اور قرآن اپنے متمسک پیرو کے لئے باعث حیات روحانی ہے۔

(۳) روح ، تزکیہ کے بعد باعث ارتقاء مدارج عالیہ ہے اور قرآن بحالت تدبیر باعث تقرب بارگاہ یزدانی ہے۔

(۴) روح ارباب معرفت باعث حیات ابدی ہے اور قرآن اپنے متبعین کے لئے ذریعۂ حیات جاودانی ہے۔

(۵) حضرت سرور کائنات صلعم کی بعثت سے پہلے دین حنیفی ، اختلافات اور تصرفات بیجا کی وجہ سے گویا مردہ ہو گیا تھا۔ جس کو قرآن نے از سر نو زندہ کیا۔

(۹۱)
عَلِیٌّ حَکِیْمٌ

ذی وقار پر حکمت

جیسا کہ سورۃ الزخرف میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَاِنَّهٗ فِیْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَكِیْمٌ	اور بیشک یہ (قرآن) ہمارے پاس اصل کتاب میں (موجود اور) بڑے پایہ کی حکمت والی کتاب ہے۔

یہ دونوں صفتیں قرآن کی ایک ہی جگہ ہیں۔

(۹۲)
دَاعِیَ اللہِ

جیساکہ سورۃ الاحقاف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

یَا قَوْمَنَا اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللہِ۔	بھائیو! (یہ قرآن) خدا کی طرف بلانے والے کی بات مانو۔

ف

یہ جنات کا مقولہ (نقل کیا گیا) ہے۔ ایک روز وہ قرآن سنکر اپنی قوم میں گئے اور اُن سے کہنے لگے کہ ہم نے (قرآن) ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوی ہے۔ وہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے سچی بات اور سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے تم سب لوگ اسکو مانو۔

(۹۳)
وَحْیٌ یُّوْحیٰ

جیساکہ سورۃ النجم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ	(بلکہ محمدؐ جو) یہ (قرآن پڑہ کر سناتے ہیں) وحی (آسمانی) ہے جو اُن پر نازل ہوتی ہے۔

یہ نام ایک ہی مقام پر وارد ہوا ہے۔

(۹۴)
قَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ

جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ۔	یہ (قرآن) بلا شبہ کلام (الٰہی) ہے جو ایک معزز فرشتے کا (لایا ہوا) ہے اور کسی شاعر کی بات نہیں۔

دوسری آیت سورۃ التکویر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ	بیشک یہ (قرآن) معزز فرشتہ (جبریل) کا (پہونچایا ہوا) پیام ہے جو قوت والا ہے (اور) مالک عرش کے نزدیک اسکا بڑا درجہ ہے وہاں (فرشتوں کا) مانا ہوا امانت دار ہے۔

ف

دونوں آیتوں میں رسول کریم کا لفظ واقع ہوا ہے۔ پہلی آیت میں دوسری توجیہہ ہوسکتی ہے مگر دوسری آیت میں رسول کریم سے سوائے جبریل کے دوسری کوئی مراد نہیں لیجا سکتی۔

قَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کے معنی ہیں" معزز قاصد کا قول یعنی قرآن معزز قاصد کا قول ہے اور وہ معزز قاصد ہیں حضرت جبرئیلؑ تو معنی یہ ہوئے کہ قرآن معزز فرشتے جبرئیلؑ کا مقولہ یا کلام ہے۔ جبرئیلؑ کا کلام ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُن کا پہونچایا ہوا ہے اور یہ کہ ہمارے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کی زبان سے قرآن سنا اور جبرئیلؑ کے امانت دار ہونے کا مقصود یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کو بعینہ اسی طرح پیغمبر اسلام تک پہونچاتے ہیں جتنا ان کو دربار ایزدی سے ملتا ہے یا جس قدر پہونچانے کا حکم ہوتا ہے وہ اپنی

طرف سے کچھ کمی بیشی نہیں کر لے تا کر سکتے۔ یہ فرشتہ یعنی جبرئیلؑ قوت والا ہے
بہ چشم زدن میں وحی کو جو گراں بار چیز ہے رسول تک پہونچا دیتا ہے اور
مالک عرش یعنی خداوند کریم کے پاس اس کا بڑا درجہ ہے جو ایسے بڑے کام
پر مامور ہے اور دوسرے تمام فرشتے اس کے زیر فرمان ہیں۔

(۹۴)
حَسۡرَةٌ عَلَى الۡكَافِرِيۡنَ

کافروں کیلئے حسرت

جیسا کہ سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِنَّهٗ لَحَسۡرَةٌ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ	اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ (قرآن) کافروں کیلئے (موجب) حسرت ہے۔

ف

موجب حسرت سے یہ مراد ہے کہ آخرت میں کافروں کو بڑا افسوس ہوگا کہ
ہائے دنیا میں ہم نے قرآن پر عمل کیوں نہ کیا۔

(۹۵)
حَقُّ الۡيَقِيۡنِ

یقیناً برحق

جیسا کہ اسی سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡيَقِيۡنِ	اور اس میں بھی شک نہیں کہ یہ (قرآن)

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔	یقیناً یہ حق ہے تو اپنے پروردگار عالی شان کے نام کی تسبیح میں لگے رہو۔

شَاہِدٌ وَمَشْہُوْدٌ

گواہ اور جس کی گواہی دیجائے

جیساکہ سورۃ البروج میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ	آسمان کی قسم جس میں برج ہیں اور اس دن کی قسم کا وعدہ ہے (یعنی روز قیامت) اور گواہ کی قسم اور جس کے مقابلہ میں گواہی دیجائے اسکی قسم

ف

امام قفال رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شاہد کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے۔ ایک وہ جس سے دعاوی وحقوق ثابت کئے جاتے ہیں۔ دوسرے وہ جو حاضر ہو۔ شاہد ومشہود سے کیا مراد ہے؟ اس میں علمائے مفسرین کے بہت سے مختلف اقوال ہیں۔

پہلا قول:۔ یہ ہے کہ مشہود سے مراد قیامت اور شاہد سے مراد وہ سب نفوس جو اس روز حاضر ہونگے۔ ابن عباس رضا ورضحاک سے ایسا ہی روایت کیا گیا ہے۔

دوسرا قول:۔ یہ کہ روز جمعہ مشہود اور نماز جمعہ میں حاضر ہونے والے لوگ شاہد ہیں۔ یہ روایت ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے ہے۔

تیسرا قول:- یہ کہ یوم عرفہ مشہود اور حجاج جو اس روز جمع ہوتے ہیں شاہد ہیں
چوتھا قول:- یہ ہے کہ مشہود سے مراد یوم النحر ہے اور شاہد سے مراد وہ لوگ جو منیٰ اور مزدلفہ میں حج کی قربانی کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں
پانچواں قول:- یہ ہے کہ مشہود سے مراد یوم جمعہ، عرفہ اور یوم النحر تینوں ہیں اور شاہد وہ سب مسلمان جو ان روزوں میں جمع ہوں۔
چھٹواں قول:- یہ ہے کہ مشہود سے ہر وہ بڑا دن مراد ہے جسمیں لوگ کثرت سے جمع ہوں اور جمع ہونے والے لوگ شاہد ہیں اور اسی نسبت سے قیامت کو بھی مشہود کہا کہ وہ سب سے بڑا دن ہوگا۔
ساتواں قول:- یہ ہے کہ شاہد خود اللہ تعالےٰ ہے اور مشہود سے مراد توحید ہے۔
آٹھواں قول:- یہ ہے کہ شاہد سے مراد محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مشہود سے مراد تمام انبیاء۔
نواں قول:- یہ ہے کہ شاہد سے مراد انبیاء اور مشہود سے مراد اُن کی اُمتیں۔
دسواں قول:- یہ ہے کہ شاہد سے مراد تمام ممکنات و محدثات ہیں اور مشہود سے مراد واجب الوجود کیونکہ قائلین وجود باری کے نزدیک، یہ ممکنات و محدثات ہی واجب الوجود کی ذات پر گواہی دیتے ہیں۔
گیارھواں قول:- یہ ہے کہ شاہد سے مراد ملک اور مشہود سے مراد مکلفین۔
بارھواں قول:- یہ ہے کہ شاہد سے مراد ملک اور مشہود سے مراد انسان ہے جس کے اعضاء قیامت میں گواہی دینگے۔

پہلے چھ قول تک شاہد بمعنی حاضر ہے اور ساتویں سے بارہویں قول تک شاہد بیّنہ کے معنی میں ہے۔

تیرھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد یوم جمعہ اور مشہود سے مراد یوم عرفہ ہے۔

چودھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد یوم عرفہ اور مشہود سے مراد یوم النحر ہے۔

پندرھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد حضرت عیسیٰؑ اور مشہود سے مراد ا لوگ۔

سولھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد خود اللہ تعالیٰ اور مشہود روز قیامت ہے

سترھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد انسان اور مشہود ما توحید ہے

اٹھارھواں قول:۔ یہ ہے کہ شاہد سے مراد انسان اور مشہود سے مراد روز قیامت ہے۔

اٹھارہ مختلف گروہوں کے یہ مختلف مذاہب ہیں اور ہر جماعت نے اپنے قول پر عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے ہم نے نظر انداز کر دیا۔

تحقیق

شاہد و مشہود سے کیا مراد ہے! اس بارہ میں قرآن و حدیث سے کوئی قطعی ثبوت نہیں ملتا اور علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

ہماری دانست میں شاہد سے مراد خود قرآن مجید اور مشہود سے مراد کتب سابقہ

آسمانی قرآن اس امر کا شاہد ہے کہ توریت، انجیل اور زبور سب منزل من اللہ ہیں جیسا کہ قرآن کی اکثر آیتوں میں مصرح ہے اور اس کتاب کے گذشتہ صفحوں میں کئی جگہ گذر چکا ہے قرآن کی شہادت ہے کہ محمد مصطفےٰ صلعم رسول برحق ہیں پس قرآن شاہد اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہود ہوئے۔
اگر یہ کہا جائے کہ قرآن اپنے اعجاز بلاغت کی رو سے خود اپنے کلام ربانی ہونے پر شاہد ہے تو خود قرآن شاہد اور خود ہی مشہود ہے۔ اور یہی توجیہ ہمارے نزدیک بہترین توجیہہ ہے۔

(۹۷) قولٌ فصلٌ

قطعی بات

جیساکہ سورۃ الطارق میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ	بیشک قرآن ایک بات قطعی ہے اور وہ کچھ سرسری دبے بنیاد بات نہیں ہے

ف

مطلب یہ ہے کہ قرآن ایک قطعی اور حکیمانہ بات ہے جس نے نازل ہوتے ہی حق و باطل کا فیصلہ کر دیا اور وہ حکمت سے بھرا ہوا قول ہے، ہزل یعنی ہنسی ٹھٹھا اور چھچھورپن کی بات نہیں ہے یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہ ہے۔

(۹۸) حُسنیٰ

اچھی بات

جیسا کہ سورۃ اللیل میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ‎ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ‎ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ‎	اور جس نے (راہ خدا میں) دینے سے انکار کیا اور (آخرت کی) پروا نگی اور عمدہ بات (قرآن) کو جھٹلایا تو ہم تکلیف کی جگہ یعنی دوزخ اس کیلئے آسان کر دینگے۔

ف

قرآن کے "عمدہ بات" ہونے میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؟ یہ لفظ بمعنی قرآن ایک ہی جگہہ ہے۔

(۹۹)

صُحُفٌ مُّطَهَّرَةٌ

مقدس یا پاکیزہ اوراق

جیسا کہ سورۃ البینہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنْفَكِّينَ حَتّٰى تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِنَ اللّٰهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ	جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے (دین اسلام کو) نہیں مانتے وہ بے اسکے ٹوٹلنے والے تھے نہیں کہ انکو کوئی کھلی ہوئی دلیل پہونچے (اور دلیل یہی تھی کہ) خدا کی طرف سے کوئی پیغمبر آئے اور کلام الٰہی کے (مقدس اوراق پڑھ کر سنائے جن میں پکی (اور معقول) باتیں لکھی ہوں۔

ف

مطلب یہ ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے بھیجنے کی ضرورت یوں واقع ہوئی کہ اہل کتاب اور مشرکین کو ان کی غلطیوں پر آگاہ کیا جائے کیونکہ وہ بے رسول کے سمجھائے اور کسی تدبیر سے راہ راست پر آ نہیں سکتے تھے۔

صُحُفٌ، صحیفہ کی جمع ہے اور صحیفہ کے معنی، ہیں ظرف مکتوب یعنی وہ چیز جس پر لکھا ہو قرآن کو صحف، بلفظ جمع یا تو اوراق کے لحاظ سے فرمایا، یا سورتوں کے لحاظ سے۔ اور مطہرۃ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو باطل سے خالی ہونا پس ظاہر ہے کہ قرآن خود اباطیل کے مٹانے کے لئے نازل ہوا، تو اس میں باطل کا شائبہ بھی کیسے ہونا ممکن ہے ؟ دوسرے امر قبیح کا نہ ہونا یعنی قرآن ذکر قبیح سے پاک و مطہر ہے۔

مُطَهَّرَةً اگرچہ ظاہر میں صحف کی صفت معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت وہ صفت ہے اس چیز کی جو صحف کے اندر مکتوب ہیں۔

صحف مطہرۃ ۔ یعنی قرآن ایک ہی جگہ ہے۔

(۱) کوثر

خیر کثیر

جیسا کہ سورۃ الکوثر میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ	(اے پیغمبر!) ہم نے تمکو بڑی خیر و برکت یعنی کتاب قرآن) دی ہے تو اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

ف

اس امر میں بھی بین العلماء بہت اختلافات ہیں کہ کوثر سے مراد کیا ہے ؟

ایک قول :۔ جو سلف و خلف میں بہت مشہور رہا ہے یہ ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے جو قیامت میں رسول اللہ صلعم کو ملیگی اور اس کے پانی سے امت محمدیہ سیراب ہوگی احادیث میں وارد ہے کہ اس نہر کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد ہوگا۔

دوسرا قول :۔ یہ ہے کہ کوثر نہر نہیں ہے بلکہ ایک حوض کا نام ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کریگا۔ درحقیقت یہ دونوں قول بالمعنی متحد ہیں اور عامہ مفسرین کا یہی مسلک ہے۔

تیسرا قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے آل رسول کی کثرت مراد ہے جو ایک مشاہدہ امر ہے

چوتھا قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے علمائے امت مراد ہیں اور اسکی تائید میں وہ حدیث پیش کیجاتی ہے۔ جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔

پانچواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے آپ کی نبوت مراد ہے جسکا خیر کثیر ہونا محتاج دلیل نہیں ہے۔

چھٹواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے خود مذہب اسلام مراد ہے۔

ساتواں قول :۔ یہ ہے کہ آپ کے اتباع اور پیروؤں کی کثرت مراد ہے

آٹھواں قول :۔ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کثیرہ مراد ہیں۔

نواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے آپ کا علو مرتبت اور رفع ذکر مراد ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔

دسواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے مراد علم ہے۔

گیارھواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے رسولؐ کی غایت خوش اخلاقی مراد ہے۔
بارھواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے مقام محمود اور رسولؐ کی شفاعت مراد ہے
تیرھواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے خود یہی سورۂ کوثر مراد ہے کیونکہ باوجود اسکے کہ وہ قرآن کی تمام سورتوں میں چھوٹی سورت ہے فصحاء عرب اس کی ایسی ایک سورت بھی نہ بنا سکے۔ اور اپنے عجز کا اعتراف کیا۔ اس کے علاوہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں ثابت کیا ہے کہ یہ سورہ ، باوجود ، اقصر السور ہونے کے تمام دینی و دنیاوی فوائد کو شامل ہے۔
چودھواں قول :۔ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے یہ ہے کہ کوثر سے وہ سب نعمتیں مقصود ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عنایت فرمائی گئیں۔
پندرھواں قول :۔ یہ ہے کہ کوثر سے قرآن مجید مراد ہے اور یہی سب سے صحیح مذھب ہے۔ کیونکہ قرآن میں دنیا و آخرت کی ساری خیر و برکتیں جمع ہیں اور اس معنی کی تائید اسطرح بھی ہوتی ہے کہ عطائے کوثر کے بعد ہی بلا تعویق اللہ تعالےٰ ، رسول اللہ صلعم کو نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیتا ہے ، جو قرآن مجید میں تمام احکام سے زیادہ مہتم بالشان بتائے گئے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے تمکو بڑی خیر و برکت کی کتاب عنایت کی ہے تم اسکے شکریہ میں نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

قرآن کے کلام اللہ ہونیکے ثبوت

قرآن مجید کے اسماء و صفات کی تفصیلی بحث ختم ہو چکی تو اب ہم اپنا وعدہ پورا

کرنے کی کوشش کرتے ہیں ونسئل اللہ التوفیق وبہٖ نستعین۔

ہم اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا بھر کی ہدایت کے لئے نازل ہوا۔ پس جس نے اس مبارک کلام الٰہی کی تصدیق کی اور اس کے اوامر ونواہی پر کاربند ہوا، اس نے بلاشک نجات پائی اور وہ دنیا وآخرت دونوں جگہ کامیاب ہوا۔
جس نے قرآن کو کلام الٰہی باور نہ کیا اور اسکی تکذیب کی، اس کیلئے نجات کے تمام راستے مسدود ہوگئے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ
ہم مسلمانوں کا یہ محض عقیدہ ہی نہیں ہے بلکہ اس پر ایسی روشن دلیلیں قائم ہیں کہ ہر حق جو، سلیم الفطرت کے قلب کو خواستہ وناخواستہ اسکے تسلیم پہ مجبور کردیتی ہیں اگرچہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں اور رسالے لکھے گئے ہیں۔ لیکن چونکہ اُن کی زبانیں اور مناہج مختلف ہیں اس لئے عام طور پر نفع بخش نہیں ہیں۔ بناءً علیہ یہ مناسب خیال کیا گیا کہ اردو میں ایک ایسی جامع کتاب تیار کی جائے جو تمام اگلے دلائل کو شامل ہو۔ اور ان دلائل کے ساتھ ایسے جدید وقیمتی فوائد منضم کردئے جائیں جن کے پڑھنے اور سمجھ لینے کے بعد پھر کسی حق جو اور انصاف پسند طبیعت کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں انکار کی گنجایش نہ رہے۔
اب ہم اپنے دعوے کے تمام دلائل کو نمبروار لکھنا شروع کرتے ہیں اور اللہ کریم سے توفیق نیک طلب کرتے ہیں اور اس کی مقدس بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ وہ اس کام کو بخیر وخوبی انجام تک پہونچائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرمائے رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔

قرآن کے کلام اللہ ہونیکا

پہلا ثبوت

اسکی پیشنگوئیاں

پہلا مقدمہ

منجم کا سب قول سچا نہیں

دنیا میں کوئی ایسا منجم پیدا نہیں ہوا جس کی تمام پیشنگوئیاں صحیح اُتری ہوں کبھی ایسے منجم یا پنڈت یا رمال کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جس نے دعوے کے ساتھ چند پیشنگوئیاں کی ہوں اور وہ سب یا اُن میں کی اکثر یا بعض صحیح ثابت ہوئی ہوں۔ آجتک کوئی ایسا پیشنگوئی کرنے والا ظاہر نہیں ہوا جسکو اپنی پیشنگوئی کی صحت پر یقینی بھروسہ رہا ہو اور جو من جمیع الوجوہ ٹھیک اتری ہو۔

ہم اس زمانہ میں بھی مشاہدہ کرلیتے ہیں کہ اکثر مشہور و مستند ماہرین فن پیشنگوئیاں کرتے رہتے ہیں مگر باوجود اس کے کہ ان کے ساتھ قرائن بھی شامل رہتے ہیں شاذ و نادر ہی کوئی بات من وجہ صحیح اُترتی ہے۔

نجوم۔ رمل۔ جفر۔ کہانت اور اس قسم کے تمام علوم کی صحت پر نہ کوئی عقلی دلیل قائم ہے اور نہ ایسی نقلی دلیل جس کا تعلق کتب مسلمہ آسمانی سے ہو اسکے علاوہ، اسلام، ان علوم کی مذمت کرتا اور ایسے علوم والوں کو جھوٹا کہتا ہے جن کے ذریعہ سے لوگ کچھ آئندہ حالات بیان کیا کرتے ہیں اسلئے کہ اُن کی

اکثر باتیں جھوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ سو میں دو ایک باتوں کے صحیح اترنے سے صحت لازم نہیں آتی۔

دوسرا مقدمہ

رسولخدا صلعم اُمی تھے

قرآن مجید ناطق ہے اور تواریخ شاہد ہیں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی محض یعنی بالکل ناخواندہ تھے۔ اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں صراحت کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے۔

پہلی آیت۔ سورۃ الجمعہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرمایا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیِّیْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ۔

وہ خدا ہی تو ہے جس نے (عرب کے) جاہلوں میں اُن ہی میں سے (محمد کو) پیغمبر (بناکر بھیجا کہ وہ) انکو خدا کی آیتیں پڑھکر سناتے ہیں۔

دوسری آیت۔ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِیْلِ

(ان سے ہماری مراد اہل کتاب ہے) جو ہمارے اِن رسول یعنی نبی امی (محمدؐ) کی پیروی کرتے ہیں جن کی بشارت کو اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

تیسری آیت۔ سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ کِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ

اور اے پیغمبر! قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ تمکو اپنے ہاتھ سے

بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ — لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بدین خواہی نخواہی شبہ کرتے۔

یہ تو قرآن کا منصوص ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی محض تھے اور لکھنا پڑھنا کچھ نہیں جانتے تھے۔ لیکن مخالفین اور منکرین اسلام کے لئے پھر بھی شبہ کی کافی جگہ باقی ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کو غیر صحیح کہینگے۔ رہی یہ بات کہ تواریخ میں آپ کو اُمّی محض کہا گیا ہے تو اس میں یہ کہنے کی گنجایش ہے کہ تواریخ بھی مسلمانوں ہی نے مرتب کی۔

ان شبہات کا جواب یہ ہے کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی نہیں تھے بلکہ پڑھے لکھے تھے، تو خیر، قرآن نے تو غلط کہا اور مسلمانوں نے قرآن کو منجانب اللہ اور کلام باری ثابت کرنے کے لئے، اپنے پیغمبر کو اُمّی محض لکھدیا، مگر یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کو کیا ہوا تھا کہ باوجود اتنی سخت مخالفت اور تکذیب رسالت و اعجاز کے اپنے مکاتیب میں اس کے متعلق ایک حرف نہ لکھا۔ اگر رسولؐ خدا، امی نہ ہوتے تو یہ مخالفین ضرور لکھتے کہ قرآن اور مسلمان دونوں جھوٹے ہیں اور محمد (صلعم) امی نہیں ہیں۔ حالانکہ قرآن کے اس دعوے کے خلاف گروہ مخالف کا ایک لفظ بھی پیش نہیں کیا جاسکتا۔ پس اس سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سچا ہے اور پیغمبر عرب بلاشک تعلیم یافتہ نہیں تھے آپ اگرچہ اپنی مادری زبان کے لٹریچر میں فصاحت و بلاغت کے بالاتر درجہ پر تھے مگر علوم و فنون میں آپ نے لکھنے پڑھنے کی بھی تعلیم نہیں پائی تھی نہ لکھنا پڑھنا مطلقاً جانتے تھے۔

آپ ملک عرب میں اس وقت پیدا ہوئے جب شائستگی نام کو نہ تھی۔ جہالت کی گرم بازاری تھی اور بڑے سے بڑی بیحیائی کا ارتکاب فخریہ کیا جاتا تھا۔ غرض اُس وقت ملک عرب میں ناقابل بیان تاریکی چھائی ہوئی تھی جس سے تاریخ کی کتابیں لبریز ہیں

جب ملک میں علم وفن کا چرچا ہی نہیں تھا اور سب امی صفت تھے اور حضرت سرور کائنات سوائے چند روزہ تجارت کے اپنے وطن سے باہر ہی تشریف نہیں لے گئے تو آپکا تعلیم پانا کیونکر قیاس میں آسکتا ہے۔ تعلیم ایسی چیز نہیں ہے جو قوم سے چھپی رہے۔

بہرحال تاریخ سے اور نیز مخالفین کے مکتوبات سے یقینی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہرگز کسی سے تعلیم نہیں پائی تھی۔ چند مسیحی متعصب مورخین نے بہت کچھ کوشش کی، کہ آپ کا تعلیم پانا ثابت کریں لیکن اُن کو اپنے باطل خیال میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ دروغ کو کسیطرح فروغ نہیں ہوسکتا اگر رسولخدا صلعم تعلیم یافتہ ہوتے تو سب سے پہلے خود کفار عرب اعتراض کرتے کہ امیوں کے مقابلہ میں ایک تعلیمیافتہ کا دعوائے فصاحت وبلاغت کرنا حیرت انگیز بات نہیں ہے جو دلیل معجزہ ونبوت ہوسکے۔

اسکے علاوہ آیت مذکورۂ بالا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ اور وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ پر ناقابل جواب اعتراض کرلیتے اور یہ تو کھلی بات ہے کہ ہر شخص کے حالات سے جتنی واقفیت اس کے گھر۔ قبیلہ۔ برادری۔ گاؤں۔ اور اپنے ملکی لوگوں کو ہوسکتی ہے دوسرونکو ہرگز نہیں ہوسکتی۔

تیسرا مقدمہ

محمد مصطفےٰ صادق تھے

حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صادق وامین تھے چنانچہ کفار باوجود نہایت مخالفت کے آپکے ان صفات کے گرویدہ تھے اور آخر زمانہ تک کبھی ان کو ان صفات کی نسبت کچھ شبہ تک نہیں ہوا ۔ والفضل ما شھدت بہ الاعداء ۔

اگر نجوم ۔ رمل اور کہانت وغیرہ سچے علوم ہوتے اور رسول خدا کو ان کا علم ہوتا تو ان علوم کو برا ، اور جھوٹ نہ فرماتے کیونکہ باوصف علم ، سچے علوم کو جھوٹا کہنا خلاف صداقت ہے۔

چوتھا مقدمہ

نجوم و کہانت کا مقابلہ

اس میں شک نہیں کہ عرب میں کہانت و نجوم کا چرچا تھا اور عرب ہی کی کیا خصوصیت ہے دوسرے ملکوں میں بھی اس کا رواج تھا اور اب بھی ہے۔ لیکن اسبات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ نجوم و کہانت کوئی معتدبہ اثر رکھتا تھا یا رکھتا ہے۔ سرگشتگان وادی اوہام کے لئے جیسا اب دام فریب ہے ویسا ہی تب بھی تھا۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نجوم و کہانت سیکھی تھی اور اسی پر مدار کار تھا تو منجمین اور کاہنین کفار ان علوم اور ارباب علوم کی مدد سے ضرور بالضرور کلمہ بکلمہ جواب دیتے اور کم سے کم اتنا تو کرتے کہ آئندہ حالات پر اطلاع حاصل کر کے معقول چارہ کار کر لیتے ؟ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ جس سے لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ در اصل رسالت کے کاموں کو نجوم و کہانت وغیرہ سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔ اولا تو سرے سے علوم ہی بے اصل ہیں اور فریب دہی کے لئے جسقدر ہے وہ خداوندی تعلیم کے آگے محض ہیچ و فروغ ہے۔

اسقدر تمہید کے بعد اب ہم یہ گذارش کرتے ہیں کہ جب رسول خدا محمد مصطفےٰ صلعم دعوی رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے تو آپ نے اپنی تائید میں کلام آلہی (قرآن) کو پیش کیا جو دو اسلوب سے برہان قطعی تھا۔ ایک اسکا اعجاز جس کے مقابلہ میں باوجود تحدی کے کوئی ایک سورۃ بھی نہ لکھ سکا۔ دوسرے اسکی پیشینگوئیاں جو ایک ایک کر کے اپنے اپنے وقت پر

صحیح ثابت ہوئیں اور آئندہ بھی انشاءاللہ تعالیٰ باقی پیشنگوئیاں تا روز قیامت اسطرح اپنی صحت کا کرشمہ دکھاتی رہینگی الحاصل قرآن مجید نے اپنے اعجاز بلاغت۔ اپنے اعجاز اخبار عن الغیب اور اپنی حسن تعلیم سے اپنے کو کتاب آسمانی اور کلام ربانی ثابت کر دیا اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ کلام آلہی ہے اور اس نے یہ شہادت دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں تو محمد مصطفےٰ صلعم کی رسالت و نبوت بھی ثابت ہوگئی۔ جس میں بہ روے انصاف انکار کو مطلقاً گنجایش نہیں ہے

اب ہم سلسلہ وار قرآن مجید کی تمام پیشنگوئیوں کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

قرآن کی

پیشگوئیاں

(۱)

قرآن کا مثل کوئی نہیں لاسکتا

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔

اور اگر تمکو شک ہو اس کتاب پر جسکو ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر اُتارا ہے تو اسکے مثل ایک ہی سورہ بنالاؤ، اور اللہ کے سوا، اپنے حمایتیوں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو۔ پس اگر (اتنی بات بھی) نہ کرسکو اُور ہرگز نہ کرسکوگے" تو (دوزخ کی) آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے (اور وہ) منکروں کے لئے تیار ہے۔
(سورۃ البقرہ ع ۳)

ف

جن دنوں قرآن نازل ہوا، عرب میں فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ شعر موزوں کردینا اُن کے نزدیک ایک معمولی سی بات تھی۔ لونڈیاں تک مختلف مضامین میں ایسے برجستہ اشعار کہدیا کرتی تھیں کہ آج اچھے سے اچھا ادیب اُنکا مثل نہیں کہہ سکتا۔

تو ایک اَن پڑھ پیغمبر کا پکار پکار کر کہنا کہ اس طرح کی ایک ہی سورت بنا لاؤ یا بنوا لاؤ ایک ایسا معجزہ ہے کہ تا قیام قیامت اسی تحدی کے ساتھ قائم رہے گا مگر خیر یہ بحث آئندہ کسی ثبوت میں زیادہ شرح و بسط سے کیجائے گی۔

اس مقام پر پہلے تو قرآن نے تحدی کی ہے کہ اگر اس کے کلام اللہ ہونے میں تم کو شک ہے تو زیادہ نہیں تم ایک ہی سورت اس جیسی بنا لاؤ کیونکہ آدمی کے کلام کے مثل آدمی کلام کہہ سکتا ہے۔

اس تحدی کے بعد پھر دعوے کے ساتھ یہ پیشینگوئی کر دی کہ تم قرآن کا مثل ہرگز نہیں لا سکتے اور کبھی نہیں لا سکتے۔ اسی مضمون کو سورۂ بنی اسرائیل میں اور زیادہ صراحت کے ساتھ ادا کیا گیا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے:۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ اگر آدمی اور جنات جمع (ہو کر اسبات پر آمادہ) ہوں کہ اس قرآن کی طرح کا (اور کلام) بنا لائیں تاہم اس جیسا نہیں لا سکتے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کی پشتی پر کیوں نہ ہو۔

اللہ اکبر! کیسا زبردست دعوی ہے اور کیسی صریح پیشینگوئی ہے جو اتنے بڑے دعوے کے ساتھ پوری ہو کر رہی۔

فردوسی کا شاہنامہ جو زبان دری کی بیش بہا کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس پر بہتیری کتابیں لکھی گئیں ہیں جیسے نظامی کا سکندر نامہ محمد بخش تورانی کی صولت فاروقی اور علامہ نجم الدین جریا کوٹی کی چار ضرب آہنی وغیرہ وغیرہ۔ اسیطرح سعدی کی گلستان پر بھی لوگوں نے کتنے گلستاں بنا ڈالیں۔ گلستانِ قاآنی۔ بہارستانِ جامی، خارستانِ

گلستان خمسہ ورزہ وغیرہ اگرچہ ہرایک کتاب اکل کتاب متقدم کا جواب نہ ہو مگر اکثر مقامات پر دونوں میں مساوات کا درجہ ہے اور بعض جگہ تو جواب اصل سے بڑھ گیا ہے مثلاً فردوسی کہتا ہے۔

جہاں را بلندی وپستی توئی ندانم چہ' آنچہ ہستی توئی

نظامی۔ پناہ بلندی وپستی توئی ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

پہلے مصرع میں پناہ، اور دوسرے مصرع میں ،، نیستند،، نے نظامی کے شعر کو فردوسی کے شعر سے بلیغ اور بہت صاف کردیا ہے۔

فردوسی۔ اگر برزوے بر سر آں سرفراز بدو نیمہ کردیش با اسپ و ساز

نظامی۔ بہر جا کہ شمشیر او کار کرد یکے را دو کرد و دو را چار کرد

اگرچہ مضمون کے لحاظ سے فردوسی کا شعر بھی اچھا ہے مگر اس کے الفاظ کی نشست بہتر نہیں ہے بخلاف اس کے نظامی کے شعر میں مضمون آفرینی کی شان ہے اور الفاظ کی نشست اور بندش کی چستی نے بلاغت کو اور دوبالا کر دیا۔

فردوسی۔ زہے بارگاہِ زرا فراسیاب زمشرق بمغرب کشیدہ طناب

نظامی۔ زہے بارگاہے کہ چوں آفتاب زمشرق بمغرب کشیدہ طناب

فردوسی کے شعر کے پہلے مصرع میں ،، ز ،، کا لفظ فصاحت کے درجہ کو گھٹا دیتا ہے اور دوسرا مصرع ایک مبالغہ کا دعوی محض بے ثبوت ہے۔ بخلاف اسکے نظامی نے ،، چوں آفتاب ،، کا ایسا ثبوت دیا ہے جس سے شعر کو عمدہ ہی نہیں لاجواب کر دیا ہے۔

اسی طرح فردوسی کا یہ مشہور قطعہ ہے:۔

درختے کہ تلخ است ویرا سرشت گرش در نشانی بباغ بہشت

ور از جوی خلدش بہنگام آب بہ بیخ انگبیں ریزی و شیر ناب

سرانجام گوہر بکار آورد		ہماں میوۂ تلخ بار آورد

یہ قطعہ فردوسی کے منتخب اور مستثنیٰ کلاموں میں گویا لاجواب تسلیم کیا گیا تھا۔ بااین ہمہ ملا ہاتفی نے اسکے جواب میں یہ قطعہ لکھا۔

اگر بیضۂ زاغ ظلمت سرشت		نہی زیر طاؤس باغ بہشت

بہنگام آں بیضہ پروردنش		ز انجیر جنت دہی ارزنش

دہی آبش از کوثر و سلسبیل		دراں بیضہ دم دردمد جبرئیل

شود عاقبت بیضۂ زاغ زاغ		برد رنج بیہودہ طاؤس باغ

اگرچہ ہاتفی کے کلام میں یہ خفیف سا دھبہ ہے کہ ہر شعر میں بیضہ کا اعادہ کیا گیا ہے حالانکہ ضمیر کا ایراد کافی تھا، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہاتفی کا قطعہ فردوسی کے قطعہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ پھر اس قطعہ پر ایک تیسرا قطعہ ہمارے والد ماجد علامہ محمد اعظم چریا کوٹی جلالی نے تحریر فرمایا۔

سروش ار نہد پارۂ سنگ زشت		میان دل کان لعل بہشت

دمد اندراں روح یاقوت ناب		کند پرورش تا ابد آفتاب

نگردد خلاف گہر تیرہ سنگ		درخشندہ رو لعل عناب رنگ

یہ قطعہ بھی فردوسی کے قطعہ سے کسی بات میں کم نہیں ہے۔ ہاتفی نے حیوانات کو اور علامہ جلالی نے جمادات کو لیا ہے جس میں مضمون کا زیر بحث پیدا کرنا بہت مشکل کام تھا۔

مذکورۂ بالا کتابوں کے علاوہ اور بھی مختلف زبانوں کی کتابیں پر زور طرز تحریر ہیں اور گو ان کتابوں نے اپنے لاجواب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ پھر بھی ان کا مقابلہ کیا گیا اور جوابات لکھے گئے۔ مگر قرآن مجید نے باوجودیکہ دنیا بھر کے مقابلہ میں اپنے لاجواب اور کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا لیکن ابتک کسی نے اسکے

مقابلہ کی جرأت نہیں کی اور قریباً تمام مذاہب نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ قرآن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا کسی کتاب کے مقابلہ میں کتاب یا کچھ لکھنے لکھے یہ معنی ہیں کہ دونوں، بلاغت۔ حسن معانی اور حکمت میں مساوی یا اقلاً جواب، اصل کے قریب قریب ہو اور ایسا قریب کہ بادی النظر میں فرق نہ معلوم ہو اگر ایسا نہیں ہے تو درحقیقت وہ مقابلہ نہیں ہے۔ مسیلمہ کذاب نے جب جھوٹی نبوت کا دعوی کیا تو قرآن کے مقابلہ میں کچھ عبارتیں بنا کر اسکو نزول وحی سے تعبیر کیا تھا جیسے اَلْفِيلُ مَا الفيل وَمَا اَدْرٰكَ ما الفيل له خرطوم طويل وذالك من خلق ربنا الجليل۔ جو فصاحت سے معرّی حسن معانی سے عاری حکمت سے کوسوں دور ہیں۔ پھر وہ اس قابل بھی نہیں کہ ہم علمی طور پر اس کے نقصانات بیان کر کے وقت ضایع کریں۔

مخالفین کبھی کبھی جوش میں آکر کہہ اُٹھے کہ ہم اسکے مثل بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ عیسی بن صبیح ایک زندیق نے بھی ایسا ہی کہا تھا کہ انسان ایسا قرآن بنا سکتا ہے لیکن قرآن تو کجا آج تک اسکی تین آیتوں کے برابر ایک سورت بھی بنا کر کوئی پیش نہ کر سکا۔

یہ بھی قرآن کا ایک معجزہ ہے کہ اہل عرب جن کی مادری زبان عربی تھی اور جن کے لٹریچر کا کمال، نزول قرآن کے وقت اپنے انتہائی مرکز کو پہونچ چکا تھا وہ ہی باوجود، اپنی انتہائی کوششوں کے قرآن کا جواب لانے سے عاجز رہے تو پھر کا ایسے زمانہ میں جب کہ بلاغت کو انتہائی عروج تھا اور اسلام کی مخالفت بھی نہایت زوروں پر تھی، قرآن کی ادنیٰ سورت کے مقابل کوئی کلام پیش نہ کر سکا تو آئندہ کیا توقع ہو سکتی ہے۔ بہرکیف اسوقت تک تو اس پیشنگوئی کی صداقت میں کچھ کلام ہی نہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہے۔

پیشنگوئی

(۲)

قرآن ہرطرح محفوظ رہیگا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ۔ بیشک ہم ہی نے قرآن کو اُتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کے نگہبان ہیں (سورۃ الحجر)

ف

یہ قرآن کے حق میں ایک بڑی پیشنگوئی ہے اور کیسی عمدہ طرح پر پوری ہو رہی ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو اس کے زبانی یاد کرنے کا شوق دیدیا ہے۔ دنیا میں اس کثرت سے حافظ قرآن ہمہ وقت موجود رہتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ بفرض محال، مکتوبی قرآن روئے زمین پر سے معدوم ہو جائیں تو بھی قرآن کا ایک جملہ ایک لفظ ایک حرف نہ ضایع ہو سکتا ہے نہ بدلا جا سکتا ہے۔ قرآن کے سوائے کسی آسمانی کتاب کو یہ فضیلت نصیب نہیں۔

کیا قرآن کے کلام الہی ہونے کے لئے یہ دلیل کافی نہیں؟ ہے اور ضرور ہے

(مولوی نذیر احمد مترجم دہلوی بر حاشیہ ترجمہ)

ف

اللہ تعالیٰ کی نگہبانی اور قرآن کے متعلق یہ پیشنگوئی دو طرح پر پوری ہو رہی ہے ایک تو زبانی یاد کرنے سے کما مرّ آنفاً۔

دوسری قسم کی نگہبانی وحفاظت علمائے اسلام، قرّا اور محدثین کے ذریعہ سے ہوئی اور ہو رہی ہے۔ قرآن مجید کا ہر ہر لفظ متواتر ہے۔ ہر طبقہ اور ہر دور میں اسکی روایت کرنیوالے اس کثرت سے رہے ہیں جن پر جھوٹ کا وہم وگمان،

نہیں ہوسکتا۔
قرآن مجید جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، بغیر ایک نقطہ کی کمی بیشی کے بعینہٖ آج بھی اسی طرح ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔
سورۂ توبہ کے اول میں "بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ" نہیں ہے۔ سبب اسکا یہ ہے کہ سورتوں کا ٹھیراؤ پیغمبر خدا صلعم کا کیا ہوا ہے اور بسم اللہ سورتوں کی علیحدگی کی علامت ہے۔
مصحف بناتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق نہیں ہوا کہ یہ سورت خود مستقل ہے یا کسی دوسرے سورہ کی جز و ہے لیکن چونکہ اس سورہ کی آیتوں کا مطلب سورۂ انفال سے ملتا ہوا تھا اس مناسبت سے اس سورہ کو سورہ انفال کے بعد رکھدیا مگر احتیاطاً اس کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی تاکہ دوسری سورتوں کی طرح مستقل سورہ نہ سمجھی جائے۔
اللہ۔ اللہ! ان بزرگوں نے کلام الٰہی کی کسدرجہ حفاظت کی ہے کہ سورتوں کی تقسیم تک بھی اپنی رائے سے نہیں کی۔
جو شخص تھوڑی دیر کے لئے مذہبی قید سے الگ ہو کر یا ایک لامذہب بنکر انصاف کی نظر سے دیکھیگا وہ یقیناً کہہ اٹھیگا کہ جو لوگ سورتوں کے ٹھیراؤ میں اتنی احتیاط مدنظر رکھیں وہ الفاظ اور جملوں کے کم وبیش کرنیکی جرات نہیں کرسکتے اور جس کتاب کے ٹھیراؤ میں اسقدر احتیاط کیگئی ہو اسمیں تحریف یا کمی بیشی کا ہونا ممکن نہیں۔
حفاظت قرآن مجید کے متعلق علمائے اسلام رحمہم اللہ السلام نے اپنی عمر عزیز یوں اس مقدس کتاب کی ہر ہر چیز پر بحث اور غور کر کے اسکو ایسا ضابطہ کے اندر لیلیا ہے کہ اب کوئی شخص کمی بیشی کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔

ف

ہمارے مقدمۂ کتاب کے پڑھنے سے ناظرین پر ثابت ہوا ہو گا کہ علمائے اسلام علیہم الرحمہ نے قرآن مجید کی حفاظت و پاسبانی میں کسقدر کاوشیں اور کتنی جان فشانیاں کی ہیں ہے کسی کی مجال جو قرآن میں ایک حرف ایک نقطہ کی کمی بیشی کر سکے! دنیا میں ، ہے کوئی ایسی کتاب جو اپنے محفوظ رہنے میں قرآن مجید کی برابری کر سکے؟

وید مقدس تو مردہ زبان اور مردہ قوم کی ایک کتاب ہے جو کبھی بنارس کی چار دیواری اور برہمنوں کی سبھا سے باہر نہیں نکلی۔

توریت و انجیل تو دنیا میں پھیلی ہوئی کتابیں ہیں جن کو ان کے ماننے والے آسمانی کتاب کہتے ہیں۔ لیکن کیا صحت و حفاظت میں وہ قرآن کی صحت و حفاظت کے دسویں حصہ کی برابری بھی کر سکتے ہیں؟

قرآن مجید کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی جمع و تنقید میں علمائے اسلام نے حیرت انگیز کام کیا صحت کی جانچ پرتال کے لئے مضبوط اصول قائم کئے۔ کمزور سے کمزور ، ضعیف سے ضعیف بلکہ موضوع و مفتری حدیث بھی سلسلۂ رُواۃ کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

حدیث میں ذرا سا نقص بھی ہو تو وہ چھپا نہیں رہ سکتا۔

توریت و انجیل جو آسمانی کتابیں کہی جاتی ہیں دہ صحت کے اتنے درجہ پر بھی تو نہیں ہیں قرآن مجید جس طرح پر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اُسی طرح بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے آج بھی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اور اسکا ثبوت ایسا بدیہی ہے کہ باوجود انتہا درجہ کے تعصب کے ، عیسائی علماء بھی تحریف و تنقیص کا الزام لگانے کی جرأت نہ کر سکے اور آخر قرآن کے کامل و مکمل ہونے کا طوعاً و کرہاً اقرار ہی کرنا پڑا۔

میور صاحب کو تعصب اور عیسائیت میں جسقدر غلو ہے وہ کون نہیں جانتا مگر واقعات سے مجبور ہو کر ان کو بھی قرآن مجید کی نسبت اپنے تعصب کے خلاف لکھنا پڑا کہ :-

"حضرت عثمان کا نظر ثانی کیا ہوا قرآن ہمارے پاس بلا تغیر و تبدل و تحریف موجود ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کی اس خوبی و عمدگی سے حفاظت ہوئی کہ ایک حرف کی بھی اس میں کمی بیشی نہیں ہوئی ان بے انتہا اور بے تعداد قرآن کے نسخوں میں جو اسلامی سلطنتوں میں رائج ہیں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا"

"باوجودیکہ نبی (صلعم) کے ½ صدی کے بعد حضرت عثمانؓ کی شہادت پر بڑے بڑے بلوے اور خونریزیاں ہوتی رہیں لیکن قرآن جوں کا توں باقی رہا۔ مقتول خلیفہ کے حکم سے جو نسخہ قرآن کا نظر ثانی کیا گیا وہی ہر زمانہ اور ہر عہد میں ویسا ہی رائج رہا اور ابتک اسی طرح موجود ہے دنیا میں غالباً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی کتاب الہی نہیں معلوم ہوتی جو بارہ سو برس سے یکساں بغیر کسی قسم کے تغیر کے چلی آتی ہو بے شبہ ہمارے پاس قرآن عثمان ہے پھر بھی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آیا حضرت ابوبکر کے جمع کئے ہوئے قرآن سے یہ ہو بہو ملتا ہے اور دیانت و امانت سے نقل کیا گیا ہے اور اس میں سادی غلطیوں اور معمولی اختلافات قرارت کے سوا کچھ تغیر نہیں ہوا۔ صاف صاف وجہیں اور دلیلیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ یہ جوں کا توں وہی قرآن ہے جو حضرت ابوبکر نے جمع کیا تھا۔ نہ کوئی ابتدائی روایت نہ صحیح حدیثیں اس بات میں شبہ پیدا کرتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی

طرفداری کے لئے اس میں کچھ گھٹا بڑھا دیا ہو۔ آخری زمانہ کے شیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے وہ آیتیں نکال ڈالیں جو حضرت علیؓ کی شان میں تھیں لیکن یہ باتیں خلاف قیاس اور ناقابل اعتبار ہیں۔ حضرت عثمان کبھی ایسی تحریف نہ کر سکتے تھے جو اسوقت دیکھی نہ جاتی اور نہ خیال کیا جا سکتا کہ حضرت علی اور ان کے ساتھی اور کل مسلمان جو قرآن کا ہر ہر لفظ خدا کا لفظ سمجھتے تھے حضرت عثمان کو ایسا کرنے دیتے"

ہم آخر میں اپنی اس بحث کو ون ہیم کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں۔ وہ فیصلہ کرتا ہے:

"ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس میں ہر لفظ محمد (صلعم) کا سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔"

میور صاحب وغیرہ کے علاوہ اور بہت سارے عیسائی علما رہیں جنہوں نے قرآن عظیم کے اس معجزہ سے موقع سرتابی نہ پا کر اس کے کامل و مکمل ہونے کا اقرار کیا ہے باوجود اس کے کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کی انجیلوں کو محرف کہا جاتا ہے تو بھی وہ اس کا انتقام نہیں لے سکے اور نہیں لے سکتے۔

یہ خدا کی قدرت ہے اور قرآن کے کلام آلہی ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ مشاہدہ بھی ایسے ثبوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

پیشنگوئی

(۳ و ۴ و ۵ و ۶)

یہود کا ہمیشہ ذلیل رہنا۔ ہمیشہ کے لئے ان سے سلطنت کا سلب ہونا
الّا یا بعض اہل مذہب کی مہربانی سے پناہ ملنا ہمیشہ خدا کے غضب میں گرفتار رہنا۔

یہ پیشنگوئیاں قرآن مجید میں دو جگہ ہیں۔ ایک سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ۔	اور ان (یہود) پر ذلت اور محتاجی لپس دی گئی اور وہ خدا کے غضب میں آگئے۔

دوسری آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ	جہاں دیکھو ذلت ان (یہود) کے سر پر سوار ہے مگر اللہ کے (عہد و پیمان کے) ذریعہ سے اور نیز لوگوں کے (عہد و پیمان کے ذریعہ سے (کہیں انکو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہے) اور خدا کے غضب میں گرفتار اور محتاجی ہے کہ الگ ان کے پیچھے پڑی ہے۔

ف

ان آیتوں میں چار پیشنگوئیاں ہیں جن کی تصدیق تاریخوں اور موجودہ حالت دونوں سے ہوتی ہے۔

ف

(۱) یہود کا ہمیشہ ذلیل و خوار رہنا چنانچہ یہود کی پہلی ذلت تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور آپ کے صحابہ کرام کے مسعود زمانوں میں ہوئی کہ مسلمانوں نے ان کی شرارتوں سے تنگ آ کر تلوار کے زور سے انکو مغلوب کیا اور ان کے مال و دولت پر قبضہ کر کے ملک سے باہر نکالدیا۔ مگر آیت میں یہ پیشینگوئی مراد نہیں ہے بلکہ یہ کہ وہ دنیا میں ہمیشہ ذلیل و خوار رہیں گے۔

یہودیوں کا دنیا کے ہر گوشہ میں باوجود مالدار ہونے کے ذلیل و خوار ہونا ظاہر ہے۔ کسی سلطنت میں نہ ان کی کچھ عزت ہے نہ وقار ہے۔ جہاں ہیں غیروں کے کفش بردار ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ یہودیوں کی یہ ایک ایسی مدامی ذلت و رسوائی ہے جسکے سچ ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر اس بدیہی اور ظاہری ذلت کے علاوہ جو ان کے مقسوم میں لکھدی گئی ہے ایک اور روحانی اور اصلی ذلت یہ ہے کہ جسقدر بیحیائی ان لوگوں میں عام ہے دنیا کی کسی قوم میں نہیں ہے قرآن کی یہ پیشینگوئی عہد پیغمبر سے اسوقت تک پوری ہوتی رہی اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا۔

(۲)

مسکنۃ، سلطنت کا ضد ہے یعنی یہود سے ہمیشہ کے لئے سلطنت کا سلب ہو جانا۔ اللہ کا ملک اسقدر وسیع اور ان یہود کے قبضہ میں مالکانہ حیثیت سے ایچ برابر زمین بھی نہیں یہی ان کی مسکنت ہے کہ انگل بھر زمین کے بھی یہ مالک نہیں، شاہی کا تو کیا ذکر۔

(۳)

جہاں جہاں یہ سکونت پذیر و پناہ گزین ہیں، وہ وہاں کے بادشاہ کی مہربانی کا مقتضا ہے

اور یہ ہمیشہ ہوتا رہتا ہے کہ جب یہود اپنے بدکرداریوں کی بدولت کسی ملک سے نکالے جاتے ہیں تو دوسرے ملک کے فرماں روا اپنی رحمدلی اور مہربانی سے جگہ دیدیتے ہیں چنانچہ حال میں بھی ایسا ہی ہوا کہ جب روسیوں نے ان کو نکالدیا یا نکلنے پر مجبور کیا تو سلطنت روم اور امریکا میں ان کو پناہ ملی۔

(۴)

جو قوم ذلت و رسوائی کے اتنے عمیق گڑھے میں گری ہوئی ہو۔ جسکا دنیا میں کوئی والی وارث اور پرسان حال نہ ہو۔ جس کے ہاتھ میں باوصف اللہ کا ملک وسیع ہونے کے پاؤں رکھنے بھر کی جگہ نہ ہو، جو ہمیشہ دوسری قوموں کی دست نگر بلکہ ان کی غلامی میں بسر کرنے کی عادی ہو، ایسی قوم کو خدا کے غضب میں مبتلا نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔

پھر یہ نہیں ہے کہ یہودیوں پر بلا وجہ ظلم و ستم ہوتا رہتا ہے بلکہ یہ نہایت ہی سرکش مفسد بیحیا اور حد درجہ کی قسی القلب قوم ہے۔ شرارت ان کی جبلت ہے۔ بیرحمی ان کا پیشہ ہے۔ انہوں نے ہمیشہ پیشوایان مذہب سے بغض و عناد رکھا۔ انبیاء علیہم السّلام کو قتل کرنا اور ان کو ایذا پہونچانا ہمیشہ ان کا وتیرہ رہا۔ بغاوت و فساد کے پھیلانے میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ پھر انہیں بداعمالیوں کی تو یہ کچھ سزا بھگت رہے ہیں اب بھی یہ شریر قوم جہاں آباد ہے اپنی اُسی آبائی اور قدیمی جبلت پر قائم ہے اور کبھی شرارت سے باز نہیں آتی۔ موقع ملا اور فساد کھڑا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے ہر گوشہ میں مار کھاتے اور ہر جگہ سے جلا وطن ہوتے رہتے ہیں اور کہیں بھی عزت یا ٹھکانے سے نہیں رہ سکتے۔

پیشنگوئی

(۷)

یہود موت کی تمنا ہرگز نکرینگے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقام پر ہے۔ ایک سورۃ البقر میں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔

(اے پیغمبران یہود) سے کہو کہ اگر دار آخرت (دوسری جگہ) خاص کر تمھارے ہی لئے ہے دوسرے لوگوں کے لئے نہیں ہے تو تم اپنی مرنیکی آرزو کرو اگر تم سچے ہو (تاکہ جلد بہشت میں جا داخل ہو) مگر اُن (اعمال بد) کی وجہ سے جنکو اُن کے ہاتھوں نے پہلے سے (زاد آخرت بنا کر) بھیجا ہے یہ کبھی موت کی آرزو نکرینگے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور (اے پیغمبر) البتہ تم پاؤگے کہ یہ لوگ زندگی پر سب لوگوں یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی کہیں زیادہ ریجھے ہوئے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ الجمعہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ

(اے پیغمبر! ان یہود سے) کہو کہ اے یہود اگر تم کو اس بات کا گھمنڈ ہے کہ اور تمام آدمیوں کو چھوڑ کر تم ہی خدا کے چہیتے ہو تو تم موت کی تمنا کرو، اگر سچے ہو مگر یہ اُن (اعمال بد) کی ڈر

صٰدِقِیْنَ وَلَا یَتَمَنَّوْنَهٗ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالظّٰلِمِیْنَ	سے جن کے مرتکب ہو چکے ہیں کبھی موت کی تمنا کرنے والے نہیں اور اللہ بے انصاف لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

ف

یہود کا ہمیشہ سے یہ باطل دعویٰ رہا کہ ہم ہی خدا کے چہیتے ہیں۔ اس کے فرزند ہیں۔ اس کے خالص دوست ہیں اور جنت کا وارث ہمارے سوا نہ کوئی ہے نہ کبھی ہو سکتا۔ ہماری شریعت موسوی برحق اور اس کے علاوہ تمام ادیان باطل و مردود ہیں۔

قرآن مجید میں یہود کے اس ادعا کا یہ جواب دیا گیا کہ اگر واقعی تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تم ہی اللہ کے چہیتے اور بہشت تمہارے ہی لئے ہے تو پھر موت کی آرزو کیونکہ مرنے کے بعد تم اپنے ادعا کے مطابق اس سے بہت بہتر جگہ پہنچوگے اور جب تمکو مرنے کے بعد جنت میں پہونچنا یقینی امر ہے تو موت کی آرزو کرنے سے کونسا امر مانع ہو سکتا ہے ؟

اس جواب کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے یہ پیشنگوئی کرتا ہے کہ یہود زنہار کبھی موت کی آرزو نہیں کرینگے کیونکہ وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ منہ سے کچھ کہیں لیکن دل میں وہ اپنے کو ضرور برسر ناحق سمجھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ تم حق پر ہو اور تمھاری تکذیب کی وجہ سے وہ بعد الموت ضرور عذاب میں پڑینگے یہود بلکہ تمام اہل مذاہب کے نزدیک ، دنیا کی نعمتیں کما و کیفاً آخرت کے مقابلہ میں بہت ذلیل ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اہل اسلام علیہم السلام کی مخالفت و منازعت سے یہ چند روزہ عیش بھی اُن کا منغص ہو گیا تو جو عاقل ایسی قلیل نعمت میں ہو اور وہ قلیل نعمت بھی منغص ہو گئی ہو

اور اسکو یقین ہو کہ ہم مرنے کے بعد بالضرور آخرت کی بہترین نعمتوں تک پہونچ جائینگے جو ہمارے ہی ساتھ مخصوص ہیں وہ لامحالہ موت کی آرزو کریگا اس لئے کہ نعمار آخرت مطلوب ہیں اور موت کے سوا، ان تک پہونچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے پس ضرور ہوا کہ انسان موت سے راضی اور اس کا متمنی ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر دار آخرت یہود ہی کے لئے مخصوص ہوتی تو وہ ضرور موت کی تمنا کر لیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اللہ تعالی کی پیشنگوئی صحیح اُتری۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام یہود کو جمع فرمایا اُن کے روبرو ان آیات کریمہ کی تلاوت کی اور اُن سے کہا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس مجمع میں علی رؤس الاشہاد موت کی آرزو کرو اگر یاد رکھو کہ اگر تم جھوٹے ہو اور یقینی جھوٹے ہو تو قسم کھائی اور موت کی مصیبت آئی۔

مثل مشہور ہے کہ چور اپنے سایہ سے ڈرتا ہے۔ وہی حال یہود کا ہوا کہ مباہلہ سے ڈر گئے اور صاف انکار کر دیا کہ ہم موت کی آرزو نہیں کرینگے۔ اور یہود کے اس انکار کرنے سے ایک چھوٹی سی دوسری پیشینگوئی بھی صحیح ثابت ہو گئی کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ زندگی پر حریص ہیں ایسی زبردست پیشینگوئی کرنی اور اس کے پورا ہونے میں سرمو فرق نہ آنا، سوائے خالق مطلق کے یہہ طاقت کس میں ہو سکتی ہے؟

اب اس مقام پر چند اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں جن کی صراحت کرنی ضرور ہے

پہلا اعتراض

جو الزام یہود پر دیا گیا ہے وہی پیغمبر عرب اور ان کی امت پر بھی قائم ہو سکتا ہے

کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ محمدؐ اور تمام انبیاء اور ان کی صالح امتیں جنتی اور نعمارِ جنت کی وارث ہیں اور ان کے دشمن کفار و مشرکین جہنمی ہیں بس چاہیئے تھا کہ وہ بھی موت کی آرزو کرتے بلکہ اسباب پر راضی ہوتے کہ یہود وغیرہ پیغمبر اور ان کے اصحاب کو قتل کر ڈالتے تا موجودہ مصائب سے چھوٹ کر ابدی نعمتوں میں جا پہونچتے درحالیکہ کفار وغیرہ ان کے لئے موجب عذاب بھی تھے

پہلا جواب

یہود، ایسا الزام پیغمبر پر نہیں الٹ سکتے تھے کیونکہ ان کے اور پیغمبر کے درمیان میں بہت بڑا فرق ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو اس بات کے مدعی تھے کہ "ہم دنیا کی اصلاح کے لئے آئے ہیں اور ہمارا کام یہ ہے کہ اللہ کے احکام اسکے بندوں تک پہونچا دیں" اگر پیغمبر قتل ہو جانے پر راضی ہوتے اور موت کی آرزو کرتے تو ان کا کام کیسے سرانجام پاتا اور وہ جس منصب تبلیغ رسالت کیلئے مبعوث ہوئے تھے وہ کون پورا کرتا؟ یہود کی تو یہ حالت نہیں تھی۔

دوسرا جواب

پیغمبر خدا، مدعی رسالت تھے کہ ان کو خدا نے اپنا رسول بنا کر خلق کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ پس اُن کا جینا مرنا سب اللہ کی مرضی پر منحصر تھا اور انہیں موت کی آرزو کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی جب انھوں نے اپنا منصب پورا کر دیا، اللہ نے خود دنیا سے اٹھا کر اپنے آغوش رحمت میں لیلیا۔ یہود کی یہ صورت نہیں تھی کیونکہ وہ نبوت و رسالت کے مدعی نہ تھے۔

تیسرا جواب

قتل ہو جانے کی رضامندی اور موت کی آرزو میں فرق ہے۔ قرآن نے یہ
نہیں فرمایا کہ تم قتل ہو جانے پر راضی ہو جاؤ تاکہ سب کے سب قتل کر دئیے
جاؤ۔ یہ تو پیغمبر کی اختیاری بات تھی اور آخر میں جب یہود کی شرارتیں حد اعتدال
سے بہت بڑھ گئیں تو تلوار ہی سے اُن کی اصلاح کر دی گئی۔ یہود سے صرف
یہ کہا گیا کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ تم اللہ کے چھیتے ہو اور تمھارا آخرت
تمھارے ہی لئے ہیں تو تم خود موت کی آرزو کرو، اور انہوں نے موت کی
آرزو نہیں کی۔

چوتھا جواب

بلاشک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خدا سے موت کی تمنا نہیں کی اسلئے
کہ آپ کا مرنا جینا خدا ہی کی مرضی پر تھا۔ خدا نے تبلیغ احکام کے لئے آپ کو
مبعوث الی الخلق کیا۔ پس خدمت مفوضہ کی انجام دہی کے قبل موت کا چاہنا نادرست
ہی نہیں بلکہ ایک قسم کا جرم تھا پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و ما فیہا سے
مستغنی تھے۔ آپ نے دنیا کی کسی چیز سے ضرورت کے سوا، دل نہیں لگایا اور
آخرت ہی کو دنیا پر ترجیح دیتے رہے جس سے حدیث کی کتابیں لبریز ہیں۔ مرتے
وقت بھی آپ کے زبان پر یہی جاری رہا کہ الی الرفیق الاعلیٰ۔

پانچواں جواب

اصحاب رسول پر یہ الزام قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ نہ تو خود صحابہ کرام نے کبھی دعویٰ کیا

کہ ہم خدا کے چھیتے ہیں نہ پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ جنت اصحاب محمد ہی کے لئے خاص ہے، اور نہ قرآن نے کہیں اشارۃً یہ بیان کیا کہ امت محمدیہ عام اس سے کہ کیسا ہی عمل کرے مرنے کے بعد سیدھی جنت میں چلی جائیگی - قرآن مجید میں تو صاف صاف کہدیا گیا ہے کہ جنت اور نعمائے آخرت نیکوکاروں کے لئے ہے - اور جہنم بدکاروں کے لئے ہے - عام اس سے کہ کوئی ہو یہاں تک کہ پیغمبر کی ازواج مطہرات سے بھی یہی کہدیا گیا اور جناب سرور کائنات نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ سے بھی یہی فرمایا کہ بیٹی اہم عمل کرو، اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ میرا باپ پیغمبر ہے ۵
ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا،

دوسرا اعتراض

جو چیز مطلوب تک پہونچنے کا ذریعہ ہے اسکو مطلوب کہہ سکتے ہیں مگر وہ مطلوب ہے اس اعتبار سے کہ اصل مطلوب تک پہونچنے کا وسیلہ ہے، اور ذات پر نظر کرتے ہوئے اس کا مکروہ ہونا ممکن ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت بڑے غم و الم کے بعد حاصل ہوتی ہے پس اس تکلیف مالایطاق کی وجہ سے پیغمبر نے موت کی آرزو نہیں کی ہوگی -

جواب

موت کی آرزو نکرنے کی یہ توجیہہ صحیح نہیں ہے - پچھنی لگانے اور ترش و تلخ دوا کھانے سے اذیت ہوتی ہے مگر یہ اذیت برداشت کیجاتی ہے کیونکہ اس اذیت کے برداشت کرلینے سے بہت بڑی منفعت حاصل ہوتی ہے پس جب یہ امر متحقق و متیقن ہو کہ اس تکلیف کے بعد ایک ایسی منفعت اور نعمت حاصل ہوگی

جس کے مقابلہ میں یہ تکلیف کمتر درجہ میں ہے تو سمجھدار پر واجب ہے کہ اس تکلیف کو برداشت کرے تا وہ بڑی نعمت حاصل ہو جائے یہود کو یقین تھا جیسا کہ وہ بظاہر کہتے تھے کہ بلغار جنت انہیں کے لئے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ جنت کی نعمتوں میں جو لذت و منفعت ہے اس کے آگے موت کی تکلیف کوئی رتبہ نہیں رکھتی پس ایسی صورت میں اُن پر فرض تھا کہ موت کی آرزو کر لیتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا جو ان کے دعوے کے بطلان اور قرآن کی صحت کی کافی دلیل ہے

تیسرا اعتراض

ممکن ہے کہ یہود کا دعوائے عام نہ رہا ہو کہ ہر یہودی عام اس سے کہ کیسا ہی بدکار ہو جنت کا وارث ہے۔ بلکہ وہ اُن نفوس کو خدا کے چھیتے اور وارثان جنت سمجھتے ہوں جو گناہ کبیرہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں۔ اور چونکہ وہ ارتکاب کبائر سے معصوم نہیں تھے اس لئے عذاب کے خوف سے موت کی آرزو نہیں کی۔

پہلا جواب

جسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی ، ہزاروں لاکھوں یہودی ہر طرف پھیلے ہوئے تھے کیا اتنے کثیر التعداد لوگوں میں دس پانچ لوگ بھی ایسے نہ تھے جو کبیرہ گناہوں سے معصوم اور موت کی آرزو کر لینے کے قابل ہوتے

دوسرا جواب

یہود اس بات کے مدعی تھے کہ ، ہم اللہ کے بیٹے اور چھیتے ہیں اور جنت میں سوائے یہود کے دوسرا کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ پھر اس عام دعوے کے ساتھ خوف

عذاب کیا معنی ؟

چوتھا اعتراض

اگر فرض کر لیا جائے کہ یہود ، دار آخرت کو عموماً اپنے ہی لئے سمجھتے تھے اور اپنے سوا کسی دوسرے کو نعماء جنت کا مستحق نہیں جانتے تھے اور اس لئے موت کی آرزو کرنی ان پر واجب تھی تاکہ وہ اپنے دعوے میں سچے ثابت ہوں تو یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ انہوں نے موت کی تمنا نہیں کی۔ رہی قرآن کی شہادت ، وہ مفید نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن کی صحت اور اس کا کلام اللہ ہونا ہی محل نزاع میں ہے۔

پہلا جواب

رسول اللہ صلعم باتفاق امم حکیم و دانشمند تھے۔ باوجود اس عقل و حزم کے آپ جیسے دور اندیش سے یہ بہت مستبعد تھا کہ وہ اپنے مخالفین سے ایسی بات کی تحدی کریں جس سے خود مغلوب ہو جائیں اور ان کی دلیل و حجت خود انہیں کے لئے مضرت بخش ہو جائے۔

سمجھدار آدمی جب تک کسی امر کا تجربہ نہیں کر لیتا ، دعویٰ کرنے کی جراءت نہیں کرتا پھر محمد مصطفےٰ صلعم جیسے متین حکیم ایسی نا دور اندیشانہ کارروائی کیسے کر سکتے تھے ؟ اس لئے ضرور ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود موت کی تمنا نہ کریں گے اور اسی جراءت پر آپ نے ان آیات کو علے رؤس الاشہاد سنایا چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ یہود نے موت کی تمنا نہیں کی۔

دوسرا جواب

یہہ ایک ایسا واقعہ عظیم تھا کہ اگر یہودی موت کی تمنا کئے ہوتے تو عرب میں ہر طرف ہلڑ مچ جاتا اور قرآن کی تکذیب میں ہزاروں متواتر خبریں مشہور رہو جاتیں یہود و نصاریٰ دونوں بلکہ تمام مخالفین اپنی اپنی کتابوں اور نوشتوں میں اس واقعہ کو لکھتے اور قرآن کے واقعہ کو غلط بتا دیتے کیونکہ قرآن کی غلطی کے ثبوت سے محمد مصطفےٰ کی نبوت باطل ہو جاتی جو مخالفین کی بڑی کامیابی کا باعث ہوتا۔ اور یہ تو ناممکن ہے کہ اتنی سخت مخالفت کے ہوتے ہوئے ایسا زبردست دعویٰ غلط ہو کر یونہیں رہ جاتا یا شور و غل ہوتا اور مخالفین لکھنے سے باز رہ جاتے۔ پس چونکہ قرآن کے اس دعوے کے خلاف خبر متواتر تو کیا ، ایک موضوع نقل بھی نہیں پیش کی جا سکتی جس سے یہود کے آرزوے موت کرنے کا پتہ چلے ، اس لئے قرآن کی پیشینگوئی کو صحیح ماننے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔

پیشنگوئی

(۸)

نصاریٰ کی باہمی مدامی دشمنی

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصَارٰى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ۔

اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے اُن سے (بھی) عہد لیا تھا تو جو کچھ اُن کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے بڑا حصہ (یعنی پیغمبر اسلام پر ایمان لانا) بھلا بیٹھے تو اسکی سزا میں (ہم نے اُن میں عداوت اور کینہ کو روز قیامت تک بھڑکا دیا اور آخر کار خدا ان کو بتا دیگا کہ وہ کیا کرتے رہے۔

ف

اس آیت میں کھلے طور پر پیشنگوئی کی گئی ہے کہ نصرانیوں کے فیما بین روز قیامت تک بغض و عداوت رہے گی۔

کیا تاریخ کیا مشاہدہ ، دونوں سے ثابت ہے کہ نصرانیوں میں باہم راسخ عداوت ہے نصرانیوں میں بہ لحاظ اختلاف حکومت۔ بلحاظ اختلاف ملت اور بلحاظ خصوصیات ملکی و قومی قدیم سے عداوت چلی آتی ہے۔ روس۔ جرمنی فرانس۔ امریکہ۔ انگلینڈ ہر ایک دوسرے کی بربادی کا خواہاں ہے۔ اسی طرح

رومن کیتھلک۔ پراٹسٹنٹ گریک۔ یونی ٹیرین ہرایک اپنے فروغ اور دوسرے کے زوال کا متمنی ہے۔

عداوت تو ظاہری مخالفت کو کہتے ہیں اور بغضا ر دلی عداوت کا نام ہے اور یہ دونوں قسم کی عداوتیں متحقق ہیں۔ ایک کو دوسرے پر اتنا رشک ہے کہ ہرگز کوئی ایک ، دوسرے کی ادنیٰ ترقی کو بھی محبت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ ایک نے ترقی کی اور دوسرے اس کے پیچھے پڑ گئے۔

اعتراض

معترض کہہ سکتا ہے کہ یہ باہمی بغض و عداوت تو خود مسلمانوں میں بھی دائر و سائر ہے بلکہ جتنی عداوت مسلمانوں میں باہم راسخ ہے اتنی نصاریٰ میں نہیں ہے پھر نصاریٰ کے لئے عیب کیوں؟

پہلا جواب

اگر مسلمانوں کے درمیان نزاع و مخالفت ہے تو نہ ہمیں اس سے انکار ہے نہ قرآن کی مذکورہ پیشنگوئی پر اس کا کوئی اثر پڑ سکتا۔ یہ تو جب ہوتا کہ قرآن بغضا ر و عداوت کو نصاریٰ ہی کے ساتھ خاص کر دیتا کہ ان کے سوا ، کسی دوسرے مذہب یا اسلام کے ماننے والوں میں باہم بغض و عداوت نہیں ہوگی قرآن نے صرف نصاریٰ کی نسبت پیشنگوئی فرمائی ہے کہ ان میں آپس میں قیامت تک بغض و عداوت رہے گی۔

چنانچہ یہ پیشنگوئی پوری ہوی اور انشاء اللہ قیامت تک یونہیں پوری ہوتی رہے گی۔

دوسرا جواب

مسلمانوں میں اسوقت باہمی بغض و عداوت کہاں تھی جب یہ آیت نازل ہوئی
باہمی مخالفت تو وفات رسول خدا صلعم کے تقریباً سو برس کے بعد شروع ہوئی
ہے۔ علی مرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی لڑائیاں بغض و عداوت پر محمول
نہیں کیجا سکتیں۔ ان جنگوں کی بنا صرف ذاتی اختلاف اور رائے کی غلطی
تھی۔ ورنہ مذہب و معاشرت میں دونوں گروہ متحد ہی رہے۔
بہر حال زمانۂ رسول خدا صلعم میں اہل اسلام باہمی بغض و عداوت کے عیب سے
پاک تھے اور نصاریٰ اس میں مبتلا تھے۔

تیسرا جواب

اسلام کے فرقوں میں زیادہ تر اختلافات ہیں یا زیادہ سے زیادہ عداوت
یعنی ظاہری مخالفت ہو مگر بغض اور دلی عداوت کبھی کسی فرقہ کو دوسرے
فرقہ کے ساتھ نہ تھی نہ اب ہے۔
مسلمانوں میں اسوقت دو ہی فرقہ شیعہ وسنی ایسے ہیں جن کے درمیان زیادہ
عداوت یا مخالفت دیکھی جاتی ہے مگر یہ عداوت مذہبی حیثیت سے نہیں ہے
بلکہ پولٹیکل امور اور خواہش سلطنت نے اس مخالفت کا بیج بو یا ہے۔

چوتھا جواب

قرآن نے یہ پیشینگوئی کی ہے کہ نصاریٰ کے درمیان مذہبی اور غیر مذہبی دونوں
قسم کی عداوتیں قیامت تک باقی رہینگی چنانچہ نصاریٰ کے اور فرقوں کو

چھوڑ کر صرف رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ دو فریق پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کیا معنی دنیا کے کسی مذہب کے دو گروہوں میں ایسی عداوت نہ کبھی تھی نہ اب ہے نہ ہو سکتی۔

خود انگلستان میں جارج سوم کے زمانہ میں تعصب اور مذہبی عدم آزادی گورنمنٹ کے اصول مسلمہ میں داخل تھی اور یہ تعصب اور مذہب کی عدم آزادی جن شکلوں میں ظاہر ہوتی تھی وہ صرف وحشیانہ ہی نہیں بلکہ تکلیف دہ ہوتی تھیں۔ ایک صدی نہیں گذری کہ فرانس میں "نینٹس" (مقام) کے شاہی فرمان کی تنسیخ کے بعد بیشمار مظالم ٹوٹ پڑے اور "ریولوشن" کے زمانہ تک ہر وقت ان مظالم کے اعادہ کا امکان تھا۔ یورپ کے دوسرے حصوں میں رومن کیتھولک، پراٹسٹوں پر ظلم و ستم کرتے تھے اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولکوں پر اور روس کا گریک چرچ ان دونوں کا جانی دشمن تھا۔ پھر ظلم و ستم بھی ایسے جنکو سنکر سنگدل آدمی کے بدن پہ بھی رونگٹے کھڑے ہوجائیں۔ ہر ایک فریق دوسرے فریق پر جب قابو پاتا، قتل کرڈالتا۔ پھانسی پر لٹکا دیتا اور طرح طرح کی ناگفتہ بہ ایذائیں پہونچاتا تھا۔

۲۲ر اکتوبر ۱۶۸۵ء کو فرانس کے تنگدل بادشاہ لوئی چہار دہم نے ایک فرمان شاہی شائع کیا جس کی رو سے پراٹسٹوں کی رہی سہی آزادی کا بھی بالکل خاتمہ ہوگیا اور آخر اس کا یہ تباہی بخش نتیجہ نکلا کہ اس فرمان کی اشاعت کے بعد فرانس کے تین لاکھ باشندے اپنا عزیز وطن چھوڑنے پر مجبور ہوے اور ہالینڈ پرشیا۔ انگلینڈ سوئٹزرلینڈ اور امریکہ میں جاکر پناہ گزیں ہوے جن میں عالم، فاضل اور صناع ہر قسم کے باکمال لوگ شریک تھے۔ یہ فرمان تاریخوں میں ناسخ فرمان نینٹس کے نام سے مشہور ہے۔

کوئی تاریخ دان دنیا کے کسی قوم اور کسی مذہب کے دو فرقوں میں ایسی عداوت نہیں

دکھا سکتا اور مسلمانوں کا تو ذکر ہی فضول ہے کیونکہ اسلام کے کسی دو فرقہ میں مذہبی عداوت سرے سے ہے ہی نہیں اور جسقدر بھی ہے اس کی بنا محض ملکی ہوس اور پالٹیکس ہے۔

بہرکیف قرآن کی یہ پیشینگوئی کہ نصاریٰ کے فیمابین قیامت تک بغض و عداوت رہیگی، اسوقت تک بالکل پوری اتر رہی اور آئندہ بھی انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

پیشنگوئی

(۹)

یہودیوں یا یہود و نصاریٰ میں قیامت تک باہمی عداوت رہیگی

قَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

یہودی کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ تنگ ہے۔ انہیں کے ہاتھ تنگ ہیں اور ان کے (اس) کہنے پر ان کو خدا کی پھٹکار (خدا کا ہاتھ تنگ نہیں) بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور جو تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے ضرور ان میں سے بہتیروں کی سرکشی اور کفر کے زیادہ ہونے کا باعث ہوگا اور (اسی حسد کی سزا ہے کہ) ہم نے ان کے آپس میں عداوتیں اور کینے ڈالدیئے ہیں (کہ وہ) قیامت تک (نکلنے والے نہیں)

ف

اس آیت کی تفسیر میں بین العلما اختلاف ہے۔
حضرت حسن اور مجاہد رحمہا اللہ کا یہ مذہب ہے کہ "بینہم" سے یہود و نصاریٰ

مراد ہیں یعنی یہود و نصاریٰ میں قیامت تک بغض و عداوت قائم رہے گی۔ اور یہود
نصاریٰ کو اسلئے مراد لیتے ہیں کہ اس سے پہلے ارشاد ہوا ہے:۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اَوْلِيَاءَ	مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔

حسن اور مجاہد کے سوا تمام مفسرین متفق ہیں کہ اس آیت میں صرف یہودیوں کی
باہمی عداوت مقصود ہے اور یہی مسلک درست ہے کیونکہ اس آیت میں صرف
یہود ہی کا بیان ہوا ہے اور نصاریٰ کا ذکر اس آیت سے بہت پہلے ہے جس کو آیت
مذکورہ سے کسی طرح پیوند نہیں ہو سکتا۔

بہرحال ہمارا مقصود ہر طرح حاصل ہے۔ اگر یہود و نصاریٰ کی باہمی عداوت مراد
لیں تو اس پیشینگوئی کی صحت مشاہد ہے کہ یہود و نصاریٰ میں جیسی کچھ بغض و عداوت
ہے مسلمان و نصاریٰ یا یہود و مسلمان میں نہیں ہے حالانکہ نصاریٰ بہ نسبت مسلمانوں کے
یہود سے بہت قریب ہیں۔ نصاریٰ ملت موسوی کو منسوخ نہیں سمجھتے بخلاف ان کے
مسلمان، تورات و انجیل دونوں کو منسوخ و ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔

اور اگر صرف یہود کی باہمی عداوت مراد لیں تو بھی پیشینگوئی صحیح اترتی ہے۔ یہودیوں کی
حکومت نہیں ہے اور مذہب میں بھی ایسا اہم اختلاف نہیں ہے جس سے نمایاں
طور پر باہمی عداوت معلوم ہو۔ پھر بھی جہانتک معلوم و مشہور ہے وہ یہی ہے
کہ ان کے فیما بین مخالفت ہے۔

اگر یہودیوں میں اختلاف نہ ہوتا تو ضرور اتفاق ہوتا جیسا کہ ایک شکستہ قوم کیلئے
درکار ہے اور اتفاق کی صورت میں وہ ضرور مجموعی قوت سے کوئی کام کرتے جو
فلاح کا ذریعہ ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ یہود کے
فیما بین عداوت تھا اور راسخ عداوت ہے۔

چھوٹی جماعت میں ہمیشہ عادۃً عصبیت اور اتفاق ہوا کرتا ہے جیسا کہ پارسیوں میں مشاہد ہے۔ یہود میں یہ بات بھی نہیں ہے جس سے آپس میں عداوت کا ہونا ظاہر ہے۔

اسکے علاوہ یہودیوں میں بیحیائی اور حرص حد درجہ کی ہے اور یہ دونوں صفتیں بلاشبہ کینہ۔ دشمنی۔ حسد کی مورث اور قاطع اتحاد و یک جہتی ہیں۔
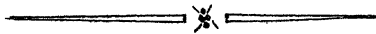
پیشنگوئی

(۱۰)

یہود کی جلاوطنی

سورۃ الحشر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔
هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ

وہ (خدا) ہی تو تھا جس نے کفار اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے نکال باہر کیا (اور یہ اُن کی تقدیر کا) پہلا حشر (تھا) جس کے لئے نکالے گئے۔

ف

مدینہ کے چار پانچ کوس کے فاصلہ پر یہودیوں کی ایک قوم آباد تھی جو بنی نضیر کھلاتی تھی مسلمانوں سے اُن کی صلح تھی مگر وہ لوگ دربردہ کفار مکہ سے سانٹ گانٹ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے پیغمبر خدا کے مار ڈالنے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ ایک روز آپ دیوار کے تلے بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ یہودیوں نے تاک کر اوپر سے چکی گرانی چاہی۔ یہاں تک نوبت پہونچی تو پیغمبر خدا نے ان کو جا گھیرا وہ بہت سٹ پٹائے اور آخر یہ بات ٹھیری کہ سب یہودی گھر بار چھوڑ کر ملک شام میں چلے جائیں۔ چنانچہ مال و متاع وغیرہ جو کچھ لیجا سکتے بن پڑا لیگئے۔ دو قبیلے آل ابی الحقیق اور آل حی بن اخطب خیبر میں رہ گئے اور ایک گروہ حیرہ میں رہ پڑا۔ باقی سارے یہودی جلاوطن ہو کر شام کی طرف چلے گئے۔

یہود کی اس جلاوطنی کو "پہلی جلاوطنی" سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے یہ پیشینگوئی نکلی کہ اہل کتاب دو بارہ بھی جلاوطن ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر اعظم رضہ نے اپنی خلافت میں تمام یہودیوں کو اُن کے فسادات کی وجہ سے جزیرۂ عرب سے جلاوطن کردیا اور یہ مقدس سرزمین ہمیشہ کے لئے ان شریروں کے منحوس وجود سے پاک ہوگئی۔
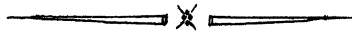
پیشگوئی

(۱۱) (۱۲)

کفار کا ذلیل ہونا اور کعبہ میں جاتے ہوئے ڈرنا

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ -

اور اس سے بڑھکر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے اور ان کی بے رونقی کے درپے رہے - یہ لوگ خود اس لائق نہیں کہ مسجدوں میں آنے پائیں مگر ڈرتے ڈرتے - ان کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں (بھی) بڑا (بھاری) عذاب ہے -

ف

کفار قریش ابتدائے اسلام میں پیغمبر خدا ؐ اور آپ کے اتباع کو خانہ کعبہ میں اذان دینے اور نماز پڑھنے سے مانع ہوتے تھے پیغمبر خدا کے رستہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے - ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے زبردستی آکر لیٹ پڑے اور گلا دبایا

ایک دفعہ سجدہ میں تھے کہ اونٹ کی اوجھڑی گردن پر رکھدی اور معمولی تکالیف کا تو کیا ذکر جو ہر روز ہوا کرتی تھیں یہاں تک کہ پیغمبر خدا مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کرکے مدینہ جا بسے تو بھی کفار مکہ اپنی دشمنی سے باز نہ آئے اور اقسام کے فتنے کرتے رہے۔

جب پیغمبر خدا نے ہجرت کے چھٹے برس عمرہ کرنے کے لئے مکہ جانا چاہا تو مکہ والوں نے نہ آنے دیا۔ ان آیات میں کفار کے ان ہی ظلموں کی طرف اشارہ ہے اور صاف الفاظ میں یہ پیشینگوئی ہے کہ کفار دنیا میں ذلیل ہوں گے اور اس لائق نہ رہینگے کہ علانیہ کعبہ میں آسکیں چنانچہ یہ پیشینگوئی پوری ہوکر رہی کہ آخر کار مکہ فتح ہوا۔ خانۂ خدا پر مسلمان قابض ہوگئے۔ کفار ذلیل وخوار ہوکر مارے ڈر کے بھاگے بھاگے پھرنے لگے اور مسلمانوں کو روکنا تو کجا خود ہی خانۂ کعبہ میں آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ یہاں تک کہ حج کے سال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عام منادی کردی کہ اب اس کے بعد سے مشرکین بیت اللہ کا حج نکرنے پائینگے۔

کفار کی دنیاوی ذلت سے یہی مراد ہے کہ جس بات سے وہ مسلمانوں کو روکتے تھے وہ خود ہی روکدئے گئے اور ان کا کعبہ میں جانا ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا اس سے بڑھ کر کون سی ذلت ہوگی؟۔ یہ ایک ایسی کھلی ہوئی پیشینگوئی ہے جس کی صحت آج بھی مشاہدہ کی جاتی ہے۔

ف

اب ہمارے وقتوں میں سنی شیعہ۔ مقلد غیر مقلد اپنی مسجد میں دوسرے فرقہ کے لوگوں کو نماز نہیں پڑھنے دیتے۔ ان کو اس آیت سے عبرت پکڑنی چاہیئے

اور جناب پیغمبر خدا صلعم کا تو یہ حال تھا کہ نجران کے عیسائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوے تو آپ نے اُن کو مسجد نبوی میں ٹھیرایا اور وہیں اونکو اُن کے طور پر عبادت کرنے کی اجازت بھی دی ؎

(١٣)

یہودیوں میں سے کم ایمان لائینگے اور زیادہ کفر پر ثابت رہینگے

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ

اور اگر اہل کتاب (بھی سب کے سب) ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا (مگر) ان میں سے تھوڑے ایمان لے آئے اور ان میں کے اکثر نافرمان ہیں۔

ف

اس آیت میں اہل کتاب سے بعض لوگ یہود و نصاریٰ دونوں کو مراد لیتے ہیں اور اکثر مفسرین صرف یہود کو مراد لیتے ہیں کیونکہ بعد والی آیت اور شان نزول اسی کی مؤید ہیں - بہرحال اس آیت میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ اہل کتاب میں سے بعض ہی لوگ ایمان لائینگے اور اکثر اپنی گمراہی پر قائم رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نصاریٰ میں سے نجاشی والی حبش اور اس کے چند اصحاب اور یہود میں سے عبد اللہ بن سلام چند نفوس تو مسلمان ہو گئے - باقی سب کے سب اہل کتاب اپنے مذہب پر قائم اور اسلام کی بیخکنی کی فکر میں لگے رہے -

(۱۴)

یہود معمولی ایذادہی کے سوا مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچا سکینگے

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى	(مسلمانو! معمولی) ایذادہی کے سوا یہود تمکو ہرگز (بڑا) نقصان نہ پہونچا سکینگے۔

ف

یہ بہت صریح پیشنگوئی ہے۔

یہود باوصف اتنی سخت دشمنی کے جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ تھی بجز معمولی ایذادہی اور سخت کلامیوں کے کوئی بڑا نقصان نہ پہونچا سکے۔ حالانکہ وہ مالدار لوگ تھے اور پیغمبر خدا اور آپ کے اصحاب کی مالی حالت بالکل درست نہیں تھی۔

پیشنگوئی

(۱۵)

یہود اگر جنگ کرینگے تو بھاگیں گے اور پھر ان کی شوکت باقی نہ رہیگی

جیسا کہ اسی آیت کے بعد ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ یُوَلُّوْکُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۔	اور اگر (یہود) تم سے لڑینگے تو ان کو تم سے پیٹھ پھیر تے ہی بن پڑے گی پھر (یہ بھی اطمینان رکھو کہ) ان کو (کہیں سے) مدد بھی نہیں ملے گی۔

ف

یہ ایک ایسی زبردست پیشنگوئی ہے جسکو پوری ہوتے ہوئے تمام دنیا نے دیکھا اور تاریخی اوراق آج تک اس کی صداقت کے شاہد ہیں۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار اور اہل اسلام میں قتال کی نوبت نہیں آئی تھی۔ اور جب نوبت آگئی تو یہودیوں نے شکست کھائی اور ایسی شکست کھائی کہ پھر مقابلہ کرنے کے لائق ہی نہ رہے اور نہ کہیں سے انہیں مدد ملی یہاں تک کہ مسلمانوں نے ان کو اُکھاڑ ہی

پھینکا۔ اور جزیرۂ عرب سے نکال باہر کیا۔ اس کے بعد سے جس بے شوکتی کی حالت میں وہ رہنے لگے آج ہی دنیا والے دیکھ رہے ہیں۔
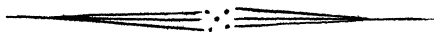
پیشنگوئی

(۱۶)

ہم کفار کے دلوں میں رعب بٹھا دینگے

جیسا کہ اسی سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَرُدُّوْکُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِیْنَ بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاکُمْ وَهُوَ خَیْرُ النَّاصِرِیْنَ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا اَشْرَکُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَمَاْوٰهُمُ النَّارُ۔

(مسلمانو!) اگر تم کافروں کے کہنے میں آجاؤگے تو تمکو اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹا لیجائینگے۔ پھر تم ہی اُلٹے گھاٹے میں آجاؤگے (کافر تمھارے خیرخواہ نہیں) بلکہ تمھارا (سچا) خیرخواہ اللہ ہے اور وہ سب مددگاروں سے بہتر ہے (گھبراؤ نہیں) ہم عنقریب تمھاری ھیبت کافروں کے دلوں میں بٹھا دینگے کیونکہ انہوں نے اُن چیزوں کو خدا کا شریک بنایا ہے جن کی خدا نے کوئی سند نہیں بھیجی اور (آخر) ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ف

جنگ احد میں مسلمانوں کو اپنے افسر اعلیٰ (محمد صلعم) کے حکم نہ ماننے کی وجہ

سے فتح کے بعد شکست اٹھانی پڑی تھی اور واپس ہوتے وقت ابوسفیان
کہتا گیا تھا کہ سال آئندہ ہم پھر قتال کریں گے اور اسوقت تم (مسلمانوں)
کو پورا مزا چکھا دینگے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تسلّی کرتا اور
ان کی ڈھارس بندھاتا ہے کہ ایک بار کی شکست کھانے سے بزدل
نہ بنو اور ہمت نہ ہارو۔ ہم تمھارے دشمنوں کو خود تم سے مرعوب اور ہیبت زدہ
کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے
وعدے کے مطابق ہزار پانچ سو کا لشکر لیکر بغرض قتال مدینہ سے باہر
نکلے۔ ابوسفیان بھی اپنا لشکر سنبھالتا ہوا ظہران یا عسفان تک آیا
مگر وہ بہادران اسلام سے ڈر گیا اور قحط کا بہانہ کر کے چلتا پھرتا نظر آیا
رسول اللہ صلعم نے آٹھ دن تک انتظار کیا اور اس کے بعد واپس چلے آئے
بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ تمام کفار عرب کو مسلمانوں
سے مرعوب اور پسپا کر دیا جائیگا اور ایسا ہی واقعہ ہوا کما سیفین
انشاء اللہ تعالےٰ۔

۱؎ سیرت ابن ہشام۔

(۱۷)

منافقوں کا دنیا میں کوئی یار و مددگار نہ ہوگا

جیساکہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ۔

اور روئے زمین پر نہ کوئی اِن (منافقوں) کا حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

ف

تاریخوں سے ثابت ہے کہ منافقوں کا راز فاش ہو جانے کے بعد کسی نے اُن کی مدد نہیں کی۔ منافقین نے جب کفار کا دامن پکڑا اور کفار کو ہزیمت ہوئی تو پھر اُنکو کہیں سے کوئی مدد نہ مل سکی اور آخر دونوں بے یار و مددگار تباہ و برباد ہو گئے۔

پیشنگوئی

(۱۸)

منافقوں پر دہری مار پڑیگی

جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ۔

اور (مسلمانو!) تمھارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے (بعض) منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے (بھی) جو نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں (اے پیغمبر!) تم ان کو نہیں جانتے ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں سو ابھی تو ہم (دنیا میں) ان کو دہری مار دینگے پھر (آخر) بڑے عذاب کی جانب لوٹائے جائینگے۔

ف

دوہری مار سے دنیا و آخرت کے دو عذاب مراد نہیں ہو سکتے جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے کیونکہ "ثم یردون" میں خود عذاب آخرت کی وضاحت کر دی گئی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ منافق پر دنیا میں دہری مار

پڑے گی پھر مرنے کے بعد عذاب عظیم ہوگا ۔ منافقین وہ لوگ تھے جو در اصل مذہب اسلام کے مخالف تھے مگر ظاہرا ، اپنے کو مسلمان کہتے تھے ۔ تا اگر مسلمانوں کو غلبہ ہو تو اپنا جان و مال محفوظ رہے لیکن آخر اُن کا راز فاش ہوا ۔ وہ پہلے مسلمانوں کی نظر میں بے اعتبار ہوے پھر دریردہ کافروں کا ساتھ دیا اور وہ ہوے مغلوب ازیں سو رانده وزاں سو مانده اسلام ظاہری کی وجہ سے مسلمان ان کا پاس کرتے اور ان کی جان و مال کے محافظ تھے ۔ کفر و نفاق ظاہر ہو پڑنے کے بعد منافقین کے جان و مال اور جورو بچے سب معرض خطر میں پڑ گئے یہ ہے دُہری مار کی پیشینگوئی ۔

پیشگوئی

(۱۹)

کفار اسلام کو ہرا نہیں سکتے بلکہ وہ خود ہارینگے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ہے۔ پہلی آیت سورہ ہود میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:-

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ۔

جو خدا کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے اور اُس میں کجی (پیدا کرنی) چاہتے ہیں اور یہی ہیں جو آخرت سے (بھی) منکر ہیں (تو) یہ لوگ نہ دنیا ہی میں (خدا کو) ہرا سکتے اور نہ خدا کے سوا کوئی ان کا حمایتی ہی کھڑا ہو سکتا ہے

دوسری آیت سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:-

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

کیا جو لوگ بُرے عمل کرتے ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہمارے قابو سے باہر ہو جائینگے (ایسا سمجھتے ہیں تو) یہ لوگ کیا ہی بُری تجویزیں کرتے ہیں۔

تیسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ	اور تم نہ تو زمین میں (چھپ کر خدا کو)
وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ	ہرا سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر)
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ	اور خدا کے سوا نہ تو کوئی تمھارا کارساز
لَا نَصِيْرٍ -	ہے اور نہ کوئی مددگار ہے -

چوتھی آیت سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

وَمَا اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ	اور تم (روئے) زمین پر (کسی طرف
وَمَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	بھاگ کر خدا کو) ہرا سکتے ہی نہیں
مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ	اور خدا کے سوا نہ کوئی تمھارا کارساز
	ہے اور نہ کوئی مددگار ہے -

ف

یہ سب آیتیں مکی ہیں اور یہ پیشنگوئی اسوقت کی گئی ہے جب کہ مسلمان بالکل بیدست وپا اور بے یار ومددگار تھے -

ایسی سخت مخالفت میں اور ایسے بیدست وپائی کے زمانہ میں یہ پیشنگوئی کرنی کہ کفار اسلام اور مسلمانوں کو ہرا نہیں سکتے ! اور اس کا بالکل پورا اترنا انسانی طاقت کا کام نہیں ہے -

پانچویں آیت شروع سورۂ توبہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے -

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ	جن مشرکوں کے ساتھ تم (مسلمانوں)
اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ	نے (صلح) کا عہد کر رکھا تھا اللہ اور
الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ	اوس کے رسول کی طرف سے ان کو
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا	صاف جواب ہے تو (اے مشرکو!)

اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ۔

چار مہینے (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) ملک میں چلو پھرو اور جانے رہو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے اور اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو منادی کی جاتی ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے دست بردار ہیں۔ پس (اے مشرکین) اگر تم توبہ کرو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر (اب بھی خدا و رسول سے) پھرے رہو تو جان رکھو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے۔

ف

ابتدا میں مسلمانوں کو بالکل کمزوری تھی یہاں تک کہ انھوں نے اپنا دیس چھوڑ چھوڑ حبشہ میں جا پناہ لی اور پیغمبر خدا بھی مکہ میں نہ ٹھیر سکے اور مجبور ہو کر مدینہ تشریف لائے۔ پھر یہاں لڑائیاں چھڑ گئیں۔ ہجرت کے چھٹویں برس آپ نے عمرے کے لئے مکہ جانا چاہا تو قریش نے حدیبیہ سے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ آخر کار بڑی مشکل سے صلح ہوی اور صلح ہوی بھی تو مغلوبانہ کہ پیغمبر خدا کو بے عمرہ کئے واپس آنا پڑا اور یہ ٹھیری کہ مسلمان اگلے سال عمرہ کی قضا کریں اور تین دن سے زیادہ نہ ٹھیریں، اور لڑائی دس برس تک موقوف رہے۔ لیکن قبائل قریش کینے

باز آنے والے نہ تھے اور آخر تین برس کے بعد قریش نے عہد شکنی کی پیغمبر خدا نے ہجرت کے نویں برس حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کو بھیج کر یہ منادی کرا دی کہ اب آئندہ مشرکین سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں۔ جن سے صلح ہے اور انہوں نے شرائط صلح کو نہیں توڑا اُن کے ساتھ مدت صلح تک صلح برقرار اور اُن کے سوا جنھوں نے صلح کے شرائط کو توڑ دیا ہے یا جن کے ساتھ صلح نہیں ہے اُن کو چار مہینے کی مہلت ہے اس مدت میں مسلمانوں کی اطاعت اختیار کریں یا لڑنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ یہ پیشنگوئی کرتا ہے کہ مشرکین یہ نہ سمجھیں کہ اُن کو چار مہینے کی مہلت اُن کے خوف یا اپنے عجز کی وجہ سے دی گئی ہے وہ خدا کو کسی طرح ہرا نہیں سکتے۔ پس اگر اس مدت میں وہ اپنے کئے سے تائب ہوں اور پیغمبر کی اطاعت اختیار کرلیں تو بہتر ہے ورنہ جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں مگر جانے رکھیں کہ وہ مسلمانوں کو ہرگز ہرا نہیں سکینگے۔

قرآن نے اس دعوے کے ساتھ چار مہینے کی مہلت دیکر ان کے عاجز ہونیکی پیشنگوئی فرمائی اور وہ حرف بحرف ٹھیک اتری۔ ابو بکر صدیقؓ اور علی مرتضیٰؓ نے ایام حج میں برملا اور عام طور پر منادی کردی کہ اب کوئی مشرک کعبہ کا حج نکرنے پائیگا۔ کوئی مرد و عورت برہنہ طواف کعبہ نکرسکیگا اور مرنے کے بعد کوئی غیر مسلمان جنت میں نجائے گا۔ کفار و مشرکین نے یہ سب کچھ اپنے کانوں سنا پھر بھی وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں زرد روئی ہی رہے۔ کیا یہ بات انسانی طاقت سے باہر نہیں ہے؟۔

(۲۰)

کفار ہارینگے اور مغلوب ہونگے

پہلی آیت سورۃ النور میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۔ (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرو کہ دیہ کافر زمین پر (اسلام کو) ہرا دینے والے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ یہ شیطانی گروہ ہے۔ سنو جی! شیطانی گروہ ہے (آخرکار) برباد ہوگا۔

ف

یہ پیشنگوئی جس طرح پوری ہوئی وہ تاریخ جاننے والوں پر آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے جس میں مخالفین کو نہ شک کرنے کی گنجائش ہے نہ انکار کا یارا ہے۔ بلاشک اکافروں نے خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے سچے بندوں کو چند دن تک خوب ستایا۔ ایذادہی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ پھر آخر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کا جتھہ رفتہ رفتہ مضبوط ہوا۔ انہوں نے چند ہی دنوں میں پر و پرزے درست کرکے اپنی جگہ سے جنبش کی

کافروں کو ایسا تنگ پکڑا کہ انہیں مسلمانوں کے ہیبت و رعب سے چھپنے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ دنیا اُن پر تنگ ہوگئی۔ خدا کی پیشینگوئی پوری ہوئی اور آخر اللہ کا ہی بول بالا رہا۔

پہلی آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

یہ خدائی گروہ ہے ۔ سنو جی! خدا کا گروہ ہی آخرکار فلاح پانیوالا ہے

دوسری آیت سورۃ الصافات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِينٍ وَّأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ

بے شک ہمارا لشکر (اسلام) ضرور غالب آکر رہے گا تو (اے پیغمبر!) چند روز ان منکروں سے تعرض نکرو اور ان کو دیکھتے رہو آگے چلکر یہ خود (اپنا نتیجہ) دیکھ لینگے۔

ف

یہ آیت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں بطور یقینی امر کے پیشنگوئی کی گئی ہے کہ کفار سے چند روز اور تعرض نکرو ۔ کوئی دن جاتا ہے کہ یہ لوگ اپنے کئے کا نتیجہ دیکھیں گے اور لشکر اسلام ضرور ان پر غالب آکر رہے گا

تیسری آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ

خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور (کافروں پر) غالب آکر رہیں گے بے شک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے

چوتھی آیت سورہ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:—

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) خدا کے رستے سے روکا پھر کفر ہی کی حالت میں مر گئے۔ خدا اُنکو ہرگز نہیں بخشیگا تو (مسلمانو!) تم بودے نہ ہو اور (خود پیام دیکر دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور (جانے رہو کہ آخرکار) تم ہی غالب رہوگے اور اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے عملوں (کے ثواب) میں کسی طرح کی کمی نہیں کرے گا۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ تم کافروں سے دب کر صلح نہ کرو نہ ان کو خود صلح کی طرف بلاؤ کیونکہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور تمکو کافروں پر غالب کرکے رہیں گے۔

کیسی زبردست پیشگوئی ہے کہ پیشگوئی کرنے والا صرف غیب کی ایک خبر ہی نہیں دیتا بلکہ یقین و صراحت کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ چونکہ تمھارا غلبہ یقینی ہے اس لئے بودے بنکر او دشمنوں سے دب کر صلح

کی طرف نہ لپکو۔
کفار عرب اور دشمنان اسلام ، مسلمانوں سے جیسا کچھ مغلوب ہوکر رہے اسکی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی مغلوبیت اور مسلمانوں کے غلبہ کے کھلے آثار موجود ہیں۔ اور تو اور یہ ہے کہ ملک عرب میں سوائے اسلام کے دوسرا کوئی مذہب ہی باقی نہ رہا۔
ایسی بیچارگی کے وقت کہ مسلمانوں کے پاس نہ کھانے کو روٹی تھی نہ پہننے کو کپڑا نہ رہنے کو مکان اور پھر شمار میں اتنے کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے قرآن کی یہ پیشینگوئی کہ تمہارے دشمن تم سے مغلوب ہوکر ہار جائینگے۔ اُن کے دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھ جائے گی اور تم ہی غالب رہو گے۔ اور پھر اس پیشینگوئی کا پورا ہوکر رہنا ، اسلام کی حقانیت اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کی بڑی زبردست دلیل ہے۔
تو اے بصیرت والے مخالفین! تعصب چھوڑو۔ دل کے آئینے سے دشمنی و جہالت کے زنگ کو دور کرو۔ قرآن کی مافوق العادت خوبیوں کو غور سے دیکھو اور صدق دل سے کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ میں ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ البتہ دو جنگوں میں مسلمانوں کو ایک طرح کی ناکامی ہوی تھی لیکن اولاً تو وہ ناکامی خود مسلمانوں ہی کی غلطی سے ہوی کہ اپنے سردار (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی پوری پابندی نہیں کی اور ظاہر ہے کہ جو فوج اپنے افسر کے حکم پر نہ چلیگی وہ ضرور نقصان اوٹھائیگی۔
دوسرے یہ کہ یہ جنگیں درمیانی تھیں۔ انجام کار کفار ہی کو شکست ہوی اور اعتبار انجام کا ہے۔

پیشنگوئی

(۲۲)

جو لوگ پیغمبر کے قتل کی فکریں کر رہے ہیں انکی سب تدبیریں اور مکاریاں ملیامیٹ ہوجائینگی

یہ زبردست پیشنگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر کیگئی ہے۔

پہلی آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ

اور یہ لوگ جو (تمہاری مخالفت میں) تدبیریں کر رہے ہیں تم اس سے تنگدل نہ ہو (کیونکہ) جو لوگ پرہیزگاری کیا کرتے ہیں اور جو (لوگوں کے ساتھ) حسن سلوک سے پیش آتے ہیں اللہ اُن کا ساتھی ہے۔

دوسری آیت اسی طرح کی سورۃ النمل میں ہے۔

تیسری آیت سورۃ ابراہیم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ

اور ان لوگوں نے بھی اپنا مکر کیا اور ان کی (سب) چالیں خدا کی نظر میں ہیں اور اگرچہ اُن کی چالیں (اس بلا کی)

الْجِبَالَ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ

ہیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ٹال دیں تو (اے پیغمبر!) ایسا خیال نکرنا کہ خدا جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کر چکا ہے اس کے خلاف کرے گا بے شک اللہ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

چوتھی آیت سورۃ الفاطر میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَالَّذِیْنَ یَمْکُرُوْنَ السَّیِّاٰتِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَمَکْرُاُولٰٓئِکَ ھُوَ یَبُوْرُ

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ (تمہارے قتل وایذا کے لئے) بری بری تدبیر کرتے ہیں اُن کو سخت سزا ہونی ہے اور اُن کی (سب) تدبیریں وہی (آخرکار) ملیامیٹ ہوجائنگی

یہ سب آیتیں مکی ہیں۔

ف

کفار عرب نے ہرطرح کوشش کی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعوی رسالت سے باز آجائیں۔ آپ کو اور آپ کے پیروں کو طرحطرح کی تکلیفیں پہونچائیں تا پریشان ہوکر اسلام چھوڑ بیٹھیں اور دوسرے لوگ اس ڈر سے اسلام قبول کرنیکی جرأت نہ کریں مگر جب کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ مذہب اسلام قوت ہی پکڑتا جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کی فکریں سوچنے لگے چنانچہ ایک روز دار الندوہ میں مجلس شوری مرتب ہوئی اور اس میں یہ طے پایا کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی منتخب ہو اور سب ملکر محمد (علیہ السلام) کو مار ڈالیں اور اسطرح قتل کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر بنوہاشم قصاص لینا چاہیں گے تو نہ لے سکینگے

کیونکہ ایک آدمی کے عوض میں بہت سے لوگ قتل نہیں ہو سکتے۔ لامحالہ وہ خون بہا (دیت) لینے پر مجبور ہوں گے اور دیت کا انتظام نہایت آسانی سے ہو سکتا ہے دیت سب لوگ ملکر دیدیں گے کسی پر گراں بھی نہ گذرے گا اور سب بکھیڑا بھی ہمیشہ کے لئے سٹ جائے گا۔ اسی واقعہ کو اللہ تعالے نے بعد میں یوں ارشاد فرمایا:۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْیَقْتُلُوْكَ اَوْیُخْرِجُوْكَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ

اور اے پیغمبر وہ وقت یاد کرو۔ جب کافر تم پر داؤ چلانا چاہتے تھے تاکہ تم کو گرفتار کر رکھیں یا تم کو مار ڈالیں یا تمکو جلاوطن کردیں اور (حال یہ تھا کہ) کافر اپنا داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنیوالوں سے بہتر (داؤ کرنے والا) ہے۔

یہ آیت مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالے نے پیغمبر پر اپنا احسان جتلا رہا ہے کہ باوجود کفار کی سر توڑ کوششوں کے ہم نے تمہیں کیونکر بچا لیا؟

غرض ان آیات مذکورۂ بالا میں اللہ تعالے نے رسول حق کو واقعہ کی خبر دیکر تسلی و تشفی کرتا ہے کہ دشمنوں کے ان فریبوں سے تم آزردہ خاطر نہو۔ ان کی سب تدبیریں ملیامیٹ ہونگی اور اس ایذادہی کی پاداش میں ان کو سخت سزا دیجائیگی اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالے نے پیغمبر خدا کو ان پوشیدہ سازشوں سے خبردار کر دیا۔ آپ ان سب کی آنکھوں میں خاک ڈالکر مدینہ منورہ چلے گئے۔ کوئی آپ کا ایک بال بھی بیکا نکر سکا اور اسلام اسی طرح روز افزوں ترقی کرتا رہا جیساکہ سب کو

معلوم ہے۔

وقت معینہ پر جب کفار قتل کرنے کی غرض سے پیغمبر کے خوابگاہ میں گھسے تو بستر پر بجائے محمد مصطفےٰ کے علی بن ابی طالب کو پایا۔ پریشان ہو کر پوچھنے لگے کہ محمدؐ کہاں ہیں؟ علیؓ نے جواب دیا کہ وہ تو تمھارے سامنے سے ہو کر مدینہ کی طرف گئے۔

پھر تو ان دشمنوں نے ہر طرف جاسوس دوڑائے کہ محمد (صلعم) جہاں ملیں گرفتار کر لو مگر ؎

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

پیغمبر خدا اور ابوبکر صدیقؓ جس غار میں چھپے ہوئے تھے اس پر سے دشمنوں اور تلاش کرنے والوں کا بارہا گذر ہوا لیکن پیغمبر کے سایہ تک کا کسی کو نشان نہ ملا اور سب ہاتھ مل کر رہ گئے ؎

بہرحال کفار کی تدبیروں کی ملیامیٹ ہونے کی یہ پیشنگوئی ہے ان کی سب تدبیریں بیکار گئیں پیغمبر خدا صلعم اور مومنین فیروز مند رہے اور پیشنگوئی صحیح اتری۔

———— ؎ ؎ ————

عـه ابن کثیر ۱۲

پیشنگوئی

(۲۳)

پیغمبر اسلام ہر طرح محفوظ رہیں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ	تو اگر تمھاری طرح یہ لوگ بھی اُن ہی چیزوں پر ایمان لائیں جن پر تم ایمان لائے ہو تو بس راہ راست پر آ گئے اور اگر انحراف کریں تو (سمجھو کہ) بس وہ (تمھاری) ضد پر ہیں (اور قابو پائیں تو ستائیں) تو (اے پیغمبر!) ان سے خدا (کا حفظ) تمہارے لئے کافی ہوگا

دوسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ	اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھیگا کیونکہ اللہ ان لوگوں کو جو کفر کرتے ہیں (ایسا رستہ) (بھی) نہیں دکھائیگا۔

دوسری آیت سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے:۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ	اور (اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کے

فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ | حکم کے انتظار میں صبر سے بیٹھے رہو کہ تم ہماری نگرانی و حفاظت میں ہو

ف

کافران عرب، حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تو تھے ہی۔ دن رات نت نئی ایذا پہونچاتے رہتے تھے یہاں تک کہ ایذا دہی پر بھی صبر نہ آیا تو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ شانہٗ رسول اللہ صلعم کو ایک یقینی پیشینگوئی کے ساتھ تسکین دیتا ہے کہ تم کفار کی ان چالوں سے گھبرانا نہیں، ہم خود تمھارے حافظ و نگہبان اور نگران حال ہیں۔ تم بال بال ان کے شر سے محفوظ رہو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دشمنان اسلام باوجود اپنی سخت مخالفتوں اور سر توڑ کوششوں کے خود ذلیل و برباد ہوئے اور پیغمبر کا ایک بال تک بیکا نہ ہو۔

لطیفہ

امیرالمومنین خلیفہ ہارون رشید عباسی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک منجم آیا۔ اس نے چند غیبی باتیں کہیں جو پوری ہوگئیں۔ خلیفہ کو اس پر اعتماد آگیا۔ پوچھا کہ بھلا یہ تو بتاؤ ہماری عمر کتنی ہے۔ منجم نے زائچہ وغیرہ کھینچکر غور و خوض کے بعد بتایا کہ یہ سال آپ پر نہیں گذرے گا۔ چند باتوں کے پورا ہونے سے خلیفہ کو تو اس کی باتوں کی تصدیق ہوچکی تھی اس نے کمی عمر کی جو خبر دی حواس جاتے رہے۔ جب دانشمند وزیر کو حقیقت سے آگاہی ہوئی خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ دیر تک گفتگو ہوتی رہی مگر منجم کی بات کا خیال نہ گیا۔

وزیر نے عرض کیا کہ امیرالمومنین اجازت دیں تو میں منجم کا صدق و کذب ابھی

معلوم کر لوں۔ خلیفہ نے اسکو منظور فرمایا۔ منجم خلیفہ کے روبرو حاضر کیا گیا۔ وزیر نے پوچھا کہ تم نے ہمارے خلیفہ کی جو عمر بتائی ہے کیا وہ صحیح ہے منجم نے کہا بیشک اور یہ بات اٹل ہے جو جھوٹ ہو نہیں سکتی۔

وزیر نے پوچھا بھلا تم دنیا میں کتنے دنوں زندہ رہوگے۔ منجم نے دیر تک غور و غوض کرنے کے بعد جواب دیا کہ میں بیس برس کے اندر کسی طرح مر نہیں سکتا۔ وزیر نے دوبارہ کہا کہ دیکھو خوب سوچکر جواب دو بولا۔ بس یہ غلط ہو نہیں سکتا۔ اتنا سنتے ہی وزیر نے تلوار کھینچکر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ منجم کا سر تن سے جدا ہوگیا۔ اس کے بعد خلیفہ سے دست بستہ عرض کیا کہ امیر المومنین! اس جھوٹے غیب دان کا کذب ظاہر ہوگیا۔ جب اس کاذب کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو دوسروں کی صحیح عمر کیا بتا سکتا تھا۔ یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط ہم کو اس سے بحث نہیں۔ اس ایراد سے ہماری غرض یہ ہے کہ کفار مکہ کو جس حد تک پیغمبر اسلام علیہ السلام سے عداوت تھی وہ تاریخ جاننے والوں پر مخفی نہیں ہے یہاں تک کہ جان ہی لینے پر تل گئے۔ اور بلاشبہ اگر قادر مطلق اللہ تعالےٰ کی نگرانی اور غیبی حفاظت نہ ہوتی تو وہ اپنے ارادہ میں کامیاب بھی ہو جاتے پس ایسی حالت میں کہ عرب کا سارا خونخوار ملک انتہائے مخالفت اور اہلاک پر تلا ہوا تھا اور حضرت سرور کائنات اور مسلمانوں کی جماعت کو کفار عرب کے ساتھ وہی نسبت تھی جو رائی کے دانہ کو پہاڑ کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ قرآن کی یہ پیشینگوئی کہ تم بالکل محفوظ رہوگے اور پھر اس پیشینگوئی کا پورا اترنا قرآن کے کلام اللہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

پیشنگوئی

(۲۴)

مخالفین تحویل قبلہ پر اعتراض کرینگے

جیساکہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ عنقریب کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے) تھے (یعنی بیت المقدس) اس سے اُن کے (کعبہ کی طرف کو) مڑجانے کی کیا وجہ ہوئی (اے پیغمبر تم یہ) جواب دو کہ مشرق اور مغرب (سب اللہ ہی کا ہے۔ جسکو چاہتا ہے (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم شروع میں بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے یہاں تک کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی کوئی ڈیڑھ برس تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ خانۂ کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرو

اس حکم کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ نے یہ پیشگوئی بھی فرمادی کہ دشمنان اسلام اس تحویل قبلہ پر ضرور اعتراض کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
یہود تو بات بات پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے اُن کو یہ ایک نیا شگوفہ ہاتھ آیا کہ پیغمبر کی رائے کو بھی کچھ ثبات نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس کا جواب پہلے ہی بتادیا کہ اللہ کے علم میں پائدار قبلہ یہی خانۂ کعبہ تھا اور مسلمانوں سے مصلحۃً چند روز کے لئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھوائی چنانچہ یہ مصلحت اسی پارہ میں آگے مذکور ہے۔
یہ پیشگوئی، کوئی بہت بالشان اور مافوق العادت بات نہیں ہے۔ موجودہ واقعات پر نظر کرکے ایسی رائے قائم ہوسکتی ہے۔ لیکن چونکہ فی نفسہ یہ پیشگوئی ہے گو ادنیٰ درجہ کی ہو اس لئے اس کو بھی لکھ دینا ضروری معلوم ہوا۔

پیشگوئی

(۲۵)

منافقوں کا بھانڈا پھوٹا

سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۔ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ

(تم پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھو گے) وہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور تم لوگوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے یہ لوگ (جھوٹی قسمیں کھا کر) آپ اپنے کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ضرور جھوٹے ہیں (اے پیغمبر!) خدا تمہارا قصور معاف کرے تم نے ان کو پیچھے رہنے کی) اجازت ہی کیوں دی۔ اسوقت تک کہ تم پر سچے (علیحدہ) ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو معلوم کر لیتے (اے پیغمبر!) جو لوگ خدا کا اور روز آخرت کا

یقین

بِاالْمُتَّقِيْنَ اِنَّمَا
يَسْتَاْذِنُكَ
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ
فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ
يَتَرَدَّدُوْنَ ۔

اس بات کی رخصت مانگتے نہیں
کہ اپنے جان و مال سے شریک
جہاد نہوں - اور اللہ پرہیزگاروں کو
خوب جانتا ہے (پیچھے رہ جانے
کے لئے) تم سے خواہان اجازت
وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کا اور
روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے اور
ان کے دل شک میں پڑے
ہیں تو وہ اپنے شک (کی حالت)
میں حیران ہیں (کہ کیا کریں کیا
نہ کریں) سورۃ التوبہ ع ۱۴

(۳)

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ
وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ
وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ
يَّفْرَقُوْنَ لَوْ يَجِدُوْنَ
مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ
اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا
اِلَيْهِ وَهُمْ
يَجْمَحُوْنَ ۔

(یہ منافق تمہارے سامنے) قسمیں
کھا لیتے ہیں کہ وہ بھی تم ہی میں کے
ہیں حالانکہ وہ تم میں کے نہیں
ہیں بلکہ وہ بزدل لوگ ہیں اگر
کہیں پناہ پائیں یا (چھپ رہنے
کے قابل) غار یا گھس بیٹھنے کی
(کوئی اور) جگہ تو رسی تڑا تڑا
کر اس کی طرف دوڑ پڑیں
(سورۃ التوبہ ع ۱۴

(٣)

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ۔

ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ خیرات (کی تقسیم) میں تم پر (بے انصافی کا) الزام لگاتے ہیں ان کو اس میں سے (خواہش بھر) دیا جائے تو خوش رہتے ہیں اور اگر ان کو اس میں سے (خواہش بھر) نہ دیا جائے تو بس وہ فوراً بگڑ جاتے ہیں (التوبہ ع۷ ۱۳)

(٤)

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ۔

(مسلمانو! یہ لوگ) تمھارے سامنے خدا کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو راضی کرلیں۔

(٥)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

اور (مسلمانو!) تمھارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے (بعض) منافق ہیں اور خود مدینہ کے رہنے والوں میں سے جو نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں (اے پیغمبر!) تم انکو نہیں جانتے ہم ان کو جانتے ہیں (التوبہ ۱۲ ع ۱۱)

(۶)

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۔

اور جس وقت کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے بعض لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھنے لگتے ہیں کہ بھلا اس سورہ نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھا دیا ۔

(۷)

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا

اور جب کوئی سورۃ نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے ایک کی طرف ایک دیکھنے لگتا ہے پھر (یہ کہکر) کہیں تم کو کوئی دیکھتا تو نہیں (اٹھ کر) چلدیتے ہیں (سورۃ التوبۃ ۱۶ع)

(۸)

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۔

اور ان (منافقوں) میں سے بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کان (کا بڑا کچا) ہے ۔

ف

یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے جو بڑے امتحان کا معرکہ تھا۔ گرمی کا موسم۔ دور کا سفر۔ اپنی بے سرو سامانی اور نخلستان پھلے ہوئے کہ یہی اہل مدینہ

کی معاشں کا ذریعہ تھا تو اس لڑائی میں پانچ فریق ہو گئے۔
اوّل پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین اور انصار کہ انہوں نے مشکلات
کی مطلق پروا نہ کی اور بے پس و پیش چل کھڑے ہوئے۔
دوسرا فریق ان ہی مہاجرین اور انصار میں وہ تھا جو نکلتے ہوئے ہچکچاتے
تھے مگر آخرکار چل کھڑے ہوئے۔
تیسرا فریق خاص تین آدمی تھے۔ کعب بن مالک۔ ہلال بن اُمیہ اور مرارہ
بن ربیع کہ یہ لوگ کاہلی کے مارے بچھڑ رہے۔ پیغمبر خدا مدینہ میں واپس
آئے تو یہ لوگ بھی حاضر خدمت ہوئے اور جب ان سے بچھڑ جانے کی
وجہ پوچھی تو جو سچ بات تھی وہ کہدی کہ قصور ہوا۔ ان ہی تینوں کی نسبت
پیغمبر خدا نے حکم دیا تھا کہ وحی کا انتظار کرو خدا کا جیسا حکم ہوگا کیا جائے گا
چوتھا وہ فریق جو کسی واقعی عذر سے نہ جا سکے۔ پانچواں فریق منافقین
کا ہے کہ اس تمام سورۃ میں ان پر بہت ملامت کی گئی ہے۔ انہیں لوگوں
نے حیلے اور بہانے بنائے۔ اور وہ جو تین آدمیوں کی نسبت پیغمبر خدا
نے وحی کا انتظار کرنے کے لئے فرمایا تھا ان کا قصور معاف کردیا جیسا
کہ اسی سورۃ التوبہ میں بصراحت مذکور ہے۔
غزوۂ تبوک کی اجمالی کیفیت ہم عنقریب بیان کریں گے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ
نے منافقوں کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنے کو
کو مسلمانوں کا طرفدار بتاتے تھے تاپیغمبر خدا ، اور دوسرے اہل اسلام
دھوکے میں رہیں اور اس دھوکے سے انہیں کوئی نقصان نہ پہونچے ۔
پہلے تو اللہ تعالیٰ نے چند بدویوں ، مدینہ کے ارد گرد کے رہنے والو
اور خود مدینہ کے بعض لوگوں کو منافق فرمایا۔ پھر ان کی چند شناخت

بتا دی کہ وہ سب منافقین سچے مسلمانوں سے ممتاز ہو گئے۔ پیغمبر خدا اور مسلمان ان کو سمجھ گئے۔

پہلی شناخت یہ کہ وہ ساتھ چلنے کے لئے عذر و بہانہ کرتے ہیں اور مدینہ میں رہنے کی اجازت مانگتے ہیں حالانکہ سچے مسلمانوں کو اس کی ضرورت ہی نہیں جبکہ پیغمبر ان میں موجود ہے۔

دوسری شناخت یہ ہے کہ وہ بلا ضرورت مسلمانوں سے قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہارے طرفدار اور تمہارے جیسے مسلمان ہیں اور یہی ان کے جھوٹے اور منافق ہونے کی دلیل ہے۔

تیسری شناخت یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا پر بے انصافی کا الزام لگاتے ہیں کہ خیرات انصاف سے تقسیم نہیں کرتے۔ مطلب یہ کہ بہت سی خیرات ہمیں کو دیدیں تو جن کو خواہش مطابق ملی وہ خوش ہو گئے اور جن کو انصاف سے حصہ بقدر ملے وہ بگڑ بیٹھے۔

چوتھی شناخت یہ ہے کہ جب قرآن کی کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے تو بعض منافقین بعض سے پوچھتے ہیں کہ بھلا اس سورہ کے سننے سے کسکا کا ایمان بڑھا اور یہ پوچھنا دراصل اسلام کا استہزا ہوتا ہے۔

پانچویں شناخت یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے دیکھنے لگتا ہے اور موقع ملا تو کانا پھوسی کر کے دوسروں کی آنکھیں بچائے ہوئے نکل جاتے ہیں۔

چھٹویں شناخت یہ ہے کہ وہ پیغمبر خدا کو کان کا کچا کہتے ہیں۔

منافقین کی ان شرارتوں پر پہلے کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی جب اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر اور مسلمانوں کو ان کی پہچان بتلا کر ان سے خبردار کر دیا تو

ان کی ہر ہر ادا کو مسلمانوں نے جانچنا شروع کیا اور سارے منافقین کو پہچان کر الگ کر لیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے ان منافقوں کے نام نہیں بتلائے اور اس نام کی صراحت نکرنے کی دو وجہہ ہیں؛

اوّل یہ کہ جب ان کی شناخت پوری پوری بتلا دی گئی تو ناموں کے صراحت کی کچھ ضرورت ہی نہیں رہی اور یہ طریقہ زیادہ ابلغ ہے بہ نسبت اس کے کہ نام بنام بتایا جاتا۔

دوسری وجہ یہ کہ ناموں کی صراحت کرنے سے غیبت کی بری نظیر قائم ہوتی۔ پس گویا تنبیہ کے ساتھ یہ تعلیم بھی دیدی کہ ایسے مواقع پر اظہار کا کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔؟ جو تہذیب کے خلاف بھی نہو اور صلاح واظہار بھی ہو جائے۔

قرآن میں فرعون، ہامان اور ابولہب وغیرہ کے ناموں کی صراحت جو کر دی گئی ہے اُس کی یہ صورت نہیں ہے۔ فرعون وغیرہ کے قصے اگلی کتابوں میں موجود تھے اور ان کا اخفار علاوہ عبث ہونے کے بیان قصہ میں خلل انداز ہوتا اور بیان کی دلچسپی اور اثر جاتا رہتا۔ قطع نظر اس کے فرعون و ابولہب وغیرہ اس درجہ کے سرکش و مفسد لوگ تھے اور اسلام کو اس درجہ اُن سے ایذائیں پہونچیں کہ ان نالائقوں کا بدنام کرنا ہی عین تہذیب اور اصلاح خلق ہے۔ علمائے مفسرین اور مورخین نے اُن منافقین کے نام صراحت سے اپنی کتابوں میں درج کئے ہیں جنھوں نے غزوۂ تبوک میں پیغمبر خدا کا ساتھ نہیں دیا اور درپردہ ان پاک نفوس کی ہلاکت کے درپئے رہے۔ علامہ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ کاتب

دینوری ایک ایسا ثقہ اور بہتر مورخ گذرا ہے جسکو ہر زمانہ کے ہر طبقہ نے مسلم اور معتبر تسلیم کیا ہے۔ اس نے اپنی کتاب **معارف** میں منافقین کے ناموں کی جو صراحت کی ہے ہم بلفظہ یہاں نقل کرتے ہیں:۔

اسمار منافقین

۱ عبد اللہ بن اُبَیّ ابن سلول ۲ سعد بن ابی سرح

۳ ابو حاضر الاعرابی ۴ جلاس بن سوید بن صامت

۵ مجمع بن حارثہ ۶ ملیح التیمی۔

اور یہ وہ شخص ہے جس نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی اور مسلمان ہو کر اسلام سے منحرف اور مرتد ہو گیا۔

۷ حصین بن نمیر ۸ طعیمہ بن اُبیرق

۹ مرہ بن ربیع ۱۰ ابو عامر

اور یہ تمام منافقوں کا سردار تھا۔

پیشنگوئی

(۲۶)

جب تم جنگ سے لوٹو گے تو منافقین عذر کریں گے

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ
اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ
قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا
لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ
نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ
اَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى
اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ
اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا
عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا

(مسلمانو!) جب تم منافقوں کے
پاس واپس جاؤ گے تو وہ تمہارے
سامنے عذر پیش کریں گے۔

(تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہدو
کہ باتیں نہ بناؤ ہم کسی طرح تمہارا
اعتبار کرنے والے نہیں اللہ
تمہارے حالات ہمکو بتا چکا ہے
اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول
تمہارے کردار کو دیکھینگے پھر تم
کو اس (قادر مطلق) کی طرف
لوٹایا جائے گا جو حاضر و غائب
کو جانتا ہے پھر جو کچھ تم دنیا میں
کرتے رہے ہو وہ تمکو بتا دیگا۔

(مسلمانو!) جب تم (جہاد سے)
لوٹ کر ان کے پاس واپس جاؤ گے

عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاۤءً بِمَا يَكْسِبُوْنَ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ

تو یہ لوگ ضرور تمہارے آگے خدا کی قسمیں کھائینگے تاکہ تم اُن سے درگذر کرو تو ان کو منہ نہ لگانا کیونکہ یہ لوگ گندے ہیں اور (آخر کار) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے (اور یہ) اس کا بدلہ (ہوگا) جو (دنیا میں) وہ کرتے تھے۔ یہ تمہارے آگے قسمیں کھائینگے تاکہ تم اُن سے راضی ہوجاؤ بس اگر تم اُن سے راضی (بھی) ہوجاؤ تو اللہ ان نافرمان لوگوں سے راضی ہونے والا نہیں۔ (سورۃ التوبۃ پ ۱۱ ع ۱۲)

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سب سے اخیر لڑائی تبوک کی تھی۔ تبوک ملک شام کا ایک شہر ہے جہاں روم کی عملداری تھی اور وہ لوگ نصاریٰ تھے۔ مشہور یہ ہوا کہ عرب میں قحط پڑا ہے اور پیغمبر خدا کی نسبت دشمنوں نے اڑا دیا کہ اُن کا انتقال ہوگیا۔ بادشاہ روم کو ملک عرب کے زیر کرنے کا حوصلہ ہوا۔ اس نے کچھ لشکر اس طرف کو متوجہ کئے۔ جب پیغمبر خدا کو معلوم ہوا تو ملک گیری کی غرض سے نہیں۔ لڑنے کے لئے نہیں بلکہ صرف رومیوں کے حوصلے پست کرنے کے ارادے سے آپ نے چڑھائی کی۔ موسم موافق نہ تھا کہ

سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ ادہر نخلستان کی فصل تیار تھی کہ اُسی پر مدینہ والوں کی گذران تھی۔ بے سامانی کا یہ حال تھا کہ ہتھیار اور باربرداری بقدر ضرورت موجود نہیں مگر پیغمبر خدا کو تو صرف یہ منظور تھا کہ ادہر سے سبقت ہو اور رومی دھمکی میں آجائیں چنانچہ لڑائی بھڑائی کچھ ہوئی بھی نہیں۔ مگر بعض دودلے مسلمانوں نے پیغمبر صلعم کا ساتھ دینے میں مضائقہ کیا۔ اور اس کے لئے طرح طرح کے حیلے بنائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی پر تشریف لے گئے تو منافقین نے جو ظاہر میں اپنے کو مسلمان کہتے اور دراصل اسلام کے دشمن تھے آپ کا ساتھ نہیں دیا اور آلا بالا بتاکر گھر وں میں بیٹھ رہے۔

غزوہ تبوک سے فراغت ہونے کے بعد اللہ تعالے نے ان آیتوں کے ذریعہ سے منافقوں کا راز افشا کر دیا۔ ان آیتوں میں دو پیشنگوئیاں ہیں۔

اوّل یہ کہ جب تم واپس جاؤ گے تو وہ لوگ آکر اپنے شریک نہ ہونے کی حجت بیان کریں گے اور عذر و معذرت کریں گے مگر تم اون کا عذر نہ سننا اور کہدینا کہ اللہ تعالے نے تمھارے کفر و نفاق سے ہم کو خبردار کر دیا ہے اب باتیں نہ بناؤ۔

دوسری پیشنگوئی یہ کہ جب تم مدینہ پہونچو گے تو یہ منافقین قسمیں کھائیں گے تا ان پر اعتماد کرکے اُن کی خطاؤں سے درگذر

کیا جائے۔

یہ دونوں پیشنگوئیاں پوری ہوئیں اور بعینہٖ ویسا ہی ہوا جیسا کہ ان آیات کریمہ میں فرمایا گیا ہے اور مسلمان منافقین سے بالکل علیحدہ ہو گئے۔

پیشنگوئی

(۲۷)

جد بن قیس منافق ہے اور کافر ہی مریگا

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ۔

اور ان ہی (منافقوں) میں ایک وہ (نابکار بھی) ہے جو (تم سے درخواست کرتا ہے کہ مجکو (پیچھے رہ جانے کی) اجازت دیجئے اور مجکو (حسینان روم کی) بلا میں نہ پھنسائیے سنو جی! یہ لوگ بلا میں گرے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوے ہے

ف

غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جد بن قیس سے پوچھا کہ کیا ارادہ ہے؟ وہ تو پکا منافق تھا، کہنے لگا یا رسول اللہ! سب لوگ جانتے ہیں کہ میں عورتوں سے بہت مانوس ہوں اور عورتوں کی محبت سے میں بدنامی کی حد کو پہونچ گیا ہوں خوبان روم کا حسن مشہور ہے ایسا نہ ہو کہ وہاں جاکر میں وہیں کا ہو رہوں تو حسن روم کی بلا میں مجکو نہ پھنسائیے اور مجکو یہیں رہ جانے کی

اجازت دیجئے۔ مگر جد بن قیس کا یہ فریب زیادہ عرصہ تک چھپا نہ رہ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت جلد بتا دیا کہ یہ کمبخت منافق ہے۔ ساتھ جانے سے جی چراتا ہے اور خود فتنۂ نفاق میں مبتلا ہے اور اسی حالت میں مریگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جد بن قیس کا نفاق بعد کو سب پر آشکار ہو گیا اور اسی کفر و نفاق کی حالت میں وہ دارالبوار کو سدہارا

پیشنگوئی

(۲۸)

ثعلبہ انصاری منافق مریگا

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوهُ ۔

اور ان (منافقوں) میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے خدا کے ساتھ قول کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہم کو (مال) دیگا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور ضرور نیک بندے ہو کر رہیں گے پھر جب خدا نے ان کو اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا تو لگے اس میں بخل کرنے اور سرتابی کرکے (اپنے قول سے) پھر بیٹھے تو نتیجہ یہ ہوا کہ اس دن تک کہ خدا سے ملینگے (یعنی قیامت تک) خدا نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس لئے کہ انہوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اسکو پورا نہیں کیا۔

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایک شخص تھا ثعلبہ بن حاطب انصاری اس نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ آپ اللہ تعالےٰ سے میری کشایش رزق اور مال و دولت کے لئے دعا کیجئے۔ آپ نے اس کو سمجھایا کہ بہت فارغ البالی سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ تھوڑے پر قناعت کرو۔ اس نے عہد کیا کہ مجکو زیادہ دولت ملیگی تو میں غفلت نہیں بلکہ خدا کا شکر کرتا رہونگا۔ اور اس کی راہ میں خیرات کرتا رہونگا۔

غرض آنحضرتؐ نے دعا کی اور رفتہ رفتہ ثعلبہ کے مویشیوں میں برکت ہونے لگی تو یہاں تک توبہت پہونچی کہ اس کا ریوڑ مدینہ کے جنگل میں نہ سماتا تھا ثعلبہ مدینہ چھوڑکر باہر کسی گاؤں میں جا بسا۔

پہلے تو پانچوں وقت کی نماز آنحضرت کے ساتھ پڑھا کرتا تھا پھر مویشیوں کی کثرت ہوی تو ظہر و عصر کی نماز آپ کے ساتھ ادا کرتا اور بقیہ نمازیں گھر پر پڑھتا۔ جب مدینہ کے باہر گاؤں میں جابسا تو پنجوقتہ نماز اور دو وقتہ نماز چھوٹ کر جمعہ پر آ لگی۔ آخر میں جب مویشی بہت بڑھ گئے تو بالکل آنا ہی چھوڑ دیا۔

حکم زکات ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے دو شخصوں کو متعین کیا کہ ثعلبہ سے زکات کی رقم کا مطالبہ کریں اور وصول کرکے بیت المال میں داخل کریں۔

یہ دونوں فرستادے ثعلبہ کے پاس پہونچے۔ زکات کا مطالبہ کیا۔ اس نے زکات کی بابت سنکر جواب دیا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ جزیہ کی بہن ہے غرض وہ بڑبڑاتا اور ٹالے بالے بتاتا رہا اور وہ دونوں مسلمان ناکام واپس آگئے

اور پیغمبر خدا سے سارا ماجرا کہدیا اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں
اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کے بخل و بد عہدی کی مذمت کرنے کے بعد یہ پیشنگوئی
فرمائی کہ اس کے دل میں نفاق رچگیا ہے اور وہ منافق ہی مرے گا۔
ایک مرتبہ وہ پیغمبر خدا کی خدمت میں زکات لایا بھی مگر آپ نے منظور
نہ فرمائی اور اسکو صاف ڈھکار دیا۔ آپ کے انتقال کے بعد جناب
صدیق اکبرؓ کے عہد میں دوبارہ زکات لایا آپ نے منظور نہیں فرمائی۔
تیسری دفعہ حضرت فاروق اعظم کے عہد میں بھی حاضر دربار خلافت ہوا، اور
فاروقی دربار میں بھی اس منافق کی دال نہیں گلی اور اسیطرح عثمان ذوالنورینؓ
نے بھی اسکو منہ نہیں لگایا اور بالآخر حضرت عثمان رضؓ کے عہد خلافت میں
اس منافق نے بلا توبہ کے دنیا کو خیرباد کہا[1]۔

---

[1] تفسیر کبیر جلد (۴)

پیشگوئی

(۲۹)

مسجد ضرار والے سب منافق اور مفسد ہیں

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا
وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا
لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْ
لَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ
اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى
وَاللّٰهُ يَشْهَدُ
اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ
لَا تَقُمْ فِيْهِ
اَبَدًا لَمَسْجِدٌ
اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى
مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ
اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

اور (وہ بھی منافق ہیں) جنھوں نے
اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی
کی کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہونچائیں
اور کفر کریں اور مسلمانوں میں پھوٹ
ڈالیں اور ان لوگوں کو پناہ دیں جو
اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ پہلے
لڑ چکے ہیں اور (پوچھا جائیگا تو)
قسمیں کھانے لگینگے کہ ہم نے تو بھلائی
کے سوا اور کسی قسم کا ارادہ کیا نہیں
اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے
ہیں (سو اے پیغمبر!) تم اس (مسجد)
میں کبھی کھڑے بھی نہ ہونا۔ ہاں وہ
مسجد جس کی بنیاد شروع دن سے
پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اسکا

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ
يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ
اَفَمَنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى
مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ
خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ
بُنْيَانَهٗ عَلٰى
شَفَا جُرُفٍ
هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ
فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ لَا
يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ
الَّذِيْ بَنَوْا
رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ
اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ ـ

ابنہٗ حق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو
(کیونکہ) اس میں ایسے لوگ ہیں
جو خوب صاف ستھرے رہنے
کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب
صاف ستھرے رہنے والوں کو
دوست رکھتا ہے بھلا جو شخص خدا
کے خوف اور اس کی خوشنودی
پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھے وہ
بہتر یا وہ جو ایسے کھوکھلے کگارے
کے کنارہ پر اپنی عمارت کی بنیاد
رکھے پھر وہ اس کو جہنم کی آگ
میں لے گرے اور اللہ ظالم لوگوں کو
ہدایت نہیں دیا کرتا - یہ عمارت
جو ان لوگوں نے بنائی ہے اس کی
وجہ سے ان لوگوں کے دلوں
میں ہمیشہ دھکڑ پکڑ رہے گی یہاں تک
کہ (آخرکار اس عمارت کے گرائے
جانے سے) ان کے دلوں کے
ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں (سورۃ التوبہ
پ۱۱ ع۱۳)

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت کی تو مدینہ پہونچکر شہر سے باہر اُترے اور چند روز بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں ٹھیرے رہے پھر جب رفتہ رفتہ قوت ہوگئی تو شہر کے اندر آئے اور مسجد نبوی کی تعمیر ہوی۔

بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے آپ کے وہاں سے اُٹھ جانے کے بعد وہاں کے لوگوں نے اس کو مسجد بنا دیا اور جماعت جیسی کی ویسی قائم رہ گئی۔ اسی مسجد کا نام مسجد قبا مشہور ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ہفتے کے روز وہاں تشریف لے جاتے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

اس محلہ میں بارہ منافق تھے۔ ودیعۃ بن ثابت۔ خذام بن خالد۔ ثعلبہ بن حاطب۔ جاریہ بن عمرو۔ مجمع بن جاریہ۔ زید بن جاریہ۔ معتب بن قشیر۔ عباد بن حنیف۔ ابو حبیبہ بن الازعر۔ نبتل بن الحرث۔ بجاد بن عثمان اور بحزج۔

ان منافقین کو مسجد کی آبادی اور مسلمانوں کی یکجہتی پسند نہ آئی تو آپس میں مشورہ کرکے متفق ہوئے کہ مسجد قبا والوں کی ضد میں ایک دوسری مسجد بنا دیں اور اپنی جماعت الگ قائم کرکے اسلام میں پھوٹ ڈالیں۔ (مدارج النبوۃ)

ابو عامر ایک شخص تھا جو ایام جاہلیت میں راہبانہ زندگی بسر کرتا تھا ابد کو نصرانی ہوگیا اور لوگوں کا رئیس و مرجع بنا رہا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو رفتہ رفتہ اس کا بازار فسق والحاد

سر ور پڑگیا اور اپنا بازار سرد پاکر وہ پیغمبر خدا کا دشمن بنگیا کیونکہ آپ ہی کی وجہہ سے اس کی ریاست کو زوال ہوا۔

جنگ احد میں اس نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ جو قوم تم سے لڑے گی میں اس کا ساتھ دونگا چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور ہمیشہ اسلام کی مخالفت و بیخکنی میں ساعی رہا یہانتک کہ جب جنگ حنین میں ہوازن کو شکست فاش ہوئی تو ابو عامر مایوس ہوکر شام کی طرف بھاگا اور پوشیدہ طور پر منافقین کے پاس پیام بھیجا کہ تم لوگوں سے جہانتک ہوسکے قوت بہم پہونچاؤ اور ہتھیار وغیرہ سے تیار رہو۔ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں تا رومیوں کا ایک کوہ شکن لشکر لاکر محمد (صلعم) اور اون کے ساتھیوں کا قلع قمع کر دوں۔

اسی ابو عامر کے پیام کی بنا پر منافقین نے مسجد بنائی اور درپردہ یہ لوگ تھے کہ ابو عامر آئیگا تو اس کو امام بنائیں گے یا نفاق سے بلاکر اپنا سرا وا امام کرلینگے۔

مسجد تیار ہوچکنے کے بعد منافقین نے پیغمبر خدا سے آکر عرض کیا کہ پہلے آپ چلکر ایک دفعہ نماز پڑھ لیں تو ہم جماعت قائم کریں۔ آنحضرت کو یہ دغا معلوم نہ تھی۔ آپ نے وعدہ فرمایا کہ جنگ تبوک سے واپس ہونگے تو پہلے وہاں نماز پڑھکر شہر میں داخل ہوں گے۔

جب رسول اللہ صلعم تبوک سے پھر کر ذی آوان میں پہونچے جو مدینہ سے قریب ہی ایک گاؤں ہے تو منافقوں نے حاضر ہوکر وہ وعدہ یاد دلایا کہ اب چلکر نماز پڑھیں۔ آنحضرت نے اپنی قمیص طلب فرمائی تا اوسکو پہنکر ان کے محلہ میں جائیں اور نماز پڑھیں کہ اتنے میں اللہ تعالے نے ان آیات مذکورہ کے ذریعہ سے آپ کو تمام واقعات سے مطلع فرمادیا اور منافقین کے

راز کو افشا کر دیا کہ یہ سب جھوٹے دغا باز ہیں۔ نہ ان کو اسلام سے کچھ تعلق ہے نہ عبادت اور نیک نیتی سے مسجد بنائی گئی ہے۔ مسجد بنانے سے صرف ان کی یہ غرض ہے کہ مسجد قبا والوں کو نقصان پہونچے۔ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے۔ اور ابو عامر جو خدا اور رسول کا جانی دشمن رہا ہے۔ اس کو فریب سے بلا کر پناہ دیں تو اے پیغمبر! تم ان منافقوں کی مسجد میں ہرگز نہ ٹھیرنا۔ ان آیات قدسیہ کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر خدا نے مالک بن دخشم۔ معن بن عدی۔ عامر بن سکن۔ اور وحشی چار آدمیوں کو متعین کیا جنھوں نے موقع پہ پہونچکر مسجد ضرار کو منہدم کر دیا۔ مسجد والوں کو متفرق کر دیا۔ اور پیغمبر کے حکم سے اس جگہ کو مزبل بنایا گیا۔

ابو عامر فاسق راہب شام میں اسی حالت نفاق اور کس مپرسی میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اور اللہ کی یہ پیشینگوئی بھی پوری ہو گئی کہ وہ مسجد کی عمارت جس فاسق کے لئے بنی تھی اس کو لیکر جہنم واصل ہوی۔

پیشگوئی

(۳۰)

جنگ حدیبیہ سے پیچھے ہٹ جانے والے عدم شرکت کا عذر لنگ کرینگے

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ
مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا
أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ
بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ
فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ
فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ
شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ
ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ
نَفْعًا بَلْ كَانَ اللَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا
بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ
الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ

(اے پیغمبر!) دیہاتی لوگ جو پیچھے رہ گئے (اور اس سفر حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے) اب تمھارے روبرو عذر پیش کریں گے۔ کہ ہم اپنے مال اور اہل (و عیال) کی پرواخت میں لگے رہے تو آپ ہمارا (یہ) قصور (خدا سے) معاف کرا دیجئے (یہ لوگ) اپنی زبان سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں (اے پیغمبر تم ان سے) کہو کہ اگر خدا تم کو نقصان پہونچانا چاہے یا تم کو فائدہ پہونچانا چاہے تو کون ہے جو خدا کے مقابلہ میں تمہارا (نفع یا نقصان) کچھ بھی

اِلٰى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا۔

کر سکے (مال و اولاد کا حیلہ ہی ہے) بلکہ (بات یہ ہے کہ) تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اس سے واقف ہے۔ (تم مال و اولاد کی وجہ سے نہیں) بلکہ (اس ارادے سے) پیچھے رہے اور) تم نے سمجھا کہ پیغمبر اور مسلمان اپنے بال بچوں میں کبھی واپس آنے ہی کے نہیں اور یہ (بات) تمھارے دلوں میں کھب گئی تھی اور تم (طرح طرح کی) بد گمانیاں کرنے لگے تھے اور (ایسے خیالات سے) تم لوگ آپ برباد ہوئے سورۃ الفتح (ع ۱)

ف

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں مدینہ منورہ سے حج کا ارادہ کر کے مکہ معظمہ کی طرف چلے اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمراہ رکاب تھے۔ مدینہ کے اردگرد کے قبائل غفار۔ مزینہ۔ جہینہ۔ اسلم۔ اشجع اور دئل میں بہت سے منافق تھے جو مسلمانوں کا بھلا نہ چاہتے تھے اور حتی المقدور ان کا ساتھ دینے سے پرہیز کرتے تھے۔ ان بدخواہوں کو یقین تھا کہ پیغمبر خدا اور آپ کے یاروں کو مکہ والے گھسنے نہ دینگے۔ آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے اصحاب تو اب لوٹتے نہیں کیونکہ مکہ والے ان لوگوں کے سخت دشمن ہیں آخر

لڑائی ہوگی اور یہ سب کے سب قتل کر دئے جائنگے۔ ایسی حالت میں ہمکو کیا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ اپنے تئیں جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالیں غرض آپس میں یہی کچھ مشورہ صلاح کرکے سب کے سب گھروں میں بیٹھ رہے اُدھر پیغمبر خدا اور اہل مکہ میں صلح ہوگئی اور مسلمان اپنے برحق رہنما کے ساتھ بخیر و عافیت واپس ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے آپکو مطلع فرمایا کہ جب تم مدینہ واپس پہونچ گئے تو جن منافقین نے ساتھ نہیں دیا وہ حاضر ہوکر یہ عذر کریں گے کہ ہم مال و اولاد کے خوف سے ساتھ نہ چل سکے کہ ہمارے پیچھے کوئی ان کی حفاظت و نگرانی کرنے والا نہیں تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب پیغمبر خدا مدینہ میں تشریف لائے تو اُن ظاہری دو دلے مسلمانوں نے یہی عذر کیا اور آپ نے ان کا یہی جواب دیا جو ان آیات میں اللہ تعالےٰ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ تم سب جھوٹ کہتے ہو۔ تم نے سمجھا تھا کہ ہم لوگ جان سلامت لیکر نہیں لوٹینگے۔ اور اس یقین پہ جان چرا کر عورتوں میں بیٹھ رہے خیر دنیا میں تو ظاہری اسلام نے تمکو بچا ہی لیا۔ آخرت میں اللہ کے عذاب سے کہاں اور کیونکر بچو گے ؟

جنگ حدیبیہ کا مفصل واقعہ انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ ہم لکھیں گے۔

پیشگوئی

(۳۱) و (۳۲) و (۳۳) و (۳۴)

مسلمان (صحابہ) صاحب سلطنت ہونگے۔ وہ دین کو جما کر رہینگے۔ خوف و خطر سے محفوظ ہوں گے اور کوئی ان میں کا شرک نکریگا۔

جیسا کہ سورۃ النور میں جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
آمَنُوْا مِنْكُمْ عَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْأَرْضِ كَمَا
اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ
لَهُمْ دِيْنَهُمُ
الَّذِي ارْتَضٰى
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّ
لَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور
نیک عمل کئے اُن سے خدا کا وعدہ
ہے کہ (ایک نہ ایک دن) ان کو
ملک کی خلافت (سلطنت) ضرور
عطا کرے گا جیسے ان لوگوں کو
خلافت عطا کی جو ان سے پہلے ہو
گزرے ہیں اور جس دین (یعنی اسلام)
کو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے
اسکو ان کے لئے جما کر رہیگا اور
خوف (و خطر) جو ان کو ہے اس کے بعد

آمنًا یعبدوننی لایشرکون بی شیئًا۔	ان کو (اس کے) بدلہ میں امن دیگا کہ (باطمینان) ہماری عبادت کیا کریں گے (اور) کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانیں گے۔

اس آیت میں چار پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

مسلمانوں کو اس امر کی خوشخبری اور بشارت دی گئی ہے کہ جسطرح تم سے اگلی امت کے لوگوں کو خلافت وسلطنت عنایت کی گئی تھی اسی طرح ہم تم کو بھی نعمتِ بادشاہت سے سرفراز اور ممتاز فرمائینگے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بڑی قوی دلیلوں میں سے یہ ایک ایسی صاف اور مستحکم پیشنگوئی ہے جس کو پورا ہوتے ہوئے بھی ساری دنیا نے دیکھ لیا۔

نکتہ

آیت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام سے ہے یعنی تم صحابہ رسول میں سے بعض ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ہم بادشاہت اور ملک کی خلافت سے سرفراز فرمائینگے۔ تو اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر خلیفۂ اول، حضرت عمر فاروق اعظم خلیفہ ثانی۔ حضرت عثمان خلیفہ ثالث، حضرت علی خلیفۂ رابع، حضرت امام حسن خلیفۂ خامس اور حضرت امیر معاویہ خلیفۂ سادس۔ ان چھہ نفوس مطہرہ

کی خلافت کی بشارت خاص طور پر مستنبط ہوتی ہے کیونکہ پوری تمکین مسلمانوں کو امیر معاویہ ہی کے زمانہ خلافت میں نصیب ہوئی۔ پس یہ چھٹوں خلافتیں خلافت راشدہ اور برحق ثابت ہوئیں جن کی حقیت قرآن سے منصوص ہے

خلفائے راشدین کی خلافت

یہ آیت خلفائے راشدین یعنی ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہم کی امامت و خلافت کے صحیح و برحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

اولاً:- اس وجہ سے کہ زمانۂ محمد مصطفےٰ صلعم میں جو مسلمان اور نیک عمل والے تھے اُن میں سے بعض کے استخلاف کا وعدہ فرمایا۔ استخلاف کے معنی جانشین کرنے کے ہیں۔ پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح اگلے انبیاء کے بعد ان کی امت کے بعض اچھے افراد کو ان کا جانشین و خلیفہ کیا گیا اسی طرح محمد صلعم کے بعد اُن کی امت کے اچھے لوگوں میں سے بعض کو محمد کا جانشین و خلیفہ کیا جائے گا۔

چونکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ استخلاف سے استخلاف فی النبوت مراد نہیں ہے بلکہ امامت اور خلافت علیٰ منہاج النبوت مقصود ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام میں سے جن نفوس کے مبارک سروں پر خلافت کا تاج رکھا گیا وہی اس بشارت کے مصداق ہونگے اور کچھ شبہ نہیں کہ بعثت رسول سے جو منشا رکھا اور خلیفہ رسول کا جو منصب رہا ہے اس کو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بدرجۂ اتم پورا کیا اور بقیہ چار نفوس بھی اس کے پورا کرنے میں حتی الامکان ساعی رہے۔

دوسرے: اس وجہ سے کہ آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے بعض ایماندار اور اچھے عمل کرنے والوں کے استخلاف کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے صحابہ میں سے جو پاک نفوس آپ کے جانشین وخلیفہ ہوئے وہ ایماندار اور اچھے عمل والے تھے اور انہیں کی خلافت وسلطنت کی بشارت تھی۔ خلفائے اربعہ کی صحت امامت کا اس سے بہتر ثبوت کیا ہوسکتا ہے!

بعض مفسرین نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یہ آیت عام ہے اور اس میں تمام مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ جو ایمان دار اور اچھے عمل والا ہوگا اس کو سلطنت وخلافت سے ممتاز کیا جائے گا۔ لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہوسکتے کیونکہ اولاً تو خود آیت میں "منکم" کا لفظ ہے یعنی تم (صحابہ) میں سے جو ایماندار اور نیک عمل والے ہیں ان میں سے بعض کو استخلاف کا وعدہ دیا گیا ہے۔ پس تبعیضیہ "من" کے ہوتے ہوئے تمام مسلمانوں کو بشارت کے تحت میں لانا بالکل غیر صحیح ہے۔

دوسرے: یہ کہ تمام مسلمانوں کو مراد لینا خلاف عقل ومشاہدہ بھی ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جو مسلمان، صاحب ایمان اور اچھے عمل والا ہوگا۔ اسکو خلافت دی جائے گی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ خلافت وسلطنت تو بعض ہی مسلمانوں کے حصہ میں آئی۔

تیسرے: یہ کہ آیت میں ضمیر خطاب ہے جو صاف دلالت کرتی ہے کہ یہ پیشینگوئی حاضرین وقت کے بارہ میں کی جارہی ہے اور ہوا بھی ایسا ہی کہ حاضرین صحابہ میں سے بعض اچھے افراد کو اللہ تعالیٰ نے خلافت وحکومت عطا فرمادی

چوتھے :- یہ کہ استخلاف کی بشارت کو اگر تمام مسلمانوں کے لئے عام کر بھی دیا جائے تو اس کا مفاد صرف اس قدر ہو گا کہ مسلمانوں میں سے بعض ایمان دار اور اچھے عمل کرنے والوں کو خلافت ملے گی پھر بھی یہ بشارت بعض ہی افراد کیلئے ٹھیری۔ البتہ اس صورت میں مذکورہ چھ بادشاہوں کے علاوہ اور خلفاء و سلاطین بھی بشارت کے تحت میں آجائیں گے۔ لیکن بہرکیف شروع کے چھ خلفائے صحابہ تو اس بشارت میں خاص طور پر مقصود ہیں اور اس آیت سے بہر طور ان کی امامت کا برحق ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اسلام کے ایک فرقہ نے اس آیت کو صرف حضرت علیؓ کی امامت پر اور بعض نے اپنے مفروضہ بارہ اماموں کی حقیقت پر محمول کیا ہے۔ مگر یہ دعویٰ صریح البطلان ہے۔

آیت میں صرف حضرت علیؓ کی امامت مقصود نہیں ہے بلکہ ان کی امامت بھی مقصود ہے۔ کیونکہ پیشینگوئی بہتوں کے لئے کی گئی ہے اور واحد کا اطلاق جمع پر نہیں کیا جا سکتا۔ درحالیکہ حضرت علیؓ سے پہلے خلفائے ثلاثہ نے نہایت عمدگی و خوبی سے امر خلافت کو انجام دیا۔ اور ائمہ اثنا عشر کا مراد لینا تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت علیؓ اور امام حسنؓ کے سوا۔ ان بارہ نفوس میں سے نہ کوئی خلیفہ ہوا۔ نہ کسی کی شوکت قائم ہوئی بلکہ ہر ایک اپنے وقت میں مغلوب و محروم رہا۔

اقسام خلافت

حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے خلافت کی چار تقسیمیں کی ہیں۔

پہلی قسم :- خلافت اجماعی ہے یعنی تمام مسلمان اور اہل حل وعقد اتفاق کر کے

اپنے میں سے ایک شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اجماعی تھی کیونکہ تمام صحابہ نے آپ کی خلافت پر اجماع کر کے بلا چون و چرا بیعت کرلی۔ بعض بنو ہاشم کچھ دنوں خود خلیفہ بننے کی امید میں اڑے رہے لیکن پھر انہوں نے بھی مان لیا۔

دوسری قسم:۔ استخلاف ہے یعنی ایک جائز خلیفہ اپنی زندگی میں کسی شخص کو نامزد کردے کہ یہ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی خلافت اسی قسم کی تھی شاہ صاحب انہی دونوں خلافتوں کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ لکھتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی خلافت شان نبوت لئے ہوئے تھی اور یہ بات تو گویا مسلمات سے ہوگئی ہے کہ فاروق اعظم کا سا مدبر، منتظم، عادل، اور بہمہ صفت موصوف بادشاہ ان سے پہلے کبھی آیا نہ امید ہے کہ پھر کبھی دنیا کے اسٹیج پر ایسا باجبروت عادل بادشاہ نظر آئے۔ آپ سیاست مدن سے ایسا واقف تھے کہ آج اتنی ترقی کرجانے پر بھی یورپ ان کے قوانین و انتظامات کی پیروی پر نازاں ہے اور ان کی استادی کا معترف ہے۔

تیسری قسم:۔ خلافت اہل شوریٰ ہے یعنی خلافت کے لئے چند اہل شوریٰ کی ایک مجلس ہو اور کثرت آرا جس پر ہو، وہ خلیفہ گردانا جائے۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت اسی رنگ کی تھی۔

چوتھی قسم:۔ استیلا ہے ع ہر کہ شمشیر زند سکہ بنامش خوانند۔ امیر معاویہ کی خلافت اسی قسم کی تھی۔

اگر منکم کے خطاب سے عام مسلمان مراد لئے جائیں تو اس سے اسلامی سلطنتوں کی بشارت عموماً اور خلافت راشدہ کی پیشینگوئی خصوصاً نکلتی ہے۔

بہرحال اوائل اسلام میں اہل اسلام جسقدر مفلس، تنگدست، بے بس، محتاج، بیدست و پا

اور کس مپرسی کی حالت میں تھے اور تعداد میں اتنے کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے ان کے حق میں پیشینگوئی کرنی کہ وہ بادشاہت حاصل کر لیں گے اور قوت پکڑتے دنیا کی سلطنت پر قبضہ کر بیٹھینگے اور اس پیشینگوئی کا بعینہ پورا ہو جانا ، کبھی انسانی قوت سے نہیں ہو سکتا ۔ یہی ایک مضبوط دلیل ، قرآن کے کلام اللہ ہونے پر کافی ہے ۔

دوسری پیشینگوئی

دین اسلام کو مسلمانوں کے لئے جما کر رہنا اور یہ امر زیادہ توضیح کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اسلام کی بنیاد انہیں صحابۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ایسی مضبوط ہوگئی کہ آج تمام روئے زمین پر وہ پھیلا ہوا ہے اور اس مضبوطی کے ساتھ پھیلا ہے کہ تمام دنیا کے جن و انس ملکر بھی زور لگائیں تو نیست و نابود کرنا تو بڑی بات ہے ۔ اس کی بنیاد کو متزلزل بھی نہیں کر سکتے ۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مکہ ۔ خیبر ۔ بحرین ۔ ارض یمن اور جزیرۂ عرب پورے طور پر فتح ہو چکے تھے ۔ آپ نے ہی مجوس پر جزیہ قائم کیا اور ان سے رقم بھی وصول کر لی ۔

ہرقل قیصر روم ۔ مقوقس بادشاہ مصر و اسکندریہ اور شاہان عمان و حبش نے دربار رسالت میں تحفہ و ہدایا کے ساتھ سفارت بھیجی جو پیغمبر اسلام کی سطوت کے قائم ہو جانے کی دلیل ہے ۔

پیغمبر خدا کے انتقال کے بعد صدیق اکبر آپ کے خلیفہ اور مسلمانوں کے امام ہوئے انہوں نے مرتدین سے قتال کر کے دوبارہ جزیرۂ عرب کو فتح کیا اور دوسرے بلاد و ممالک پر لشکر کشی کی چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر جرار کے ساتھ فارس

پر دوڑایا۔ دوسرا لشکر ابو عبیدہ بن الجراح رضؓ کی سرداری میں ارض شام کی طرف بھیجا۔ تیسرا لشکر بہ سرکردگی عمرو بن عاص رضؓ مصر کی طرف بھیجا اور ان افواج نے بصریٰ۔ دمشق۔ بلاد حوران۔ حیرہ۔ انبار۔ عین التمر اور شام وغیرہ کے بہت سے مقامات کو فتح کر لیا
ابوبکر رضؓ نے اپنی زندگی میں حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد کر دیا تھا کہ یہ میرے جانشین اور میرے بعد خلیفہ ہوں گے اور واقعی یہ ایک ایسا لاجواب انتخاب تھا جو صدیق اکبرؓ کی مردم شناسی۔ قوت تمیزی اور آپ کے جوہر انسانی و روحانی پر کافی روشنی ڈالتا ہے کیونکہ فاروق اعظمؓ کے اصول حکمرانی نے ثابت کر دیا کہ پیغمبر اسلام صلعم کی جانشینی کے لئے ان سے بہتر کوئی فرد نہیں مل سکتا تھا۔ قوت۔ سیرت۔ فضائل انسانی اور صفات سلطانی میں آج تک مادر گیتی نے اُس جیسا فرزند رشید نہیں پیدا کیا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد عدالت مہد میں ، دمشق ، بلاد ساحل دمشق بیسان۔ طبریہ۔ حمص۔ بعلبک۔ قنسرین۔ حلب۔ انطاکیہ۔ قیساریہ۔ بیت المقدس مدائن غربیہ۔ مدائن ایوان کسریٰ۔ حلوان۔ تکریت۔ موصل۔ ماسندان قرقیسیا۔ الجزیرہ۔ ارمینیا۔ اہواز۔ مناذر۔ نہرتیری۔ رامہرمز۔ تستر سوس۔ مصر۔ دینور صیمرہ۔ ہمدان۔ ماہین۔ اصفہان۔ قزوین۔ زنجان رے۔ قومس۔ جرجان۔ طبرستان۔ طرابلس الغرب۔ برقہ۔ آذربیجان۔ الباب۔ موقان۔ الترک۔ خراسان۔ شہر زور۔ صامغان۔ اصطخر۔ جور۔ فسا۔ دارابجرد۔ کرمان۔ سجستان۔ اور مکران وغیرہ سب مقبوضات اسلام میں داخل ہو گئے۔ ہر طرف پرچم اسلام لہرانے لگا اور دشمنان اسلام کو ہر طرح ذلت و ناکامی نصیب ہوئی گئی۔ یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ کے مقتنم اور عدل مجسم وجود سے دنیا خالی ہو گئی اور حضرت

عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر جلوس فرمایا۔
آپ کے عہد ہمایوں میں اسکندریہ۔ سابور۔ افریقیہ۔ بلاد قبرس۔ سواحل روم
فارس۔ جوز۔ طبرستان۔ کرمان۔ قلعہ ہائے قبرس۔ ساحل اردن۔ مرو
نیشاپور۔ ہرات۔ خراسان کابل۔ یزرعہ۔ اصطخر مکرر۔ زالق۔ شاش۔ طوس
سرخس۔ طخارستان۔ جرجان۔ بلخ۔ خوارزم۔ کابل۔ بلاد قیروان۔ بحر محیط
تک بلاد سبتہ اور مشرقی نواحی سے ممالک چین تک اکثر حصہ [illegible] اسلام
کے زیر نگین ہوگیا۔ آپ ہی کے عہد میں کسری مخذول [illegible] برباد ہوا [illegible] مسلمانوں
نے ترکوں کو جنگ عظیم کے بعد مغلوب کیا اور خاقان کو روز بد دکھایا۔[*]
حضرت عثمان رضہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جناب علی مرتضیٰ رضہ نے اپنے
سر پر کلاہ امامت رکھی لیکن آپ کے زمانۂ خلافت میں کچھ ایسے حوادث
ظہور پذیر ہوئے جن سے خانہ جنگیوں کا بازار گرم [illegible] مسلمانوں میں [illegible]
کشت وخون ہونے لگا ہر طرف طوفان [illegible] تمیز [illegible] گھنگھور گھٹا جب [illegible]
اور حضرت علی مرتضیٰ رضہ کی شہادت تک یہ سلسلہ منقطع [illegible] اس کی وجہ سے
آپ کی خلافت میں کوئی مزید ترقی اسلام و ممالک اسلامیہ [illegible] آں حضرت کی شہادت
کے بعد حضرت امام حسن نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی لیکن یہ مہم [illegible] ہونے والی نہ تھی [illegible]
اس مقدس ذات نے اپنی کمزوری کو آپ سمجھ کر بار خلافت [illegible] معاویہ
رضی اللہ عنہ کے سپرد کردیا اور خود اُن کی بیعت کرکے گوشۂ عزلت [illegible]
تدبر و انتظام مملکت سیاست مدن اور عدل و انصاف [illegible] جناب حاسہ
فاروق اعظم رضہ کے قدم بقدم تھے۔ محققین اہل تاریخ مثل ابن خلدون [illegible]
کے سب متفق ہیں کہ اسلام میں حضرت عمر فاروق رضہ کے بعد [illegible] جیسا

[*] ابن اثیر ۱۲

پرتدبیر اور صاحب حکمت وجبروت بادشاہ نہیں ہوا۔ اگرچہ پرہیزگاری میں وہ درجۂ عالی پر نہ تھے۔

امیر معاویہ کے عہد میں جزیرۂ ارواد۔ جربہ۔ رودس۔ جزیرۃ البحر جنادہ۔ سوریہ۔ اور طرسوس۔ اور قبرس وغیرہ پورے طور پر فتح ہو گئے۔ رومیوں سے جنگ ہوئی اور اُن کو شکست فاش دیکر مرعوب و مغلوب کرلیا آپ ہی کے عہد میں یزید بن معاویہ جان بازان اسلام کا کوہ شکن لشکر لیکر یلغار کرتا ہوا، سلطنت روم میں گھسا اور روندتا ہوا دار السلطنت قسطنطنیہ پر جا دھمکا اور بہادران روم کے چھکے چھڑا دیے یزید کے ساتھ اس جنگ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن عمر اور ابوایوب انصاری کبرای صحابہ شریک تھے چنانچہ ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ یزید بن معاویہ رض سردار لشکر نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قسطنطنیہ کی دیوار کی جڑ کے پاس مدفون ہوئے۔ امیر معاویہ کے عہد میں اسلام کی بنیاد اچھی طرح مضبوط ہو گئی اور مسلمانوں کو پوری تمکین نصیب ہوئی۔ کفار اور ارد گرد کے تمام سلاطین ان سے مرعوب و خائف ہو گئے اور سب کے دلوں پر اسلام کی ہیبت چھا گئی۔ غرض تمکین کی پیشنگوئی خلفائے اربعہ اور امیر معاویہ کے عہد میں پوری ہوئی۔

تیسری پیشنگوئی

مسلمانوں کو خوف وخطر سے امن دیئے جانے کی ہے۔ یہ بشارت رسول خدا کے وقت سے پوری ہونا شروع ہوئی اور امیر معاویہ رض کے عہد میں پیشنگوئی کی اچھی طرح تکمیل ہو گئی۔

چوتھی پیشنگوئی

کسی مسلمان کا شرک نہ کرنا اور ظاہر ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم میں کا کوئی فرد شرک کے قریب پھٹکا تک نہیں۔ بلکہ ہمیشہ شرک کے مٹانے میں سرگرم رہے۔

پیشنگوئی

۳۵

کفر کا گھٹنا اور اسلام کا پھیلنا

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔

تو کیا یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم ملک کو چاروں طرف سے گھٹاتے چلے آتے ہیں (کفر کم ہوتا جاتا ہے) تو (اس صورت میں) یہ لوگ غالب ہیں (یا مسلمان غالب ہیں)

ف

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کا گروہ بہت ہی ضعیف تھا اور اُسوقت اون کو غلبے اور فتوحات کی بشارت دی جاتی تھی یعنی منجملہ اور دلائل کے اسلام کی صداقت کی ایک دلیل یہ پیشنگوئی بھی تھی کہ مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوگی تو کفار کو چاہیئے تھا کہ اسلام کے فتوحات دیکھکر اس کی صداقت کے قائل ہوتے۔

یہ فائدہ مولوی نذیر احمد دہلوی کا ہے جو انہوں نے اپنے حاشیۂ ترجمہ پر

لکھا ہے اور وہ اصل عامۂ مفسرین کی یہ رائے ہے مگر ہمارے نزدیک یہ توجیہہ مخدوش ہے کیونکہ آیت مذکورہ مکی ہے۔ اور اوسوقت تک جہاد کا حکم نہ تھا جو فتوحات کی بشارت دی جاتی۔ اس کے علاوہ (اَفَلَا یَرَوْنَ) (کیا نہیں دیکھتے وہ) کا مقتضی یہ ہے کہ وہ چیز فی الحال موجود ہو جس کو دکھا کر استدلال کیا جاتا ہے ورنہ اسوقت استدلال بے معنی ہے۔

حقیقت میں یہاں سے کفر کا گھٹنا مراد ہے۔ جب ہر طرف سے کفار دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں ہی کو غلبہ ہے۔

یہ پیشگوئی جس طرح پوری ہوئی اس کی شہادت کے لئے تاریخی اوراق کے علاوہ خود ملک عرب موجود ہے۔

پیشگوئی

(۳۶)

منافقین کے مال و اولاد ان کیلئے عذاب ہونگے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ

تو (اے پیغمبر!) نہ تو ان کے مال تمہارے لئے موجب حیرت ہوں اور نہ ان کی اولاد کہ پھر خدا نے انکو (ایسی) برکتیں کیوں دی ہیں۔ یہ برکتیں نہیں ہیں بلکہ خدا چاہتا ہے کہ دنیا

وَهُمْ كَافِرُوْنَ - کی زندگی میں ان کو مال اور اولاد کی
وجہ سے مبتلائے عذاب ہی رکھے
اور (یہ کہ) ان کی جان نکلے اور
(اسوقت بھی) یہ کافر (ہی) ہوں۔

ف

محققین کے ایک گروہ کا بیان ہے کہ بحسب عقل، موجودات کی چار قسمیں ہیں۔
پہلی قسم:- وہ جو ابدی اور ازلی دونوں ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور یہ ذات باری ہے۔
دوسری قسم- وہ کہ نہ ازلی ہے نہ ابدی ہے جیسے دنیا و امثالہا۔
تیسری قسم:- وہ کہ ابدی نہیں ہے مگر ازلی ہے اور یہ محال الوجود ہے اس لئے کہ قدیم معدوم نہیں ہو سکتا۔
چوتھی قسم:- وہ کہ ابدی ہو مگر ازلی نہیں ہے اور یہ آخرت اس کی نعمتیں ہیں۔
اس آیت پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ مال و اولاد، دنیا میں خدا کی نعمتیں ہیں تو وہ عذاب یا موجب عذاب کیونکر ہو سکتی ہیں۔

جواب

اس کا یہ ہے کہ مال و اولاد دنیا و آخرت دونوں جگہ موجب عذاب ہو سکتی ہیں آخرت میں ان کا موجب عذاب ہونا تو ظاہر ہے اور دنیا میں انکا موجب عذاب ہونا کئی وجوہ سے ہے
پہلی وجہ:- جو چیز جتنا ہی محبوب ہوتی ہے اتنا ہی اس کے جدا و زائل ہونیکا غم ہوتا ہے تو جن لوگوں کے پاس مال و اولاد بہت ہوا ور وہ اسکو عزیز رکھتے ہوں، وہ دو

صورتوں میں سے کسی ایک کے تحت میں ضرور ہونگے ۔ یا تو ان کے مال و اولاد انکی زندگی تک باقی رہیں یا ان کی زندگی ہی میں تلف ہو جائیں ۔ اگر زندگی بھر باقی رہیں (حالانکہ یہ صورت بہت کم ہوتی ہے) تو ضائع ہونیکا غم و اندیشہ ہر وقت لگا رہتا ہے اور اپنی زندگی میں تلف ہو جائیں تو وہ غم اس سے سخت ہے بہر حال مال و اولاد کی کثرت کسی حالت میں قلب کو آرام نہیں دیتی ۔

دوسری وجہ :۔ مال و دولت کی کثرت یا اسکا حاصل ہونا محتاج کسب و اکتساب ہے اور اکتساب مال و دولت میں جن مشقتوں اور تکلیفوں کا سامنا ناگزیر ہوتا ہے وہ خود ظاہر ہے پھر دولت حاصل ہو جانیکے بعد اس کی حفاظت ضروری ہے اور اسکی تکلیف کمانیکی مشقت سے بھی بالاتر ہے اولاد کی پرورش اور حفاظت میں والدین کو جو زحمت و فکر اٹھانی پڑتی ہے وہ دولت کے اکتساب و تحفظ سے بہت زیادہ ہیں ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مال و اولاد کی محبت میں منہمک ہوں وہ لازماً ان کی حفاظت وغیرہ کی زحمتوں اور فکروں میں ہمیشہ پڑے رہینگے حالانکہ ان کی ذات کو بہت ہی کم فائدہ مال و اولاد سے پہونچتا ہے ۔

تیسری وجہ :۔ ضروریات عالم کے لحاظ سے انسان فطرۃً مال و دولت کا طالب پیدا ہوا ہے اور مال کی کثرت ہونے پر انسان ہمہ تن دنیا داری میں مستغرق اور یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ بہ نسبت غریبوں کے دولتمندوں میں سنگدلی زیادہ ہوتی ہے اور انسان جتنا زیادہ مالدار ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ قسی القلب ہوتا ہے مال سے زیادہ اولاد کی محبت ہوتی ہے اور اولاد بہ نسبت مال کے زیادہ تر مانع حب اللہ ہے مرنے کے وقت انسان سمجھتا ہے کہ اب وہ باغ سے قیدخانہ کو چلتا ہے عزیزوں اور اولاد سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوتا ہے تو جس شخص کو جتنا زیادہ مال و اولاد سے لگاؤ ہوگا اتنا ہی زیادہ مال و اولاد اس کے لئے موجب حسرت و عذاب ہونگے ۔

اب رہی یہ بات کہ مال و اولاد کے موجب حسرت و عذاب ہونگی جو وجہیں ہیں
وہ ہر انسان کیلئے ہیں۔ پھر اس میں منافقین کی خصوصیت کیا ہے؟۔

پہلا جواب:۔

مسلمان اس حیثیت سے کہ وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے جب دنیا
میں ہمہ تن مشغوف نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خوب سمجھتا ہے کہ انسان آخرت کے لئے
پیدا کیا گیا ہے نہ دنیا کے لئے۔

منافقین کا یہ حال نہیں ہے۔ انکا تو یہ اعتقاد تھا کہ سعادت و خیرات جو کچھ ہے سبھی
دنیا میں ہے اور اس خیال نے ان کے حب دنیا کو بہت بڑھا دیا تھا اور وہ ہر طرح
لذائذ دنیاوی کے حاصل کرنے میں منہمک رہتے تھے اور یہی سبب ہے کہ ان کے
مال و اولاد ان کیلئے اور موجب عذاب ہو گئے۔

دوسرا جواب:۔

منافقین دراصل تو کافر تھے مگر ظاہر میں زبان سے اپنے کو مسلمان کہتے تھے
اور ظاہر حال پر حکم کر کے جو حال تمام مسلمانوں کا تھا وہی انکا بھی تھا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے ساتھ ان منافقین سے بھی صدقات و خیرات کی رقم
وصول کرتے تھے اور اس رقم کو جہاد کفار اور سامان جہاد میں صرف فرماتے تھے
اس کے علاوہ منافقین کو اظہار اسلام نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اور ان کی اولاد
جہاد میں مسلمانوں کے رفیق ہو کر کافروں سے لڑائی کریں۔

منافقین رسول خدا کو جھوٹا سمجھتے تھے، اسلام کو مٹانا چاہتے تھے۔ صدقات و خیرات
کو فضول اور بربادی کا سبب خیال کرتے تھے۔ باوجود ان باتوں کے انہیں
اسلام کی جنبہ داری کرنی پڑتی تھی اسلام کی امداد میں مال خرچ کرنا پڑتا تھا اور
اسلام پر اولاد کو بھینٹ چڑھانے پر مجبور ہوتے تھے اسی کی پیشینگوئی اللہ تعالیٰ نے

فرمائی کہ "منافقین کے مال و اولاد ان کے حق میں موجب عذاب ہوں گے اتم ان کی دولت ہی اور کوئی خیال نہ کرو۔ اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ یہ پیشینگوئی منافقوں ہی کے ساتھ خاص تھی اور انہیں پر پوری ہو گئی عہد پیغمبر خدا کے مسلمان تو یقیناً اس عیب سے مبرا تھے کیونکہ اکثر صحابہ نادار و مفلس تھے۔ ابوبکر و عثمان رضؓ جیسے دو ایک نفوس جو مالدار تھے انہوں نے اپنی ساری دولت کو اسلام پر وقف کر رکھا تھا۔ ان کے مقدس دلوں میں دنیا کے کسی چیز کی کوئی عزت و حرمت نہ تھی نہ مال و اولاد کی بیجا محبت کو ان کے دلوں میں جگہ تھی ایسی صورت میں نہیں کہا جا سکتا کہ مال و اولاد صحابہ کے حق میں موجب عذاب تھے یا ہوں گے کفار و مشرکین جو علانیہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر تلے رہتے تھے وہ بھی اس کے مصداق نہیں ہو سکتے بس یہ پیشینگوئی منافقوں ہی کے لئے تھی کہ جنکی جان کے لاگو تھے اور جس کے مٹانے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہتے تھے اسی کے تحفظ میں ان کے مال و اولاد کام آتے تھے اور اسی کام آنے سے ان کے مال و اولاد ان کے لئے موجب عذاب ہو گئے تھے۔

تیسرا جواب :-

منافقین کے دل میں چور تھا۔ وہ ہمہ وقت ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو ہمارا بھانڈا پھوٹ پڑے تو ہماری جان اور مال و اولاد سب کی کمبختی آ جائے۔ اس ہر وقت کے خوف نے ان کی زندگی اور سارے عیش و خوشی کو تلخ کر دیا تھا اور مال و اولاد بجائے نفع دینے کے اور موجب عذاب تھے۔

چوتھا جواب :-

بہت ایسے منافقین تھے جنکی اولاد سچی مسلمان اور اسلام کے سچے خیرخواہ تھے مثلاً ابو عامر تمام منافقین کا پیشوا تھا اور اس کا بیٹا حنظلہ اسلام کا جانباز رفیق تھا۔ عبداللہ بن ابی بڑا منافق رسول اللہ صلعم کی جان کا لاگو تھا اور اسکا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ

مجاہدین جنگ بدر سے تہا ابوسفیان اپنے قوم کے رئیس اور امیر المنافقین ستھے
انہیں کے فرزند امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے
جنکی مقتنم ذات بعد کو اسلام کے لئے حجت الٰہی ثابت ہوئی۔
منافقین کے لئے،، ان اولاد کا وجود سوہان روح تہا اور آیت کریمہ میں درحقیقت
یہی پیشینگوئی ہے کہ منافقین اپنے مال و اولاد کی کثرت پرخوش نہوں یہ مال
اولاد آخر میں ان کے لئے موجب عذاب ہوجائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ
لوگ راہ راست پر آگئے۔ باپ کے عقائد باطلہ کو چھوڑکر اس دین کو بُرا بہلا کہنے
لگے اور اسلام کے خیرخواہ رفقا میں شامل ہوگئے۔
کسی شخص کے لئے اس سے زیادہ فکر و مصیبت کیا ہوگی کہ اس کی اولاد اس کے
مذہب کو صرف چھوڑ ہی دینے پر کفایت نہ کرے بلکہ اسکی مذمت کرے اور اس
کے دشمنوں کی خیرخواہ وحمایتی ہی ہوجاسے؟
اس آیت میں دو پیشینگوئیاں ہیں

پہلی پیشینگوئی

یہ کہ منافقین کے مال و اولاد ان کے حق میں موجب عذاب ہونگے جیسا کہ اوپر
ثابت ہوچکا۔

دوسری پیشینگوئی

یہ کہ منافقین کبھی مسلمان نہوں گے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرینگے چنانچہ ایسا
ہی ہوا کہ عبداللہ بن ابی، ابوعامر، ثعلبہ وغیرہ جو درحقیقت منافق تھے نفاق ہی کی
حالت میں دارالبوار کو سدہارے۔

پیشینگوئی

(٣٧)

ابوبکرؓ وعمرؓ کی خلافت کی بشارت

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ	(اے پیغمبران منافقوں سے) کہو کہ تم ہرگز
قَالَ اللّٰهُ مِنْ	ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے
قَبْلُ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ	اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے
تَحْسُدُوْنَنَا بَلْ كَانُوْا	یہ سنکر (یہ لوگ) کہینگے کہ بلکہ تم ہم سے
لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا	حسد رکہتے ہو (نہیں) بلکہ یہ لوگ بہت
قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ	ہی کم سمجھتے ہیں (اے پیغمبر) دیہاتی
الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ	جو (سفر حدیبیہ میں) پیچھے رہ گئے ان
اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ	سے کہدو کہ کوئی دن جاتا ہے کہ تم
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ	بڑے لڑنیوالوں (یعنی فارس وروم)
اَوْ يُسْلِمُوْنَ	کے مقابلے کے لئے بلائے جاؤ گے
فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ	کہ تم ان سے لڑتے رہوگے یا وہ
اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا	مسلمان ہی ہو جائینگے تو اگر (اس وقت)
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ	خدا کا حکم مانوگے تو خدا تمکو اچھا اجر
مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ	دیگا اور اگر (کہیں) سرتابی کی جیسے تم
عَذَابًا اَلِيْمًا	پہلے (سفر حدیبیہ میں) سرتابی کر چکے
	ہو تو وہ تم کو عذاب دردناک کی سزا دیگا

ف

سفر حدیبیہ میں جن لوگوں نے رسول اللہ صلعم کا ساتھہ نہیں دیا ان میں بہت سے متفرق قبائل کے لوگ تھے۔ ان بدوں میں بعض تو پکے منافق تھے جن کا راز افشا ہوگیا، مسلمانوں نے ان سے خلا ملا چھوڑ دیا اور وہ مرتے دم تک اپنے نفاق پر اڑے بیٹھے رہے بہت سے ڈر پوک تھے جو بعد کو اپنی اس حرکت پر نادم و شرمندہ ہوئے۔ انہیں لوگوں کی نسبت اللہ تعالی اس آیت میں یہہ پیشینگوئی کرتا ہے کہ کچھہ دنوں کے بعد ایک بڑی لڑنیوالی قوم سے لڑنیکے لیئے تم سب بلائے جاؤگے تو اس وقت اگر تم نے خدا کا حکم مان کر حاکم کی اطاعت کر لی تو اللہ تمکو اچھا بدلہ دیگا اور تمہاری توبہ قبول ہوجائیگی یعنے اس وقت کی اطاعت توبہ کے قبول ہونیکی علامت ہے اور اگر اسوقت بھی تم نے ایسی ہی سرکشی کی تو اللہ تم کو سخت سزا دیگا بڑے لڑنیوالوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے

(۱) سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ، "بڑی لڑنیوالی قوم" سے ہوازن و ثقیف کے لوگ مراد ہیں۔

(۲) حضرت قتادہ کا مسلک یہہ ہے کہ ہوازن و غطفان مراد ہیں جن سے جنگ حنین میں مقابلہ ہوا تہا۔

تفسیر خازن والے نے اسی مسلک کو اختیار کرکے اس پر زور دیا ہے کہ بڑے لڑنیوالوں سے ہوازن و غطفان مراد ہیں جن سے جنگ کرنیکے لئے خود رسول اللہ صلعم نے دیہاتیوں کو اور ان لوگوں کو جو سفر حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے طلب فرمایا تہا۔

مگر یہہ مسلک صحیح نہیں ہے اور اس کا غلط ہونا اسی آیت سے ثابت ہوتا ہے

جو شروع عنوان میں ہے قُل لَّن تَتَّبِعُونَا ترجمہ، کہدو اے محمدؐ کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤگے۔
اللہ نے آپ ہی انکار کر دیا کہ سفر حدیبیہ سے پیچھے رہجانیوالے لوگ اب رسول خدا کیساتھ ہرگز کہیں چلنے نہ پائینگے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان بڑے لڑنیوالوں سے مقابلہ کرنیکے لئے جو حاکم ان دیہاتیوں کو بلائیگا وہ رسول اللہ نہ ہونگے بلکہ آپ کے سواء کوئی دوسرا ہوگا۔
پس أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ سے ہوازن وثقیف یا ہوازن وغطفان مراد نہیں ہوسکتے۔
(۳) زہری اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ اور مفسرین کا ایک جم غفیر اس طرف ہے کہ بڑے لڑنیوالوں سے بنو حنیفہ مراد ہیں جو مسیلمہ کذاب کے توابع و رفقاء تھے یہ لوگ مرتد ہوگئے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان پر جہاد کر کے انکا قلع قمع کر دیا۔
مشرکین عرب اور مرتدین کے ساتھ یہ خاص سختی ہے کہ ان سے بجز اسلام یا شمشیر کے دوسری چیز قبول نہیں کیجاتی۔ آیت میں تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلِمُونَ اسی مسلک کی طرف اشارہ ہے رافع بن خدیج کا قول روایت کیا گیا ہے[*] کہ وہ فرماتے تھے ہم ہمیشہ تلاوت قرآن میں یہ آیت پڑہا کرتے مگر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اولی بأس شدید سے کون لوگ مراد ہیں یہانتک کہ جب خلیفہ اول نے بنو حنیفہ سے جنگ کی تو اسوقت معلوم ہوگیا کہ اولی بأس سے یہی مرتدین مراد تھے یہ سب صحیح ہے لیکن أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ کا ہیبتناک اور شاندار لفظ مسیلمہ کذاب والوں پر چسپاں نہیں ہوتا۔
(۴) جمہور مفسرین کے نزدیک قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ سے روم و فارس کے لوگ مراد ہیں جیسا کہ عطا بن رباح، مجاہد، ابن ابی لیلیٰ، عطا خراسانی، کعب، حسن اور

[*] تفسیر کبیر ۱۲

ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی متفق رائے ہے۔
حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے روم وفارس سے قتال کرنے کے لئے بدوؤں اور اون دیہاتیوں کو طلب فرمایا تھا جو سفر حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے بچھڑ گئے تھے۔
فارس کی سلطنت ہمیشہ سے زبردست رہی ہے۔ اس کی ہیبت ایک عرصۂ دراز سے اہل عرب کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی آخر حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں فتح ہوگئی اور اس کے شاندار قلعہ پر اسلام کا پر رعب جھنڈا لہرانے لگا۔
ہمارے نزدیک یہی آخری مسلک درست ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے اور اس صورت میں یُسْلِمُوْنَ کے معنی مطیع ہونے کے لئے جائینگے۔ کیونکہ روم وفارس والے مجوس ونصاریٰ تھے اور ان سے جزیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔

نکتہ

فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا یعنی ان بڑے لڑنے والوں سے مقابلہ کے لئے جو حاکم وقت تم کو بلائے گا اگر تم اس کی اطاعت کروگے تو اللہ تم کو اس کا اچھا بدلہ دے گا۔ اور اگر سرکشی کروگے تو سخت عذاب (دوزخ) کی سزا دیجائیگی۔
یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حاکم جو لوگوں کو بڑے لڑنے والوں کے مقابلے کے لئے بلائیگا شرعی حاکم اور امام مفترض الطاعۃ ہوگا جس کی اطاعت کی رغبت دیجاتی ہے اور جس سے سرتابی کرنے کی ممانعت فرمائی جاتی ہے۔

اُولِی بَأْسٍ شَدِیْدٍ سے خواہ مسیلمہ کذاب کے اتباع مراد ہوں یا روم و فارس والے مراد ہوں دونوں صورت میں حضرت ابوبکر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی خلافت منصوص بالقرآن اور صحیح ثابت ہوتی ہے۔

اگر مسیلمہ کذاب اور اس کے اتباع کو مراد لیں تو اس جنگ کی طرف بلانیوالے حضرت صدیق اکبر رض تھے وہ لامحالہ حاکم شرعی، خلیفہ، برحق اور امام مفترض الطاعۃ ثابت ہوں گے کیونکہ شرعی امام کی سرتابی ہی موجب عذاب ہوتی ہے اور جب صدیق اکبر کی خلافت منصوص و درست ہوئی تو فاروق اعظم کا امام برحق ہونا یقینی ہے کیونکہ اُن کو صدیق اکبر نے اپنا جانشین منتخب کیا تھا اور امام برحق کا انتخاب واجب التسلیم ہے۔

اگر اُولِی بَأْسٍ شَدِیْدٍ سے بہادران روم و فارس کو مراد لیں تو یہ لڑائیاں حضرت فاروق اعظم کے عہد میں ہوئی تھیں پس فاروق اعظم کو امام برحق ماننے کے سوا چارہ کار نہیں ہے غرض اُولِی بَأْسٍ شَدِیْدٍ سے چاہیے مسیلمہ کذاب مراد ہو یا روم و فارس والے مراد ہوں خدا کی پیشنگوئی صحیح نکلی اور ابوبکر و عمر رض کی حقیت امامت ثابت۔

پیشنگوئی

(۳۸)

روم غالب ہونگے اور پارسی شکست کھائینگے

(۳۹)

غلبۂ روم کیوقت مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہونگے

(۴۰)

روم والے فارس پر غالب ہونیکے بعد مسلمانوں سے مغلوب ہونگے

جیساکہ سورۃ الروم میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۔

قریب کے ملک میں رومی (یعنی نصاریٰ اہل فارس سے) مغلوب ہو گئے ہیں لیکن یہ لوگ اپنے مغلوب ہونے کے بعد عنقریب چند سال میں (پھر اہل فارس پر) غالب آجائینگے (اس سے پہلے بھی (رفتح وشکست کا) اختیار اللہ ہی کو تھا اور اسکے بعد بھی اور اسدن (جب کہ رومی غالب ہونگے) مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوجائینگے وہ جسکی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ زبردست رحم والا ہے ۔

ف

پیغمبر خدا کے وقت میں مملکت روم نصاری کے قبضہ میں تھی اور فارس پر آتش پرست

مسلّط تھے۔

اس وقت خسرو پرویز فارس کا بادشاہ تھا۔ شہریار اور فرخان اس کے بڑے معتمد علیہ ارکان دولت اور مشاہیر دربار سے تھے۔ اس نے انہیں دونوں کو ایک بڑی جرّار لشکر کا سپہ سالار بنا کر روم کی طرف روانہ کیا۔

ان دونوں بہادروں نے روم پر لشکر کشی کی اور کچھ مقامات فتح بھی کر لئے چونکہ رومی لوگ اس ناگہانی حملہ سے غافل تھے تاب مقاومت نہ لا سکے اور نہایت بے سرو سامانی کے ساتھ شکست کھا کر بھاگے۔

یہ واقعہ عہد نبوت کے نویں سال کا ہے۔ اگرچہ اہل عرب کو اس جنگ سے کچھ تعلق نہ تھا۔ تاہم مسلمان چاہتے تھے کہ رومیوں کا غلبہ ہو کیونکہ وہ اہل کتاب تھے۔ اور مشرکین عرب، اہل فارس کی خیر مناتے تھے کیونکہ وہ بھی ان کی طرح بت پرست تھے۔

اتفاق سے اہل فارس کی فتح ہوئی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں پر آوازے کسنے لگے کہ تم اور عیسائی اہل فارس ہم مذہب ہیں اس لئے فارس ہم مذہب ہیں اس لئے فارس والوں کی فتح سے ہم یہ شگون لیتے ہیں کہ اسیطرح ایک دن ہم بھی تم پر غالب ہوں گے۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بتا دیا کہ اگرچہ رومی نصاریٰ اس وقت مغلوب ہو گئے ہیں مگر وہ چند سالوں میں اہل پر فتح پائینگے چنانچہ ایسا ہی ہوا جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت صدیق اکبرؓ نے مشرکوں سے فرمایا کہ بدبختو تم خوش نہ ہو۔ خدا کی قسم عنقریب رومی فارس والوں پر غالب ہوں گے

اُبّی بن خلف منافق نے کہا، ہرگز نہیں ہو سکتا مغلوب بھی کہیں غالب ہو سکتے ہیں اور اگر تم اپنے قرآن کے دعوے میں ایسا ہی یقین ہے تو آؤ ہم سے شرط لگاؤ

صدیق اکبرؓ نے تین سال کی مدت مقرر کرکے دس دس جوان اونٹوں کی شرط باندھی۔ جب صدیق اکبرؓ نے یہ سارا واقعہ جناب رسول خدا صلعم سے آکر عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ بضع کا اطلاق تین اور نو کے درمیانی اعداد پر ہوتا ہے تم سے غلطی ہوئی جو تین برس کی مدت محدود کردی جو منشاء قرآن کے خلاف ہے اب جاؤ مال و مدت دونوں بڑھاؤ۔

حضرت ابوبکرؓ واپس آئے اور نو برس کی مدت متعین کرکے سو سو اونٹوں کی شرط لگائی اور وثوق کے لئے ہر ایک نے دوسرے کی ضمانت لے لی۔

اب ادھر کا حال سنو کہ جب شہریار و فرخان دونوں بھائیوں نے روم کے بعض شہروں کو فتح کرلیا اور رومی شکست کھاکر بھاگ گئے تو وہ چند روزہ قیام کیلئے انہیں مفتوحہ بلاد میں ٹھہر گئے۔ بعض خود غرض نماموں نے خسرو پرویز بادشاہ کو ان دونوں بھائیوں کی طرف سے بدظن کردیا اور بادشاہ ان سے یہاں تک ناراض ہوا کہ آخر ہلاک کرنے کے درپے ہوگیا۔

شہریار و فرخان کو بادشاہ کی برافروختگی کی اطلاع ہوئی تو وہ عتاب سلطانی سے ڈر کر قیصر روم کی پناہ میں چلے گئے۔ قیصر نے ان کو اپنے الطاف و اکرام سے یہاں تک زیربار کیا کہ یہ دونوں گرویدۂ الطاف ہوکر عیسائی بن گئے۔

اب قیصر روم نے فارس پر لشکرکشی کی اور یہی دونوں بھائی لشکر روم کے سپہ سالار مقرر ہوئے اور انہیں کی جانفشانیوں سے نو برس کے اندر فارس والوں کو شکست فاش ملی۔

یہ واقعہ تاریخی پیشینگوئی کا بڑا زبردست معجزہ ہے۔ دو زبردست سلطنتوں کے بارہ میں برسوں پہلے ایک قطعی فیصلہ وثوق کے ساتھ کردینا کسی بشر کا کام نہیں ہے اور پیغمبر خدا کو تو ان سلطنتوں کی فوجی طاقت اور انتظام کے جانچنے کا

کبھی موقع ہی نہیں ملا ورنہ اس وقت عرب جیسے ملک میں روم وفارس کی زبردست سلطنتوں کی طاقت وانتظامات اور باہمی پالٹیکس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ تھا۔

یہ جو آیت کے آخر میں فرمایا کہ اکثر لوگ نہیں سمجھتے اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ اسباب ظاہر کے دھوکے میں آکر لوگ اصلی سبب یعنی خدا سے غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ ہر ایک چھوٹے بڑے واقعہ کا اصلی سبب خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ لوگ غلط فہمی سے اس کو دوسرے سبب کی طرف منسوب کرتے اور ان ہی پر بھروسا کر بیٹھتے ہیں۔

غرض اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے دو پیشینگوئیاں کی ہیں۔ اول یہ کہ روم والے اپنی اس شکست کے بعد نو برس کے اندر پھر فارس والوں پر غالب ہو جائیں گے جیسا کہ مفصلاً اوپر گذر چکا۔

دوسری پیشینگوئی

یہ فرمائی کہ اسدن جب کہ رومی غالب ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہو جائیں گے۔ اور اللہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے۔

عامۂ مفسرین نے اس کے یہ معنی لئے ہیں کہ جب اہل روم کو فارسیوں پر غلبہ ہوگا تو مسلمان فارسیوں کی شکست سے خوش ہوں گے کہ خدا نے اہل کتاب کو ان لوگوں پر فتح دی جو کتاب نہیں رکھتے مگر میرے نزدیک یہ قرآن کی ایک دوسری پیشینگوئی مسلمانوں کی کامیابی کے متعلق ہے ورنہ رومیوں کا فارس والوں پر غالب ہونا مسلمانوں کے حق میں کوئی مدد نہیں ہو سکتی یہ بات ہوتی تو اتنا ہی کہنا بس کرتا تھا کہ رومیوں کے غلبہ سے مسلمان خوش ہونگے

آیت کے الفاظ سے صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ چند برسوں کے بعد رومی فارس والوں پر غالب ہوں گے اور ان کے غلبہ کے وقت ادہر مسلمانوں کو اللہ کی مدد سے کامیابی ہوگی جس سے وہ خوش ہوجائیں گے بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جب معرکہ بدر پیش آیا تو ادہر اہل اسلام کفار قریش پر غالب آئے ادہر فارسیوں پر رومیوں کے غلبہ کی خبر پہونچی اور بعض مورخین کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو رومیوں کے غلبہ کی خبر اس وقت ملی جب وہ جنگ حدیبیہ میں کامیاب ہوچکے تھے اور اس طرح ان کو خوشی پر خوشی نصیب ہوئی۔ ایک خوشی اپنی فتح کی جو کفار و مشرکین کے مقابلہ میں ہوئی۔ دوسری خوشی رومیوں کے غلبہ کی فارس والوں پر۔

بہرحال رومیوں کے غلبہ کی خبر مسلمانوں کو خواہ جنگ بدر میں ہو یا جنگ حدیبیہ کے دن دونوں حالتوں میں ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے کہ آیت میں مسلمانوں کے خوش ہوجانے سے یہی ایک دوسری پیشینگوئی مراد ہے۔ پس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس وقت رومی فارس والوں پر غالب ہوں گے اسی وقت مسلمانوں کو کفار و مشرکین پر فتح حاصل ہوگی اور اس فتح اور اللہ کی مدد سے وہ خوش ہوجائیں گے بلکہ خوشی پر خوشی ہوگی اس پیشینگوئی کے پورا ہونے سے مسلمانوں کی سرخروئی ہوئی جس کا انہیں پہلے سے یقین تھا اور اس کے علاوہ ایک دوسری فتح انہیں کو اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ہوئی۔ یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ کا یہی مفاد ہے۔

تیسری پیشینگوئی

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اس آیت سے ایک تیسری پیشینگوئی ثابت کی ہے

جو غرابت مگر دلچسپی سے خالی نہیں ۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۔

روم فارس سے قریب کی زمین پر مغلوب ہوگئے اور وہ عنقریب اپنے مغلوب ہونیکے بعد چند سالوں میں (فارس والوں پر) غالب آجائیں گے ۔

یہ ترجمہ جمہور علمار مفسرین کا متفق علیہ ہے مگر امام سیوطیؒ کی جدت پسند اور ذکی طبیعت نے ایک اور لگتے ہوئے معنی بیان کرکے اپنی ذکاوت کا جائز ثبوت دیا ہے عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر اور قتادہ رضی اللہ عنہم کی روایت میں سَيَغْلِبُوْنَ کی دو قرأتیں ہیں۔ ایک مضارع معروف جسکو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے دوسرے سَيُغْلَبُوْنَ مضارع مجہول کا صیغہ جسکو امام سیوطیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس وقت آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ روم فارس والوں سے مغلوب ہوئے وہ عنقریب چند سال کے اندر فارس والوں پر غالب ہوکر پھر (مسلمانوں سے) مغلوب ہوں گے ۔

اس صورت میں "فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ" کا تعلق "مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ" سے ہوگا اور "غَلَبِهِمْ" میں "ہم" کی ضمیر سے اہل فارس مراد ہوں گے اگر غَلَب مبنی للمفعول ہو جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں کھولدیا ہے اور اگر مبنی للفاعل ہو تو مرجع ضمیر روم ہوگا یہ درحقیقت ایک بعید تاویل ہے بہرحال اگر اس کو مان لیا جائے جو مستبعد نہیں ہے بلکہ یہ معنی الفاظ آیت سے بتکلف پیدا ہوتا ہے تو آیت کی تین پیشینگوئیاں ہوجائیں گی ۔

اول :- نو برس کے اندر روم والوں کا اہل فارس پر غالب ہونا۔

دوسرا :- روم کے غلبہ کے وقت مسلمانوں کا قریش پر فتح ہونا۔

تیسرے :۔ روم والوں کا فارس پر غالب ہونے کے بعد پھر مسلمانوں سے مغلوب ہونا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہ تینوں پیشینگوئیاں پوری ہوکر رہیں۔

پہلی پیشینگوئی :۔ نزول آیت کے ساتوں برس ظاہر ہوگئی۔ کما مر آنفا۔

دوسری پیشینگوئی :۔ اسی کے ساتھ ظاہر ہوئی یعنی جس وقت مسلمانوں کو سفر حدیبیہ یا جنگ بدر میں کفار پر غلبہ حاصل ہوا ہے عین اسی وقت خبر پہونچی کہ روم والوں نے فارس والوں کو شکست فاش دی۔

تیسری پیشینگوئی :۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں پوری ہوئی کہ مسلمانوں نے رومیوں کو شکست پر شکست دیکر ان کے بہت سے ممالک فتح کر لئے جیسا کہ تواریخ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

پیشینگوئی

(۴۱)

کفار و منافقین اسلام کی ضد میں اپنا مال خرچ کرتے رہینگے

(۴۲)

یہ مال کا خرچ کرنا اُن کیلئے موجب حسرت ہوگا

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۔	اس میں شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال اس لئے خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) راہ خدا سے روکیں سو یہ لوگ تو (مال کو اسی طرح) خرچ کرتے رہیں گے مگر پھر (آخر میں یہ مال) ان کے حق میں موجب حسرت ہوگا (مال بھی خرچ کریں گے) پھر مغلوب (بھی) ہوں گے

ف

آیت میں دو پیشنگوئیاں ہیں ۔

پہلی پیشنگوئی ۔ یہ ہے کہ کفار برابر اسلام کی ضد میں اپنا مال خرچ کرینگے اور ایسا ہی ہوا اگرچہ کفار و مشرکین اس ضد میں کہ اسلام مٹ جائے اور پیغمبر خدا کو اپنے مقصد عظمیٰ میں کامیابی نہ ہو ہمیشہ اپنا مال خرچ کرتے ہی رہتے تھے لیکن جنگ بدر، جنگ احزاب اور جنگ احد میں ان کافروں نے اپنی خاص ہمت سے کام لیا اور جی توڑ کر بے دریغ روپئے صرف کئے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر خود مالک عرش عظیم کی مدد نہ ہوتی تو اسلام کی عمارت کبھی بیخ و بنیاد سے اکھڑ گئی ہوتی ۔

جنگ احد میں اکیلے ابوسفیان بن حرب نے اسلام کی مخالفت میں چالیس اوقیہ سونے کا چندہ دیا تھا۔ ایک اوقیہ بیالیس مثقال کا اور ایک مثقال ساڑھے چار ماسہ کا ہوتا ہے ۔

اس حساب سے چالیس اوقیہ کا (۷۵۶۰) ماسہ اور (۶۳۰) تولہ سونا ہوتا ہے جس کا کم و بیش آٹھ من سونا ہوا اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جب ایک آدمی نے

اس قدر چندہ دیا تو مجموعی طور پر اسلام کے مٹانے کے لئے کیا کچھ نہ چندہ ہوا ہوگا اور کیسی کچھ نہ کوششیں ہوی ہونگی۔

دوسری پیشینگوئی:- یہ ہے کہ کافروں کا یہ سب مال کا خرچ کرنا ان کے حق میں موجب حسرت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ باوجود ان سرتوڑ کوششوں کے اور مال و دولت خرچ کرنے کے کچھ کامیابی نہیں ہوی اور جب مقابلہ پر آئے منہ کی کھائی درحالیکہ اسلام کو اسی طرح روز افزوں ترقی ہوتی گئی ؎

زر دادن و درد سر خریدن ؛ مال بھی خرچ ہوا۔ جس کام کے لئے مال خرچ کیا گیا وہ کام بھی نہ ہوا۔ اُلٹے شکست بھی کھائی۔ انفاق مال کے موجب حسرت ہونے کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔

پیشینگوئی

(۴۳)

(جنگ بدر میں) کافر شکست کھائینگے اور پیٹھ پھیر کر بھاگینگے

اس پیشینگوئی کے متعلق قرآن مجید میں دو آیتیں ہیں۔

پہلی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ	(اے پیغمبر!) جو لوگ (دین اسلام سے) منکر ہیں اُن سے کہدو کہ کوئی دن جاتا ہے کہ تم (مسلمانوں سے) مغلوب

اِلٰی جَہَنَّمَ۔ ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔

دوسری آیت سورۃ القمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰی وَاَمَرُّ۔	کیا یہ (کافر) لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بڑی قوی جماعت ہے سو کوئی دن جاتا ہے کہ (ان کا) گروہ شکست کھائیگا اور (مسلمانوں کے مقابلہ میں) پیٹھ پھیر پھیر کر بھاگیں گے بلکہ (اصل) وعدہ تو ان کے ساتھ قیامت کا ہے اور وہ وقت بڑی آفت اور ٹیڑھی کھیر ہے۔

ف

شروع شروع میں قوت مسلمانوں میں تھی نہیں اور جتھا اُن کا بہت کمزور تھا اسی بناء پر اور اپنی مالی وقومی طاقت کے گھمنڈ پر دشمنان اسلام یہ بڑا بول بولا کرتے تھے کہ ہماری جماعت بہت قوی ہے اور ہم مسلمانوں کو آٹے دال کی طرح پیس کر رکھدیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالی کفار کا مقولہ نقل کر کے پیشینگوئی کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ خود کفار ہی کو مسلمانوں کے مقابلہ میں عنقریب ایسی شکست فاش ملیگی کہ سوائے پیٹھ پھیر کر بھاگنے کے کوئی چارہ کار ہی نہ ہوگا۔ اس پیشینگوئی پر دشمنوں کی زبردست جماعت ٹھٹھے مارتی تھی مگر چند ہی دنوں میں جنگ بدر واقع ہوئی تو ان کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا معلوم ہوگیا کہ قرآن کی پیشینگوئی کیسی حق تھی؟

جنگ بدر سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوئی۔ کفار و اہل اسلام میں یہ پہلی لڑائی تھی جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود شریک تھے۔

اس جنگ میں آپ کے آگے دو سیاہ علم تھے اور ساتھ میں صرف تین سو تیرہ ۳۱۳ بہادران صحابہ کا لشکر تھا۔ جن میں (۷۷) مہاجرین اور (۲۳۶) انصار تھے۔ لشکر بھر میں فقط آٹھ تلواریں تھیں تین گھوڑے تھے۔ اس کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کی ایک ہزار کی جمعیت ساز و سامان کے ساتھ تھی مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور اپنی کثرت تعداد پر دشمنان اسلام اترا اترا کر کہتے پھرتے تھے کہ بھلا ہماری ایسی زبردست فوج کے مقابلہ میں لشکر اسلام کیا ٹھہر سکتا ہے؟

بخاری نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس روز اپنے قبہ میں تشریف فرما تھے چادر پہنے ہوئے فتح اسلام کی دعا کی اور آخر میں یہ آیت پڑھی "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ" اس کے بعد اسلام و کفر کی مڈبھیڑ ہوئی اور مسلمان باوجود قلت تعداد کے کثیر التعداد دشمنوں پر غالب ہوئے صرف (۱۴) مسلمانوں نے جام شہادت پیا اور پچاس یا ستر کفار جہنم واصل ہوئے۔ بقیہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

بخاری نے عکرمہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم قرآن مجید میں آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ کی تلاوت کیا کرتے تھے مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس جماعت سے کون سی جماعت مراد ہے جو ہم سے شکست کھائیگی یہاں تک کہ جب غزوۂ بدر واقع ہوا تو آیت کے معنی حل ہو گئے اور ہم سمجھ گئے کہ اس سے کفار قریش کی جماعت مراد تھی جس نے جنگ بدر میں ہم مسلمانوں سے شکست کھائی اور پھر اس کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا۔

تیسری آیت سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ -

(اے پیغمبر یہ لوگ) تم سے عذاب کیلئے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ بلاشبہ دوزخ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جب کہ عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پیروں کے تلے سے ان (کافروں) کو ڈھانک لیگا -

اس آیت میں فتح بدر اور فتح مکہ دونوں کی بشارت ہے - فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کا لشکر خود مکہ والوں پر چڑھ کر گیا تھا اور کفار مکہ سے سوائے ہتھیار ڈال دینے کے کچھ بن نہ پڑا تھا اس لئے یہ عذاب تو گویا کافروں کے اوپر سے اُن پر آیا اور جنگ بدر میں جب مسلمانوں اور کافروں میں میدان کارزار گرم ہوا تو اسوقت لشکر اسلام پست زمین پر تھا اور لشکر کفار بلندی پر تھا - باوجود اس کے دشمنان اسلام کو شرمناک شکست اٹھانی پڑی تو گویا یہ عذاب کافروں پر ان کے پاؤں کے نیچے سے آیا -

تیسری آیت سورۂ یٰسٓ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ

اور (کفار مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ (عذاب) کب (پورا) ہوگا (بس) یہ لوگ اسی کی منتظر ہیں کہ یہ لوگ آپس میں (ایک دوسرے سے معمولی طور پر) لڑجھگڑ رہے ہوں اور ایک زور کی آواز ان کو آن پکڑے پھر نہ تو وصیت ہی کرسکیں گے اور نہ

اپنے بال بچوں میں لوٹ کر جاسکیں گے	اِلیٰ اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ

ف

جنگ بدر میں کفار عرب کا یہی حال ہوا کہ وہ شکست کھا کر پھر کہیں کے نہ رہے اور مرنے والوں کا وصیت کرنا تو بڑی بات تھی۔

پیشنگوئی

(۴۴)

جنگ بدر تک کفار قریش کو تھوڑی سی مہلت ہے

جیساکہ سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اور (کافر) جیسی جیسی باتیں (تمہاری نسبت) کہتے ہیں اُن پر صبر کرو، اور وضعداری کے ساتھ ان سے الگ تھلگ رہو اور (یہ) جو جھٹلانے والے خوش حال لوگ ہیں ہم کو اور ان کو (اپنے اپنے حال پر) چھوڑ دو اور انکو تھوڑی سی مہلت دو۔	وَاصْبِرْ عَلیٰ مَا یَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَۃِ وَمَھِّلْھُمْ قَلِیْلًا

ف

جب سرداران قریش کی ایذا دہی حدّ اعتدال سے تجاوز کر گئی اور بات برداشت سے باہر ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں پیغمبر کی تشفی و دلدہی

یوں فرمائی کہ ذرا صبر کرو اور ان کافروں کو ذرا سی مہلت دو۔ پھر دیکھو ہم انکا انجام کیسا کرتے ہیں۔

اس کے چند ہی دنوں کے بعد جنگ بدر واقع ہوئی جس میں اہل اسلام اور غیران خدا نے تمام سرداران قریش کو چُن چُن کر مارا۔ اور سب دنوں کی کسر نکال لی۔ دوسری آیت اسی کی ہم معنی سورۃ الطارق میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَأَكِيدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۔

بے شک یہ (کافر تو اپنے) داؤ کر رہے ہیں اور ہم (اپنے) داؤ کر رہے ہیں تو (اے پیغمبر!) ان کافروں کو مہلت دو (اور زیادہ نہیں بلکہ) ان کو تھوڑی سی مہلت دو۔

ف

یہ دونوں آیتیں مکی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں اور جنگ بدر ۲ھ میں واقع ہوئی تو یہ پیشنگوئی کم سے کم دو برس پہلے کی گئی اور درحقیقت جنگ بدر ہی پہلی جنگ ہے جس میں مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے بدلا لیا۔

پیشنگوئی

(۴۵)

اگر کافر صلح کے بعد دغا کرینگے تو اللہ تم کو بس کریگا

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ

اور (اے پیغمبر!) اگر کافر صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسا رکھو کیونکہ وہی (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے۔ اور اگر ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا ہوگا تاہم (تم کچھ پروانہ کرو) اللہ تم کو بس کرتا ہے (اے پیغمبر!) وہی قادر مطلق ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر برحق کو یہ تعلیم فرمائی کہ اگر تمھارے دشمن تم سے بظاہر صلح کرنا چاہیں تو ظاہر حال پر نظر کرکے تم بھی آشتی کی طرف جھکو اور کچھ خوف نہ کرکے اللہ پر بھروسا رکھو اس ہدایت کے ساتھ اثناءً یہ پیشینگوئی بھی فرمائی کہ تمھارے دشمن فریب اور بدعہدی کریں گے لیکن جب ایسا وقت آئیگا تو اللہ اپنی امداد اور مسلمانوں کی جمعیت سے تمھاری حفاظت کو کافی ہوگا۔ ہجرت کے چھٹویں برس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عمرہ کرنے کی غرض سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ جب مکہ کے قریب پہونچے تو کفار قریش جنگ کے ارادہ سے باہر نکلے۔ آنحضرت کو جنگ منظور نہ تھی۔ دشمنوں کو آمادہ جنگ دیکھا تو آپ نے حُدَیبیّہ میں قیام کیا اور فریقین میں گفت وشنید ہونے لگی۔ آنحضرت نے اللہ کی اسی تعلیم مذکورہ کی بنا پر کفار سے صلح کی اور بڑی مشکل سے یہ صلح ٹھہری کہ دس برس

تک مسلمانوں میں اور قریش میں جنگ موقوف رہے اور پیغمبر خدا اس وقت بلا عمرہ کئے لوٹ جائیں۔ اگلے سال عمرہ کریں مگر کوئی مسلمان تلوار میان سے باہر نہ نکالے۔ زمانۂ صلح میں اگر کوئی مسلمان مرتد ہوکر قریش سے جا ملے تو قریش اسکو واپس نہ دیں اور قریش کا کوئی آدمی مسلمانوں میں چلا آئے تو وہ قریش کو واپس دیدیا جائے۔

یہ صلح پیغمبر خدا کے دب کرکے اور مسلمانوں کی بڑی دلشکنی کا باعث ہوی لیکن دراصل یہ صلح مسلمانوں کی بڑی جیت تھی۔

پیغمبر خدا کو الفاظ آیت سے معلوم ہو چکا تھا کہ قریش کی طرف سے ضرور بد عہدی ہوگی اور ہوی بھی بنی خزاعہ اور بنی بکر دو قبیلے تھے۔ بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار اور بنی بکر قریش کے طرفدار تھے تو صلح کے رو سے ان دو قبیلوں کو بھی شرائط صلح کی پابندی لازم تھی مگر آخر یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے اور قریش نے در پردہ بنی بکر کی مدد کی اور حدیبیہ کی صلح ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کو نوبت ہاتھ آئی اور فوراً مکہ پر چڑھ دوڑے۔ خدا کی پیشنگوئی اور وعدہ مدد دونوں باتیں پوری ہوگئیں۔

جو منافقین جنگ حدیبیہ میں ساتھ نہیں ہوئے وہ غنیمت کی
لالچ سے خیبر میں مسلمانوں کے ساتھ جانا چاہینگے

جیساکہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا

(مسلمانو!) اب جو تم (خیبر کی) غنیمتوں کے لینے کیلئے جانے لگو گے تو جو لوگ (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے کہ ہمکو بھی اپنے ساتھ چلنے دو (اس سے) ان کا مطلب یہ ہے کہ فرمودۂ خدا کو بدل دیں (یعنی نہ ہونے دیں) اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے اللہ نے پہلے ہی سے ایسا فرما دیا ہے (یہ سنکر یہ لوگ کہینگے کہ (خدا نے تو کیا فرمایا ہوگا) بلکہ تم ہی حسد کرتے ہو ہم سے (حسد نہیں) بلکہ یہ لوگ (اصل مطلب) بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔

ف

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر پیغمبر خدا صلعم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہاں کے یہودی بھی مسلمانوں کو بہت پریشان کئے رہتے تھے۔ خیبر فتح ہو گیا اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ غنیمت خیبر کے بارہ میں خدا کا حکم یہ تھا کہ اس غنیمت کے مستحق وہی لوگ ہیں جو سفر حدیبیہ میں بھی ساتھ تھے۔

منافقین جو سفر حدیبیہ میں ساتھ دینے سے پیچھے رہ گئے تھے خیبر کی چڑھائی میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ چلنا چاہا۔ اس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ خیبر کی

غنیمت میں سے حصہ لیں مگر پیغمبر خدا نے ساتھ چلنے کی اجازت نہ دی اس لئے
کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ سے آپ کو پہلے ہی حقیقت حال سے
متنبہ کر دیا تھا۔ منافقین نے اپنے دال گلتے نہ دیکھکر جواب دیا کہ خدا نے
کیا منع کیا ہوگا، تم مسلمان لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو۔
غرض اللہ تعالیٰ کی پیشینگوئی حرف بہ حرف پوری ہوکر رہی۔

پیشینگوئی

(۴۷)

منافقین یہود کی نافت میں اپنے گھروں کو نہ چھوڑینگے

(۴۸)

منافقین وقت پڑنے پر کفار اہل کتاب کا ساتھ نہ دینگے

(۴۹)

منافقین اور یہود کو پھر کہیں سے کوئی کمک نہیں پہنچیگی

جیسا کہ سورۃ الحشر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ	(اے پیغمبر!) کیا تم نے منافقوں (کے حال) پر نظر نہیں کی جو اپنے

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ۔

(ہم جنس) بھائیوں کفار اہل کتاب سے کہا کرتے ہیں کہ اگر تم (اپنے گھروں سے) نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور تمہارے بارہ میں ہم کبھی کسی کی ماننے نہیں کے نہیں اور اگر تم سے (مسلمانوں سے) لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور (مسلمانو) اللہ (تمکو) بتائے دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں اگر اہل کتاب نکالے جائینگے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اہل کتاب سے (اور مسلمانوں سے) لڑائی ہو پڑیگی تو یہ منافق، اہل کتاب کی مدد نہیں کرینگے اور اگر ان کی مدد کرینگے (بھی) تو ضرور دم دبا کر بھاگتے نظر آئینگے پھر (کسی طرف سے) ان کو کمک بھی نہیں پہونچیگی۔

ف

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہود بنی نضیر نے آپ سے اس امر پر صلح کا معاہدہ کیا کہ نہ ہم آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کے مقابلہ میں دشمنوں کا ساتھ دیں گے رسول اللہ صلعم نے اس عہد و پیمان کو قبول کر لیا اور معاہدہ پکا ہو گیا۔

جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو یہود بنی نضیر نے یہ سمجھکر کہ اب قریش
مسلمانوں کو پنپنے نہیں دیں گے معاہدہ کو توڑ دیا اور اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے
کعب بن اشرف جو رسول اللہ صلعم کا جانی دشمن تھا ساٹھ سواروں کو لیکر مکہ معظمہ
پہونچا اور کفار قریش سے مل کر انکو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر مجتمعہ قوت
سے محمد (صلعم) کا مقابلہ کریں چنانچہ کعب بن اشرف مع اپنے ساٹھ سواروں کے
اور ابوسفیان اپنے چالیس جانباز بہادروں کو لیکر کعبہ کے پاس جمع ہوئے
اور مسلمانوں کی بیخکنی پر سب نے مضبوط معاہدہ کیا۔ اس کے بعد کعب بن اشرف
مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

ادھر رسول اللہ صلعم کو وحی کے ذریعہ سے کعب و ابوسفیان اور قریش و یہود
کی باہمی مشورہ بازی کی خبر ہوگئی۔ آپ نے محمد بن مسلمہ کو جو کعب بن اشرف کا رضاعی
بھائی تھا، کعب کے قتل پر متعین کیا جس نے اپنے کار مفوضہ کو اچھی طرح سے
انجام دیا اور اس دشمن خدا کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

اسی اثناء میں بئر معونہ سے لوٹتے وقت عمرو بن امیۃ الضمیری نے نادانستگی سے
دو مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا۔ آپ مقتول کے ورثہ کو دیت دینے دلانے
کے لئے اس قبیلہ میں تشریف لائے۔ یہود نے موقع پا کر چاہا کہ جہاں رسول خدا صلعم
تشریف فرما تھے، پہونچکر اوپر سے پتھر لڑھکا دیں تا آپ کا وہیں خاتمہ ہو جائے
مگر رسول اللہ کو اللہ نے پہلے ہی مطلع کر دیا اور آپ وہاں سے ہٹ گئے۔

کعب بن اشرف کے قتل ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم بہادران اسلام
کو ساتھ لئے ہوئے بنو نضیر کے سر پر جا پہونچے جو اس وقت ایک قریہ
زہرہ میں ٹھیرے ہوئے کعب کا ماتم کر رہے تھے۔ پیغمبر خدا نے یہود
سے فرمایا کہ تم سب مدینہ سے نکل جاؤ، انہوں نے ذرا مردانگی سے جواب دیا

کہ ہمارے نزدیک مدینہ چھوڑنے سے موت زیادہ بہتر ہے اور لگے جنگ کی تیاری کرنے۔

ادہر یہود بنی نضیر مسلمانوں سے جدال وقتال کرنے کی تیاری کر رہے تھے ادہر عبداللہ بن ابی رفاعہ بن تابوت، عبداللہ بن نتبل اور اوس بن قیظی وغیرہ منافقوں نے یہود کے پاس خفیہ پیام بھیجا کہ تم لوگ ہرگز قلعہ سے باہر نہ نکلنا اگر مسلمان تم سے قتال کریں گے تو ہم تمھارا ساتھ دیں گے، اور تم کو ذلیل نہ ہونے دیں گے اور بفرض محال اگر تم کو گھروں سے نکلنا پڑا تو ہم بھی تمھارے ساتھ اپنے گھروں سے نکل پڑیں گے۔

اس پیام سے یہود بنی نضیر کو فی الجملہ قوت وتسکین ہو گئی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے اثنائے محاصرہ میں یہود نے پیغمبر خدا سے خوب خوب مکاریاں کیں لیکن ہمیشہ خاسر و ناکام رہے۔ تنگ آکر مسلمانوں نے محاصرہ میں سختی کی۔ جب محاصرہ کو اکیس دن گذر گئے اور یہود نے دیکھا کہ نہ منافقین نے کوئی مدد کی نہ اور کسی طرف سے کوئی کمک آتی اور ہمارا حال روز بروز پتلا ہوتا جاتا ہے تو گھبرا اٹھے اور تاب نہ لا کر رسول خدا صلعم کی خدمت میں صلح کی درخواست بھیجی۔ آپ نے جواب دیا کہ جب تک تم ہمارے حکم کی تعمیل میں باہر نہ نکلو گے تمہاری کوئی درخواست منظور نہ کیجائے گی۔ مجبور ہو کر یہود نے جانوں کی امان مانگی اور قلعہ سے باہر نکلے رسول اللہ صلعم نے اس امر پر مصالحت کی کہ یہود اپنے تمام ہتھیار گھروں میں چھوڑ دیں اور مال اور اونٹ وغیرہ جس قدر ساتھ لیجا سکیں، لا دپھاند کر سرزمین عرب سے باہر نکل جائیں۔ ان کے جلا وطن ہونے کے بعد ان کے گھر، اونٹ، زمین، مال، اناج وغیرہ جتنی چیزیں رہ جائینگی سب پر اہل اسلام قابض ہوں گے۔

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

(کفار) چاہتے ہیں کہ خدا کے نور (یعنی اسلام) کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور خدا کو منظور ہے کہ ہر طرح اپنے نور (کی روشنی) کو پورا کرے اگرچہ کافروں کو بُرا (ہی کیوں نہ) لگے۔

دوسری آیت سورۃ الصف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ

کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ تو اپنے نور کو (کامل طور پر) پھیلا کر رہے گا۔ گو کافروں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے۔

ف

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ قطعی طور پر پیشنگوئی کرتا ہے کہ اگرچہ کفار، نور اسلام کو مٹانا اور اپنے اباطیل کی ہوا سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن اُن کی یہ سب کوششیں رائیگاں جائینگی اور ہم نور اسلام کو تمام عالم میں چمکا کر اور اسکی روشنی کو ہر طرف پھیلا کر رہینگے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ایک حدیث روایت کی ہے جو اس پیشنگوئی کو اور واضح کر دیتی ہے۔

حدثنا الولیدؒ بن مسلم حدثنی بن جابرؓ سمعت سلیم بن عامرؓ قال سمعت المقدادؓ بن الاسودؓ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یبقی علی وجہ الارض بیت مدر ولا وبر الا دخلتہ کلمۃ الاسلام

حدیث بیان کی ہم سے ولید بن مسلمؒ نے حدیث بیان کی مجھ سے ابن جابرؓ نے کہ سنا میں نے سلیم بن عامرؓ سے کہا انہوں نے سنا میں نے مقدادؓ بن اسودؓ کو کہتے ہوے کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوے کہ روے زمین پر دیہات اور صحرا میں کوئی گھر ایسا باقی نہ رہے گا جہاں اسلام کا کلمہ نہ پہونچے

ف

حدیث کا یہ منشا نہیں ہے کہ دنیا بھر کے ہر ہر مکان میں اسلام پھیل جائیگا کیونکہ ایسا ہونا محال عقلی ہے۔ یہ ایک محاورہ کا جملہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو خوب ترقی ہوگی اور وہ دنیا کے ہر گوشہ میں ہر طرف پھیلے گا۔

یہ ایک ایسی پیشنگوئی ہے کہ اسلام کا سخت سے سخت دشمن بھی اس کی تصدیق کرنے پر مجبور ہے اور اس وقت بھی اس کی حقیت کے بدیہی آثار موجود ہیں۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تمام جزیرہ نماے عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ خلفاے ثلاثہ (ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ) رضی اللہ عنہم کے زمانہ خلافت میں ترک۔ ایران۔ مصر۔ شام وغیرہ کے بہت سے بلاد و اقطاع میں اسلام

عام ہوگیا اور اسی طرح بادشاہان اسلام کے وقتوں میں علمائے اسلام اور واعظوں کے مساعی جمیلہ سے روز افزوں ترقی کرتا رہا۔

چین میں کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوئی مگر اس وقت وہاں سات کروڑ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ سوائے اسلام کی حقانیت اور اس کی خوبیوں کے اشاعت اسلام کی اور کونسی دوسری وجہ ہو سکتی ہے۔ ایشیا، یورپ، افریقہ کے کم و بیش تمام حصوں میں ہر طرف اسلام پھیلا ہوا ہے اور باوجود اس کے کہ اب مسلمانوں میں کوئی زور نہیں رہا نہ اسلام کوئی خاص دنیاوی سرپرست رکھتا پھر بھی وہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

یورپ کے اقطاع میں جیسا کہ چاہئیے اسلام نہیں پھیلا اور امریکہ جو نئی دنیا کہلاتی ہے وہاں تو گویا ابھی اسلام کا قدم ہی نہیں جما مگر خدا کے فضل سے وہ دن بھی کچھ بہت دور نہیں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ دنیا دیکھیگی کہ ایک دن ان اقطاع میں بھی اسلام عام ہوگا اور پھل پھول کر رہے گا۔

مخالفین اسلام کو قرآن مجید کی اس زبردست پیشنگوئی پر انصاف کی نظر کرنی چاہئیے۔

پیشنگوئی

(۵۱)

اسلام تمام دینوں پر غالب ہوگا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ	وہ ہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکوں کو برا (ہی کیوں نہ) لگے۔

دوسری آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا	وہ (خدا) ہی (تو) ہے جس نے اپنے رسول (محمدؐ) کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور (دین اسلام کی صداقت کے لئے) خدا گواہ بس کرتا ہے۔

ف

ملک عرب میں ہر طرف، بت پرستی، جہالت اور فحش کی گھنگھور گھٹا چھائی تھی یورپ کا وحشیانہ زندگی پر گذارہ تھا۔ روم کی سلطنت جس کا ڈنکا تمام کرۂ عالم میں بج رہا تھا عیسائیت کے تصرف میں تھی ایران جو دولت و قہرمانی میں آپ ہی اپنا نظیر تھا، اس پر مجوسیت اور آتش پرستی مسلط تھی ہندوستان اوہام پرستی و بت پرستی میں گرفتار تھا۔ غرض ساری دنیا اسی تاریکی میں گھری ہوئی تھی کہ یکایک حجاز عرب کے شہر مکہ کے افق سے ایک نور چمکا اور وہ رفتہ رفتہ آفتاب اسلام بن کر تمام عالم پر محیط ہوگیا یعنی تمام دنیا کو اس آفتاب نے روشن کر دیا۔

اسلام کی ابتدا ضعف، پستی، تنگدستی، اور بیچارگی سے ہوئی لیکن آخر میں وہی سب سے زیادہ زبردست ہوگیا اور اس نے تمام ادیان کو اپنی حجت و براہین اور قوت و شوکت سے نیچا دکھایا۔

جو ناظرین، عرب کی تاریخ و جغرافیہ سے واقف ہیں اُن پر خوب روشن ہے کہ عرب ایک اجاڑ ملک ہے۔ اکثر زمین ریگستانی ہے۔ آبادی بہت کم ہے۔ زراعت شاذ و نادر ہے جس وقت اسلام کا ظہور ہوا ہے اسکی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ خود ملک میں ہزاروں فرقے گھر گھر کا نیا خدا۔ ہر جگہ بدامنی۔ نہ کوئی قانون نہ آئین۔ نہ معاش کی درستی نہ معاد کی خبر ایسی قوم اور ایسے ملک میں اسلام نے ظہور کیا اور چند سالوں میں وہی ملک عرب کیا سے کیا ہوگیا کہ تمام دنیا کو اس نے تہذیب سکھائی اور ہر گوشۂ عالم میں اس کے فضل کی روشنی جاپہنچی یہ تھی محمد عربی (روحی فداہ) کی روحانی قوت اور یہ تھی اسلام کی صداقت۔

اُس زمانہ میں روم و ایران سے زیادہ کوئی سلطنت زبردست نہ تھی۔ عالم پر ان کی دھاک بیٹھی تھی اور دنیا میں ان کی شوکت کا سکہ چل رہا تھا۔

پس کیا یہ خدائی طاقت نہ تھی؟ کیا یہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کی دلیل نہیں ہے کہ اتنی بڑی بڑی زبردست پُرشوکت سلطنتیں، عرب جیسے بے بضاعت ملک سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہوگئیں اور اُجڑیں تو ایسی اُجڑیں کہ پھر آباد ہی نہ ہوئیں ایک زمانہ دراز تک اسلام کو دنیاوی حکومت اور دینی حجت دونوں اعتبار سے غلبہ رہا۔ جب مسلمانوں نے خود گرنا شروع کیا اور قرآن کے حبل المتین کو چھوڑ دیا تو غلبہ دنیاوی جاتا رہا ہاں دینی حجت کا غلبہ باقی ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک رہیگا۔

اس پیشینگوئی کا دینی و دنیاوی دونوں اعتبار سے عہد رسالت، عہد خیر القرون اور خلفائے اسلام کے زمانوں میں پورا ہونا تو ظاہر و مسلم ہے۔ تماشا تو یہ ہے کہ تیرہ سو برس کے بعد اب بھی اس پیشینگوئی کی تصدیق اُسی آب و تاب کے ساتھ جاری ہے اور اسلام کو آج بھی تمام ادیان پر ویسا ہی غلبہ حاصل ہے جیسا کہ پہلے تھا۔

پیشینگوئی

(۵۲)

کفار مکہ قحط کی مصیبت میں گرفتار رہوں گے

(۵۳)

تب مجبور ہو کر اللہ کی طرف رجوع ہوں گے

(۵۴)

قحط دور ہونیکے بعد پھر وہی شرارت کرینگے اور اُسوقت ہم سخت پکڑ پکڑینگے

جیسا کہ سورۃ الدخان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ	تو (اے پیغمبر!) اُس دن کا انتظار کر

بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ
يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ
رَبَّنَا اكْشِفْ
عَنَّا الْعَذَابَ
اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ
اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى
وَقَدْ جَاءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ
وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ
مَّجْنُوْنٌ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ
قَلِيْلًا اِنَّكُمْ
عَائِدُوْنَ يَوْمَ نَبْطِشُ
الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى
اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۔

کہ (جسکو سب دیکھتے) آسمان سے
ایک دھواں ظاہر ہو (اور وہ) سب
لوگوں پر چھا جائے۔ یہ ہے عذاب
دردناک۔ جسکو دیکھکر یہ منکر بھی دعائیں
مانگنے لگیں گے کہ) اے ہمارے
پروردگار ہم پر سے اس آفت کو ٹال
کہ اب) ہم (تجھپر) ایمان لائینگے
(لیکن اس دھویں سے) ان کو
کیا نصیحت ہوگی اور حال یہ ہے
کہ ان کے پاس پیغمبر آیا (اور) اس نے
ہندی کی چندی کرکے انکو سمجھایا (اسپر
بھی) یہ لوگ اس سے بدکتے رہے
اور یہی کہا کئے کہ (یہ تو کسی کا) سکھایا
پڑھایا باؤلا ہے (لوگو! حجت تمام کرنے
کے لئے) ہم (تم پر سے اس) عذاب
کو چندروز کیلئے ہٹا دینگے مگر تم پھر (وہی کفر)
کروگے (اور) ہم (ان لوگوں سے پورا بدلہ
تو اس دن لینگے) جسدن بڑی سخت پکڑ
پکڑینگے (کیونکہ جہاں) ہم (رحم کرتے ہیں
بدلہ (بھی) لیا کرتے ہیں۔

ف

پیغمبر اسلام علیہ التحیتہ والسلام کے عہد میں کفار مکہ کے کفر کی شامت سے متواتر سات برس تک قحط رہا۔ عرب میں یوں بھی پیداوار بہت کم ہوتی ہے اور پانی بھی کم برستا ہے اس پر قحط اور قحط بھی سات برس کا، لوگ بلبلا اٹھے۔ جب پانی نہیں برستا اور سخت گرمی پڑتی ہے تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ جیسے آسمان وزمین سے دھوئیں اٹھ رہے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب گرمی سخت پڑتی ہے اور خشک سالی عام ہو جاتی ہے تو انقطاع بارش کی وجہ سے زمین کی خشکی بہت بڑھ جاتی ہے زمین سے اوپر کی طرف غبار کثرت سے اٹھتا ہے۔ ہوا میں ظلمت آجاتی ہے۔ اور زمین وآسمان (خصوصاً) قحط زدوں کے نظروں میں سب دھواں دھار معلوم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے اہل عرب قحط کے سال کو غبرا کہتے ہیں۔

ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ بھوک اور خوف کی زیادتی کے وقت آنکھوں تلے اندھیرا آجاتا ہے اور ہر طرف دھواں دھواں سا نظر آنے لگتا ہے۔ غرض یہاں دھوئیں سے وہی دھواں مراد ہے۔ یہ ایک مسلم محاورہ ہے اور مشہور بات مسلم الثبوت ہے

صحیح بخاری میں واقعہ قحط کو اس طرح روایت کیا گیا ہے:۔

حدثنا محمد بن کثیرؒ عن سفیانؒ قال حدثنا منصورؒ والاعمشؒ عن ابی الضحیٰؒ عن مسروقؒ قال اتیت ابن مسعودؓ	حدیث بیان کی ہم سے محمد بن کثیرؒ نے سفیان رضؓ سے، انہوں نے کہا کہ ہم سے حدیث بیان کی منصورؒ اور اعمش رضؓ نے ابوضحیٰ رضؓ سے انہوں نے مسروق رضؓ سے انہوں نے کہا (ایک دن

فقال ان قریشا ابطؤوا
عن الاسلام فدعا
علیھم النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فاخذتھم
سنۃ حتی ھلکوا
فیھا واکلوا المیتۃ
والعظام فجاء ابوسفیان
فقال یا محمد جئت
تامر بصلۃ الرحم
وان قومک ھلکوا فادع
اللہ تعالی فقرء فارتقب
یوم تاتی السماء
بدخان مبین فدعا
رسول اللہ فسقوا الغیث
فاطبقت علیھم
سبعا وشکا الناس
کثرۃ المطر قال
اللھم حوالینا ولا
علینا فانحدرت
السحابۃ عن راسہ
فسقوا الناس حولھم

پس ابن مسعودؓ پاس آیا تو انہوں نے
کہا کہ البتہ قریش نے اسلام میں دیر لگائی
(اور رسول اللہ کو ایذا پہونچائی) تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں
بددعا فرمائی پھر تو ان کو قحط نے (آلیا
اور ایسا) پکڑا کہ وہ اس میں ہلاک ہو گئے
اور لگے مردار اور ہڈیاں کھانے پھر
آیا ابوسفیان (آپ کے پاس) اور عرض کیا
کہ اے محمد! تم صلۂ رحم کا حکم کرنے
آئے ہو اور بے شک تمہاری قوم
ہلاک ہو گئی۔ پس اللہ تعالی سے (دفع
بلا کی) دعا کرو پھر اس آیت کو پڑھا فار
تقب یوم تاتی السماء بدخان مبین
پس دعا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے تو لوگ پانی سے سیراب ہو گئے
پھر سات دن برابر بارش ہوتی رہی
اور لوگوں نے کثرت بارش کی شکایت
کی (تب) آپ نے فرمایا اے ہمارے رب
اللہ! ہم پر نہیں ہمارے گرد پس ابر آپ کے
سر سے نیچے ہٹ کر پھٹ گیا اور
اردگرد برسنے لگا پھر اس کے

بعد اہل مکہ اپنی اسی سرکشی پر آ گئے اور اسی پارہ میں ہے قول اللہ تعالیٰ کا یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ۔	ثم عادوا الی کفرھم فذلک قولہ تعالیٰ یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ یوم بدر

ف

اس قحط کا ہونا تو مسلم ہے۔ رہا یہ امر کہ یہ قحط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے ہوا جیسا کہ مسلمانوں کا اعتقاد حق ہے یا ہیضہ جیسی ایک ہونے والی بات تھی؟ یہاں اس سے بحث کرنی ضرور نہیں ہے آیت میں تین پیشنگوئیاں ہیں۔

(۱) کفار مکہ کا آفت قحط میں گرفتار ہونا جیسا کہ اوپر گذر چکا۔

(۲) قحط زدگی سے مجبور ہو کر منکروں کا خدا کی طرف رجوع کرنا۔ دشمنان اسلام اور کفار قریش رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا سمجھتے اور کہتے تھے۔ باوجود اس کے ابوسفیان جیسے سخت متعصب دشمنوں کا خدمت رسول میں حاضر ہونا اور عرض کرنا کہ آپ خدا سے قحط کے دور ہونے کی دعا فرمائیے۔ دراصل خدا کی طرف رجوع ہونا تھا اور آیت میں اسی کی پیشنگوئی کی گئی ہے کہ کفار پر قحط کی مصیبت آئیگی اور وہ خدا کی طرف رجوع ہو کر اپنی سرکشی سے کنارہ کرینگے (گو تھوڑے دن کے لئے سہی)

(۳) قحط کے دور ہو جانے کے بعد کفار کا پھر شرارت کرنا اور اس پیشنگوئی کا پورا ہونا ظاہر ہے کہ کفار مرتے دم تک اپنی ایذا و شرارت سے باز نہیں آئے۔

(۴) چوتھی پیشنگوئی یہ فرمائی کہ کفار اپنی سرکشی پر عود کرینگے تو ہم جس دن سخت پکڑ پکڑیں گے اس دن سب کا بدلہ نکال لینگے۔

اس سخت پکڑ سے جنگ بدر مراد ہے کہ اس دن کفار کو سخت سے سخت شکست

اٹھانی پڑی گا۔

نکتہ

جنگ بدر دو مرتبہ ہوئی۔ ایک سنہ ہجری میں جو بدر کبریٰ کے نام سے مشہور ہے اور اس میں مسلمان کم اور کفار بہت زیادہ کام آئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ دوسری جنگ بدر ۴ھ ہجری میں واقع ہوئی۔ عرب میں ایک بازار تھا جہاں ایام جاہلیت میں ہر سال آٹھ دن اہل عرب آکر مجتمع ہوتے تھے ذی قعدہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تاریخ تک بازار گرم رہتا تھا۔ ۴ھ ہجری میں ابوسفیان کی وجہ سے دوبارہ جنگ کی نوبت آئی اور رسول خدا ؐ ایک ہزار پانچ سو بہادروں کا لشکر لیکر مقابلہ کو نکلے۔ آٹھ دن تک ابوسفیان کا انتظار کرتے رہے لیکن کفار، بہادران اسلام سے ایسا مرعوب ہوئے کہ اس طرف کسی نے قدم تک نہ اٹھایا۔ مسلمانوں نے بھی بازار والوں سے کچھ تعرض نہیں کیا اور آٹھ دن کے بعد واپس چلے آئے۔ چونکہ اس جنگ میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی اس لئے اس کا نام جنگ بدر صغریٰ ہوا آیت میں بھی "البطشۃ الکبریٰ" فرمایا گیا ہے جو اس بات کی صراحت ہے کہ بطشہ دو ہوں گے ایک صغریٰ۔ دوسرے کبریٰ مگر اللہ کا انتقام بطشۂ کبریٰ یعنی جنگ بدر کبریٰ میں پورا ہو جائے گا۔

پیشنگوئی

(۵۵)

ان ظالموں کو عذاب قیامت کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب ہوگا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے :-

پہلی آیت سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے :-

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

تو (اے پیغمبر!) ان کو (ان ہی کی حالت پر) رہنے دو یہانتک کہ وہ دن ان کے سامنے آموجود ہو جب کہ (مارے صدمہ کے) ان کو غش آجائے (اور) اُسدن اُن کے مکر (و فریب) ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں اور نہ (کہیں سے) انکو مدد ملے اور (ان) ظالموں کو عذاب قیامت کے علاوہ (دنیا میں اور بھی) عذاب (ہونے والا) ہے مگر ان میں سے اکثر کو معلوم نہیں۔

دوسری آیت سورۃ السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

اور (قیامت کے [illegible]) سے پہلے ہم ان (کفار) کو (دیب) ایسے عذاب کا مزہ بھی ضرور چکھائینگے جو (اسی دنیا میں اُن پر) عنقریب نازل ہوگا تاکہ

يَرْجِعُونَ۔	یہ لوگ ہماری طرف رجوع کریں۔

ف

اس امر میں بین العلماء اختلاف ہے کہ عذاب آخرت کے سوا دنیا کا وہ کون سا عذاب مراد ہے جس کی اس آیت میں پیشگوئی کی گئی ہے۔

(۱) فریابی۔ ابن منیع۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ حاکم۔ ابن مردویہ خطیب اور بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ دنیا کے عذاب سے جنگ بدر مراد ہے جیسا کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

(۲) عبد اللہ بن احمد۔ ابو عوانہ۔ براء بن عازب۔ مسلم اور نسائی نے ابی بن کعب اور عبد اللہؓ سے روایت کی ہے کہ اس عذاب سے وہی سات برس والا قحط مراد ہے جو اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی واقع ہوا۔

(۳) ابو العالیہ۔ حسن۔ ابراہیم نخعی۔ ضحاک۔ علقمہ۔ عطیہ۔ مجاہد۔ قتادہ۔ عبد الکریم جزری اور حصیف نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ عذاب دنیا سے دنیا کی مصیبتیں اور بیماریاں مراد ہیں جو انسان پر وارد ہوتی رہتی ہیں تاکہ انسان مصائب میں پڑ کر خدا کو یاد کرے اور اپنے افعال ناشائستہ سے توبہ کرے۔

لیکن یہ مسلک پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ اس قسم کے مصائب تو سب پر نازل ہوتے ہی رہتے ہیں۔ کفار مکہ کی اس میں کون سی خصوصیت ہے اور یہ پیشگوئی کیونکر ٹھہرایا جا سکتا ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے ایک دوسری روایت عبد بن حمید، اور ابن ابی حاتم نے [illegible] سے اخراج کی ہے کہ عذاب مذکورہ سے حدود و احکام کا قائم کیا جانا مراد ہے۔ لیکن یہ مذہب ہرگز قابل پذیرائی نہیں ہے کیونکہ اقامت

حدود مسلمانوں اور ماننے والوں کے لئے ہے۔ کفار پر حدود اسلام کہاں قائم ہو سکتے تھے۔

دوسرے یہ کہ جن کفار کے حق میں یہ پیشنگوئی کی گئی اُن پر حدود کا کوئی اثر بھی نہ پڑا۔

تیسرے یہ کہ اقامت حدود، اگر عذاب ہے تو مسلمانوں کے حق میں اور زیادہ عذاب ہو جائے گا اس لئے کہ اقامت حدود مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ تاویل مستبعد ہے۔

(۵) براء بن عازب اور مجاہد رض نے ایک روایت کی بنا پر عذاب قبر مراد لیا ہے اور اس کی غلطی ظاہر ہے۔

(۶) امام مسلم نے شعبہ سے اور امام بخاری نے ابن مسعود رض سے روایت کی ہے کہ اس عذاب اولیٰ سے جنگ بدر اور قحط ہفت سالہ دونوں مراد ہیں۔

(۷) عبد اللہ بن مسعود رض سے ایک اور روایت ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ عذاب دنیا سے کفار و مشرکین کا قتل ہونا۔ قید ہونا اور ان کا لونڈی غلام بننا مراد ہے جیسا کہ بارہا وقوع پذیر ہوا۔

مالک زید بن اسلم رض سے روایت کرتے ہیں کہ سدی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جنگ بدر کے دن مکہ میں کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں رنج و غم اور ماتم نہ ہوتا ہو۔ ہم اس بارہ میں کوئی تصفیہ نہیں کر سکتے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے اپنی پیشنگوئی میں کس عذاب کو مراد لیا ہے۔ بہر حال ان سات مذکورہ عذابوں میں سے جونسا عذاب بھی مراد لو، اللہ تعالیٰ کی پیشنگوئی صحیح اتر گئی۔

البتہ چوتھے اور پانچویں مذہب کی بنا صحیح تسلیم کی جائے تو یہ پیشنگوئی پیشنگوئی نہ رہے گی۔

نکتہ

اس آیت آخرالذکر میں ایک نکتہ ہے جو قرآن مجید کی بلاغت پر دلالت کرتا ہے
وہ یہ کہ عذاب دو طرح کے ہیں۔ ایک دنیا کا اور ایک آخرت کا۔ دنیا کا عذاب
آخرت کے عذاب کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کا ہے مگر آخرت کی نسبت جلد
ہونے والا ہے۔ برخلاف اس کے آخرت کا عذاب بڑا سخت ہے مگر دنیا
کے عذاب کی نسبت کسی قدر دیر طلب ہے پس ان دونوں عذابوں کا بیان
اس طرح پر ہونا چاہیئے جس سے منشار تخویف اچھی طرح حاصل ہو۔ تو ادنیٰ
کا مقابل ابعد اور اکبر کا مقابل اہون ہے۔ عذاب دنیا، ادنیٰ یعنی قریب
اور اہون یعنی سبک ہے۔ عذاب آخرت ابعد یعنی دور اور اکبر یعنی سخت
ہے۔ چونکہ نزدیک آنے والے عذاب اور سخت عذاب سے زیادہ خوف
وہراس ہوتا ہے اس لئے دنیا کے عذاب کے لئے ادنیٰ اور آخرت کے
عذاب کے لئے سخت فرمایا تاکہ دونوں مقامات پر تخویف پوری اور موثر ہو
جو منشار انذار ہے۔ بلاشک یہ بلاغت قرآن ہی کا حصہ تھا۔

پیشینگوئی

(۵۶)

کفار اور اُن کے فریب سے مسلمانوں کا کچھ نہ بگڑیگا

پیشینگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا۔

اور اگر تم ان (کے معاملات میں دخل دینے) سے کنارہ کشی کروگے تو وہ تم کو کسی طرح کا نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔

دوسری آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

وَاِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔

(مسلمانو!) اگر تم کو کوئی فائدہ پہونچے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تمکو کوئی گزند پہونچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم (ان کی ایذاؤں پر) صبر کرو (انتقام میں زیادتی کرنے سے) بچے رہو تو (اطمینان رکھو) ان کے فریب سے تمھارا کچھ بھی تو نہیں بگڑنے کا کیونکہ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کا دفعیہ اللہ کی قدرت میں ہے۔

ف

دنیا جانتی ہے کہ اسلام کیسی بیچارگی سے نمایاں ہوا اور روز بروز زور پکڑتا گیا، مسلمان یوماً فیوماً ترقی ہی کرتے گئے اور کفار و منافقین باوصف سر توڑ کوششوں کے ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے ان کی ساری کوششیں رائگاں ہوگئیں اور ان کا سارا مکر و فریب انہیں پر اُلٹ پڑا۔

پیشنگوئی

(۵۷)

دشمنان اسلام نہ تو اسلام کو نقصان پہونچا سکتے نہ مسلمانوںکو ہرا سکتے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر ہے:۔
پہلی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا۔	اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر (کے پھیلانے) میں دوڑے پھرتے ہیں تم ان لوگوں کی وجہ سے آزردہ خاطر نہ ہو (کیونکہ) یہ لوگ خدا (کے دین) کو کچھ بھی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔

دوسری آیت اسی کے بعد ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	جن لوگوں نے ایمان دیکر کفر مول لیا خدا (کے دین) کو تو ہرگز کسی طرح کا نقصان پہونچا نہیں سکیں گے بلکہ ان ہی کو عذاب دردناک ہوگا۔

تیسری آیت سورۂ محمدؐ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	بیشک جن لوگوں پر صاف رستہ

وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ۔	ظاہر ہوگیا (اور اس کے بعد) انہوں نے انکار کیا اور اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکا اور رسول کی مخالفت کی خدا کو تو یہ لوگ کسی طرح کا نقصان نہیں پہونچا سکیں گے بلکہ (وہ) اُن ہی کے عملوں کو اکارت کردیگا

چوتھی آیت سورۂ ہود میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كَافِرُوْنَ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔	جو لوگ خدا کے رستہ سے (دوسروں کو) روکتے اور اُس میں کجی (پیدا کرنا) چاہتے ہیں اور یہی ہیں جو آخرت سے (بھی) منکر ہیں یہ لوگ نہ دنیا ہی میں (خدا کو) ہرا سکتے اور نہ خدا کے سوا اُن کا کوئی حامی ہے۔

ف

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ رسولِ حق صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیشینگوئی کے ساتھ تسلی دیتا ہے کہ یہ کفار، دشمنانِ اسلام جو کفر و شرک کے پھیلانے اور اسلام کے بگاڑنے میں اس بیباکی کے ساتھ دوڑے دوڑے پھرتے ہیں تم ان سے کسی قسم کا ہراس نہ کرو، کیونکہ یہ نالائق لوگ نہ تو تم کو مغلوب و مقہور کر سکتے نہ ان سے اسلام کو کسی طرح کا نقصان ہی پہونچ سکتا۔ چنانچہ یہ پیشینگوئی جس طرح پوری ہو کر رہی وہ کسی مزید صراحت کی محتاج نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ کفارِ عرب نے اسلام کو کون سا نقصان پہونچایا اور مسلمانوں نے ان کو کونسا دن دکھایا پھر بھی کسی ہٹ دھرم کو شک ہو تو اسپرنگر صاحب وغیرہ یوروپین مورخین کی تصانیف

تاریخ اطمینان ورفع شک کے لئے کافی وموجود ہیں۔

پیشنگوئی

(۵۸)

اللہ مسلمانوں کو غنی اور مالدار کرے گا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں تین مقام پر ہے:۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اِنْ شَاءَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔

مسلمانو! مشرک تو نرے نجس ہیں تو اس برس کے بعد (ادب و) حرمت والی مسجد (یعنی خانۂ کعبہ) کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں اور اگر (ان کے ساتھ لین دین بند ہو جانے سے) تمکو مفلسی کا اندیشہ ہو (تو خدا پر بھروسا رکھو وہ) چاہے گا تو تمکو اپنے فضل سے غنی کر دیگا بیشک خدا (سب کی نیتوں کو) جانتا (اور) حکمت والا ہے۔

دوسری آیت سورۃ الانشراح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا

سو بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ضرور ہے۔

تیسری آیت سورۃ الطلاق میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا۔	گھبرانے کی بات نہیں) خدا تنگی کے بعد جلدی فراغت بھی کر دے گا۔

ف

جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نافذ کیا کہ مشرکین گندے لوگ ہیں اب وہ کعبہ کے پاس تک نہ پھٹکنے پائیں تو بمقتضائے بشریت مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ ایسی صورت میں لین دین بند ہو جائے گا تو کاروبار کو سخت نقصان پہونچے گا اور مسلمان جو پہلے ہی سے غربت و افلاس میں مبتلا ہیں اب اور تباہ ہو جائینگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو خود ہی دور فرما دیا کہ ہمارا حکم مانو اور ہم پر بھروسا رکھو ہم تم کو بہت جلد مال و دولت دیکر ان مشرکوں کی معاملت سے مستغنی کر دیں گے۔

یہ پیشینگوئی جس طرح پوری ہوئی تاریخی دنیا کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تجارت ہی کے ذریعہ سے دولت و ثروت کے بالاترین درجہ پر پہونچ گئے۔ چنانچہ انہیں دولتمندوں میں سے ایک، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور شروع شروع بوجہ افلاس و عسرت میں بسر کرتے تھے۔ پھر تجارت کے ذریعہ سے اللہ نے ان کو ایسا فارغ البال کیا کہ دشمن رشک و حسد سے جل مرے۔ ایک دفعہ انہوں نے زمین کا ایک عمدہ قطعہ چالیس ہزار دینار میں خریدا، اور پھر اس قطعۂ زمین کو راہ خدا میں لٹا دیا۔ ایک مرتبہ پانچسو عربی نژاد اصیل گھوڑے فی سبیل اللہ لوگوں پر تقسیم کر دیئے۔ سنہ ۳۲ھ میں آپ نے انتقال کیا اور انتقال سے پہلے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد اصحاب بدر میں سے جتنے نفوس زندہ ہوں سب کو مال متروکہ

---

* تاریخ الخمیس مطبوعہ مصر جلد ثانی خلافت عثمان بن عفان رضی

میں سے چار چار سو دینار بطور نذر کے دئے جائیں جب آپ کا انتقال ہوگیا تو اہل بدر میں سے سو اصحاب موجود نکلے چنانچہ ہر ایک کو چار چار سو دینار دئے گئے۔
اس کے بعد بقیہ مال متروکہ سولہ حصوں پر تقسیم ہوا اور کوئی حصہ آٹھ لاکھ دینار سے کم کا نہیں تھا[1]۔ اسی ایک واقعہ سے دوسرے دولتمند اصحاب کی دولت و ثروت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے۔
اس کے بعد جدہ اور صنعاء اور یمن کے بہت سے قبائل مسلمان ہو گئے۔ مشرکوں کے ساتھ لین دین کے بند ہو جانے سے جس نقصان کا اندیشہ تھا اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں رفع کر دیا ان امور کے علاوہ فتوحات اور مال غنیمت کے ذریعہ سے جس قدر دولت مسلمانوں کو ملی اس کا اندازہ دشوار ہے۔
ایسی ہی ایک پیشینگوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جس کو امام مسلم نے

مسلم عن ابن عمرو بن العاص رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فتحت علیکم خزائن فارس والروم ای قوم انتم قال عبد الرحمن بن عوف نکون کما امرنا اللہ۔

ابن عمرو بن عاص رض سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم پر روم و فارس کے خزانے کھل جائینگے تو تم کیسے لوگ ہوگے۔ عبد الرحمن بن عوف نے عرض کیا کہ ہم ویسے ہی ہونگے جیسا ہمکو اللہ نے حکم دیا ہے یعنی اسلامی اخلاق کے ساتھ۔

ف

جناب عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے امیر المومنین کے حکم سے ایران پر لشکر کشی کی۔ شہر

---

[1] تاریخ الخمیس ۱۲

مدائن کو جو اس وقت بادشاہ کسریٰ کا پائے تخت تھا فتح کر لیا۔ یزدگرد بادشاہ ایران بھاگ کر رے کی طرف چلا گیا اور خاندان کسریٰ کا تمام خزانہ مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں آیا[1]۔

اسی عہد خلافت میں ایک واقعہ جلولا پیش آیا جس میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور غنیمت میں[2] تین کروڑ صرف درم و دینار ہاتھ لگے۔

اس کے علاوہ روم و فارس کے متواتر فتوحات میں سونے، چاندی، جواہرات وغیرہ کے قسم سے جو غنیمتیں مسلمانوں کی دولتمندی کا باعث ہوئیں ان کا احصار و حساب دشوار ہے۔

تاریخوں میں مسلمانوں کی فتوحات، غنائم فتح اور صحابہ کی دولتمندی و استغناء کا مفصل مذکور ہے عہد فاروق اعظم کے فتوحات اور ان کے انواع غنائم اور کثرت دولت کو مولوی شبلی نعمانی نے اپنی اردو کتاب "الفارق" میں شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے۔ ان تفصیلات کے لئے ناظرین کو انہیں کتب تواریخ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ یہ کتاب ان امور کی تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

پیشگوئی

(۵۹)

مسلمان اور اُن کے دشمنوں میں ملاپ ہو جائے گا

جیسا کہ سورۃ الممتحنہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

---

[1] الفاروق ۱۲۔ [2] تاریخ الخلفاء و تاریخ الخمیس۔

عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مَّوَدَّۃً وَاللّٰہُ قَدِیْرٌ۔

عجب نہیں کہ اللہ تم میں اور کافروں سے جن کے ساتھ تمہاری (مذہبی) دشمنی ہے اُن میں دوستی پیدا کردے اور اللہ (اس پر) قادر ہے۔

ف

بہت ایسے کفار جو کفر میں بہت سخت اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے صدق دل سے مسلمان ہوگئے اور اس طرح مسلمانوں سے اور اُن سے نہ صرف ملاپ بلکہ بھائی چارہ ہوگیا۔ انہیں جانی دشمنان اسلام میں ابوسفیان بن حرب۔ ابوسفیان بن حارث۔ حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ حکیم بن حزام۔ وحشی بن حرب قاتل حمزہ رضؓ اور عکرمہ بن ابی جہل تھے جنہوں نے رسول خدا کی ایذا وتکلیف اور اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ پھر مسلمان ہوئے تو صدق دل سے ہوئے اور اسلام کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا

ابوسفیان بن حرب

ان کا نام ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی قریشی مکی ہے یہ مکہ کے شیخ اور قریش کے رئیس اشراف میں سے تھے تجار قریش میں یہ بہت دولتمند تھے جاہلیت میں یہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت دشمن تھے اور اس دشمنی میں تمام دشمنان اسلام اور اکابر قریش ان کی رائے کے تابع تھے۔ آخر فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔ غزوہ حنین، غزوہ طائف اور جنگ یرموک میں یہ لشکر اسلام کے جانباز بہادروں میں تھے چنانچہ جنگ طائف میں ان کی ایک آنکھ بھی ضائع ہوگئی۔

جنگ حنین کی فتح میں رسول اللہ صلعم نے ان کو مال غنیمت سے سو اونٹ اور چالیس اوقیے دئیے تھے۔ ۳۱ھ یا ۳۴ھ ہجری میں اٹھاسی برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ ابوسفیان پہلے شخص تھے۔ جنہوں نے اسلام و اہل اسلام کی طرفداری میں اہل ردت سے مقابلہ کیا۔ اکثر مفسرین اس طرف ہیں کہ یہ آیت خاص ابوسفیان ہی کی شان میں نازل ہوی تو اس صورت میں یہ پیشینگوئی خاص ابوسفیان کے مسلمان ہونے اور ان سے ملاپ ہونے کے متعلق ہوگی۔ لیکن درحقیقت اس آیت کو ابوسفیان سے مخصوص کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ وہ بھی اس پیشینگوئی کے تحت میں اُن لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا۔

ابوسفیانؓ کی بیٹی ام حبیبہ رضؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن نکاح کیا اور وہ ام المومنین ہوئیں۔ اسی رشتہ سے حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کو خال مومنین کہا گیا ہے[۱]۔

ابوسفیانؓ بن حارث

بن عبدالمطلب۔ یہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں۔ حلیمہ نے ان دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ اصلی نام ان کا مغیرہ ہے۔ ایام جاہلیت میں یہ رسول خدا صلعم کو ایذا پہونچاتے رہتے تھے اور چونکہ شاعر تھے پیغمبر خدا کی ہجو کہا کرتے تھے اور انہیں کے جواب میں حسان بن ثابت شاعر نے وہ دلآویز قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

---

[۱] کتاب تہذیب الاسماء۔

هجوت محمداً فاجبت عنه
وعند الله فی ذاک الجزاء

آخر فتح مکہ کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا اور اسلام کے جانباز بہادر ثابت ہوئے جنگ حنین میں یہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ تھے اور جس حال میں کہ بہت سے لوگ آپ کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ابو سفیانؓ رسول کے گھوڑے کی لگام اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکاب تھامے ہوئے تھے۔ تا ایسا نہو کہ آپ دشمنوں کے نرغہ میں جا پڑیں اور دشمنوں سے کوئی ضرر پہنچ جائے۔ امام حاکم محدث نے ہشام بن عروہ سے ابو سفیان کے مناقب میں یہ صحیح حدیث روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے ابو سفیان سید فتیان اہل الجنۃ یعنی ابو سفیان جنت کے جوانمردوں کا سردار ہے۔ با اینہمہ ابو سفیان کی حمیت وحیا کو دیکھو کہ حالت کفر میں جو رسول اللہ کی ہجو کی اور آپکو ایذا پہونچائی تھی۔ اسی شرم سے مرتے دم تک رسول سے چار آنکھیں نہیں کیں ۱۵ھ یا ۲۰ھ ہجری میں انتقال فرمایا اور حضرت فاروق اعظمؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی[۱]۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حارث بن ہشام

بن مغیرہ بن عبد اللہ بن عمرو بن مخزوم۔ یہ ابو جہل کے بھائی اور حضرت خالدؓ بن ولید سیف اللہ کے ابن عم ہیں۔ ان کی ماں فاطمہ بنت الولید تھیں۔ اشراف عرب میں ایک معزز اور موقر سردار تھے۔ کعب بن اشرف یہودی ان کی شدت کفر کی وجہ سے ان کی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔ جنگ بدر اور جنگ احد وغیرہ میں یہ

---

[۱] کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔

لشکر کفار و مشرکین کے ساتھ تھے۔ بہت سے مسلمانوں نے ان کے ہاتھ سے جام شہادت پیا مگر بدر میں اور کفار کے ساتھ انہوں نے بھی پیٹھ دکھائی تھی۔ حارث بن ہشام فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور سچے مسلمان ہوئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت میں اپنے اہل و عیال سمیت، مکہ سے نکلکر شام کی طرف چلے گئے اور ان کے ساتھ بہت سارے اہل مکہ نے وطن سے ہجرت کی۔ اس کے بعد مرتے دم تک حارثؓ شام ہی میں رہے۔ اسلام لانے کے بعد اکثر غزوات میں یہ شریک رہے اور میدان جنگ میں جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو یہ رجز پڑھتے تھے ؎ انی بربی والنبی مومن۔ والبعث من بعد الممات موقن۔ اقیم لشخص للحیوۃ موطن۔

تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ واقدی رحہ نے لکھا ہے کہ طاعون عمواس میں فوت ہوئے اور مدائنی نے لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے[1]

سہیل بن عمرو

ان کا نام و کنیت ہے ابویزید سہیل بن عمرو بن شمس بن عبد ود بن نصر بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب قریشی العامری۔ ان کا شمار سادات قریش اور بڑے ذی رتبہ اشراف عرب میں ہے۔ جنگ بدر میں اسلام کے خلاف انہوں نے بڑی جانبازیاں دکھائی تھیں لیکن آخر مسلمانوں نے ان کو گرفتار کر لیا اور فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے سعید بن مسلم کا مقولہ ہے کہ جوا کابر قریش فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان سب میں سہیل بن عمرو سے بڑھ کر کثیر الصلوٰۃ اور صائم الدہر کوئی نہ تھا یہاں تک کہ روزہ کے رہتے رہتے اور کثرت نماز سے دبلے ہوگئے اور چہرہ کا رنگ بدل گیا صدقہ و خیرات بہت دیتے تھے۔ لایعنی کام سے دور رہتے اور آدمی بہت

[1] کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ

رقیق القلب تھے جنگ یرموک میں اہل وعیال کو لیکر جہاد کے لئے نکلے اور اسی جنگ میں شہید ہوئے بعض کا خیال ہے کہ طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں انتقال کیا۔[۵۱]

حکیم بن حزام

ابو خالد حکیم بن حزام بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب قریشی اسدی مکی واقعہ فیل سے تیرہ برس پہلے مکہ معظمہ میں خاص کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ بہت خوش بیان اور اعیان عرب کے مرجع وماوی تھے۔ جنگ بدر میں کفار کے سرگروہ تھے۔ ساٹھ برس کی عمر میں فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور ساٹھ برس حالت اسلام میں زندہ رہ کر (۱۲۰) برس کی عمر میں ۵۴ھ میں بمقام مدینہ انتقال فرمایا۔

سعید بن مسیب۔ عروہ بن الزبیر۔ عبد اللہ بن الحارث۔ موسیٰ بن طلحہ۔ حزام بن حکیم بن حزام۔ صفوان بن محمد۔ مطلب بن حنطب۔ یوسف بن ماہک۔ محمد بن سیرین رضی اللہ عنہم ان سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

یہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں سردار قریش اور مرجع انام عرب رہے جنگ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سو اونٹ مال غنیمت سے دئے تھے۔ ایک بار یہ حکیم بن حزام سو بدنہ لیکر حج کرنے گئے اور سب کی گردنوں میں چاندی کے طوق پڑے تھے حج کے بعد ہزار بکریاں خیرات کیں۔[۵۲]

---

۵۱ کتاب تہذیب الاسماء۔

۵۲ کتاب تہذیب الاسماء۔

عکرمہ

بن ابی جہل عمرو بن ہشام بن المغیرہ بن عمرو بن مخزوم - یہ ابوجہل جیسے دشمن اسلام کے فرزند اور اپنے باپ کی طرح خود بھی اسلام کی دشمنی میں نہایت سخت تھے بارہا بذات خود رسول اللہ سے مقابلہ کیا اور بہت سے مسلمانوں کو روز بد دکھایا۔ جنگ بدر میں یہ مشرکوں کی لشکر کے سردار تھے۔ جب معاذ بن عمر کے ہاتھ سے ابوجہل کی ٹانگ زخمی ہوئی تو انہوں نے باپ کی حمایت میں معاذ کو چشم زخم پہونچائی تھی۔ آخر فتح مکہ کے دن ۸ھ میں مسلمان ہوئے اور جس طرح حالت کفر میں اسلام کو نقصان پہونچانے میں سرگرم رہے اسی طرح حالت اسلام میں مسلمانوں کے جانی دوست بن گئے اور کفر کے مٹانے میں جانبازیاں دکھاتے رہے۔

اسلام لانے کے بعد مدینۂ منورہ چلے آئے اور تمام غزوات میں اسلام کی پشت و پناہی کرتے رہے۔

جناب ابوبکر رضؓ نے مرتدوں سے قتال کرنے کے لئے ان کو مامور کیا چنانچہ جب سردار لشکر سے ان کا مقابلہ ہوا تو ہنگام مقاتلہ اس سے فرمایا کہ کمبخت! میں نے کفر کی حالت میں بار بار رسول خدا کا مقابلہ کیا ہے۔ اب مسلمان ہو کر آج تیرے زور و قوت سے نہیں ڈر سکتا۔ اس کے بعد جناب صدیق رضؓ نے یمن کی طرف بھیجا اور وہاں سے مظفر و منصور واپس آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سال وفات میں عکرمہ کو صدقات ہوازن کا عامل مقرر کیا تھا۔ آخر جنگ یرموک میں شہید ہوئے اور سنہ ۱۵ھ میں امیر کوادیس تھے غرض عکرمہ بن ابی جہل نے شیطان کے گھر میں ولی کی پیدا ہونے کی مثل کو صحیح ثابت کر دیا[۱]

[۱] کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ۔

وحشی بن حرب

وحشی بن حرب، جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا جو طائف کے ایک وفد کے ساتھ مدینہ پہونچا تھا۔ جنگ بدر میں جب طعیمہ بن عدی بن خیار حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترا تو اس کے بھتیجے جبیر بن مطعم نے وحشی کو حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا۔ جنگ احد میں جناب حمزہ، لشکر اسلام سے سباع نامی مشرک کے مقابلہ کے لئے نکلے ہنوز مقابلہ کی نوبت نہیں آئی تھی کہ وحشی جو ہمیشہ حمزہ رضہ کی تاک میں لگا رہتا تھا اور اس وقت ایک پتھر کے آڑ میں چھپا کھڑا تھا موقع پاکر کمین گاہ سے باہر نکلا اور پیچھے سے حالت بیخبری میں تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ حمزہ رضہ وہیں جاں بحق تسلیم ہو گئے۔ قتل حمزہ کے بعد وحشی عرصہ تک مکہ معظمہ میں سکونت پذیر رہا۔ جب وہاں اسلام پھیلنے لگا تو دوسرے کفار کے ساتھ طائف چلا آیا اور پھر صدق دل سے مسلمان ہو گیا۔

جب وحشی کو رسول اللہ صلعم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے پوچھا کیا تو ہی وحشی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے ہی حمزہ کو قتل کیا؟ وحشی نے کہا اس بارہ میں جو کچھ حضور نے سنا ہے وہ سچ ہے۔ تب آپ نے فرمایا اچھا اگر تجھ سے ہو سکے تو اپنا چہرہ مجکو نہ دکھانا[1]۔

اس کے بعد آپ نے کبھی وحشی کے چہرہ کی طرف نظر نہیں کی۔

جناب حمزہ، رسول خدا کے حقیقی چچا۔ دودھ شریکی بھائی باحمیت محسن اور اسلام کے اتنے بڑے بہادر ہیرو تھے کہ آپ نے انہیں شیر خدا کا لقب عنایت فرمایا

---

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی باب قتل حمزہ ۱۲۔

ایسے پیارے چچا کے مارے جانے کا جس قدر صدمہ آپ کو ہوا وہ اسی سے ظاہر ہے کہ باوجود وحشی کے مسلمان ہو جانے کے آپ اس قاتل کی صورت دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ آپ نے اسلام کے بعد کبھی وحشی کو ملامت نہیں کی نہ اس کو قابل ملامت سمجھا کیونکہ قتل حمزہ کی ناگوار حرکت اس سے حالت کفر میں سرزد ہوئی تھی جو اسلام لانے اور توبہ کرنے کے بعد تمام گناہوں کی طرح نسیاً منسیاً ہوگئی۔

یہ آپ کے فرط محبت، رقت قلب اور مقتضائے بشریت سے تھا جو قاتل حمزہ کی صورت نہ دیکھ سکتے تھے اور اس لئے خود اسی سے فرما دیا کہ ہو سکے تو اپنا منہ مجھکو نہ دکھانا۔

وفات رسول کے بعد مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کے ساتھ خروج کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس کے استیصال کے لئے لشکر روانہ کیا تو وحشی خود بھی اس لشکر کے ہمراہ ہو گیا اور مسیلمہ کذاب اسی کے زبردست ہاتھوں سے جہنم واصل ہوا[۱]۔

اس کے بعد وحشی اکثر کہا کرتا تھا کہ میں نے حالت کفر میں ایسے شخص کو قتل کیا جو اسلام کے بہترین نفوس میں سے تھا۔ پھر دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر ایسے شیطان کو مردانہ وار مارا جو شیطانوں میں سب سے بدتر تھا۔

وحشی جنگ یرموک میں شریک تھا۔ پھر شہر حمص میں متوطن ہوا اور وہیں حضرت عثمان رض کے عہد خلافت میں انتقال کیا۔

حرب بن وحشی بن حرب۔ عبد اللہ بن عدی بن خیار اور جعفر بن عمرو بن امیۃ الضمیری

---

[۱] کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ۱۲۔

اس سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔[1]

غرض ان سات نفوس کے علاوہ اور بہت سے لوگ ہیں جو سخت کفر کے بعد سچے مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں سے جو ان کو دشمنی تھی وہ دوستی و ملاپ سے بدل گئی۔ اس پیشگوئی کے ثبوت صحت کے لئے اتنا ہی لکھنا کافی ہے اور تفصیل کے لئے کتب تواریخ مالامال ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جتنے کفار مسلمان ہوئے یہ پیشگوئی ان سب سے متعلق ہے

پیشگوئی

(۶۰)

فتح مکہ تک ان کفار پر یا اُن کے آس پاس کوئی نہ کوئی آفت آتی رہیگی

جیساکہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

ولا یزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ او تحل قریبا من دارھم حتی یاتی	اور جو لوگ (اسلام سے) منکر ہیں (یعنی کفار مکہ) اُن کو اُن کے کرتوت کی سزا میں (کوئی نہ کوئی) مصیبت پہنچتی ہی رہیگی (جو ان سب کو کھٹکھٹاتی رہیگی)

[1] کتاب الاصابۃ ۱۲۔

وَعْدُ اللّٰہِ۔ یاان دکونہ پہونچیگی تو ان کے رہنے) کی بستی کے آس پاس آنازل ہوگی یہاں تک کہ خدا کا (آخری) وعدہ (فتح مکہ) آپورا ہو۔

ف

مطلب یہ ہے کہ دشمنان اسلام اپنی بدکرداریوں کی پاداش میں امن وچین سے تو نہیں بیٹھنے پائیں گے یا خود اُن پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی یا اُن کے آس پاس کے لوگوں پر یہاں تک کہ ایک دن اسلام کو پورا غلبہ ہوگا جس کا خدا نے وعدہ کر رکھا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ بہادران اسلام آخر خود شہر مکہ پر جا قابض ہوئے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے۔ اسلام پنپنے نہیں پایا۔ مسلمان ہمیشہ مقہور ومغلوب اور کفار غالب رہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ آئے پیچھے مسلمانوں کو قوت ہوتی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اردگرد کے کفار سے چھٹ پٹ مقابلہ کرنے لگے اور یہ سلسلہ برابر زور پکڑتا گیا یہاں تک کہ مکہ بھی فتح ہوگیا۔

آیت مذکورہ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوی۔ اس میں یہ پیشینگوئی کیگئی کہ کفار پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہے گی اور ان کے آس پاس کے لوگوں کو ہمیشہ زخم نقصان پہونچتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ فتح مکہ پورا ہو، اور ایسا ہی ہوا کہ کفار مکہ اور ان کے اردگرد کے لوگ کبھی چین سے نہیں بیٹھنے پائے۔ کبھی قحط کی قیامت خیز مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ کبھی جنگ میں جانوں کا نقصان دیکھا کبھی مال ودولت کا خسارہ اٹھایا کبھی مغلوب ہوکر قید ہوئے کبھی لونڈی غلام بنے۔ کبھی فدیہ دیکر جانیں چھڑائیں۔ اور آس پاس کے لوگوں پر جو آئے گئے

مسلمانوں کی چڑھائیاں ہوتی رہتی تھیں اُن بُرے دنوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں مثلاً جنگ ابوا۔ جنگ بواط۔ جنگ عشیرہ۔ قرقرۃ الکدر۔ بدر صغریٰ۔ بدر کبریٰ سویق۔ غطفان۔ بنی قینقاع۔ رجیع۔ بیر معونۃ۔ بنی سلیم۔ رعل۔ احد۔ ذکوان۔ خندق۔ ذات الرقاع۔ بنی المصطلق۔ انمار۔ ذات قرد۔ خیبر سریہ زید بن حارثہ۔ سریہ عبد اللہ بن رواحہ وغیرہ وغیرہ کہ ان چھوٹی بڑی جنگوں سے دشمنان اسلام کو کبھی آرام نہ لینے دیا اور کفار مکہ کے تو چھکے چھڑا دئے۔ ان جنگوں کے تفصیلی حالات کتب تواریخ میں دیکھنے چاہئیں۔

پیشنگوئی

(۶۱)

اللہ تم (یعنی محمدؐ) کو مکہ پھر پہونچا کر رہے گا

جیساکہ سورۃ القصص میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ۔

اے پیغمبر! وہ خدا جس نے (احکام قرآن کی تعمیل) کو تم پر فرض کیا ہے وہ ضرور تمکو تمہارے وطن تک پھر پہونچا کر رہے گا۔

ف

عربی کی مشہور ضرب المثل ہے معاد الرجل بلدہ وموطنہ یعنی ہر شخص کا شہر وطن اس کا معاد ہے۔ معاد کے معنی ہیں لوٹنے کی جگہ چونکہ انسان ہمیشہ

پھر پھرا کر اپنے وطن ہی کو لوٹتا ہے اس لئے وطن کو معاد کا موزوں لقب دیا گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر سے پیشینگوئی فرمائی تاکہ اے محمد! اسوقت اگرچہ تم کو کافروں کے ظلم سے بمجبوری مکہ سے ہجرت کرنی پڑی۔ لیکن ایک دن تم اس شہر میں ضرور واپس آؤ گے۔

سورۃ القصص تمام مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر یہ آیت نہ مکی ہے نہ مدنی ہے بلکہ مقام جحفہ میں نازل ہوئی جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں واقع ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر دیس چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور غار سے نکلکر مدینہ کا ارادہ کیا تو اس خیال سے کہ کہیں تلاش کرنے والے دشمنوں کو پتہ نہ لگے آپ نے شاہراہ چھوڑکر غیر آباد رستہ اختیار کیا۔

جب مقام جحفہ میں پہونچے جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں سے دو سیدھے راستے مکہ اور مدینہ کو جاتے تھے تو مکہ کا رستہ دیکھکر پیغمبر خدا کو وطن یاد آگیا اور بے اختیار دل میں آیا کہ مکہ چلیں۔ اُسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے پیشینگوئی فرمائی کہ ہم ایک دن تمکو تمہارے وطن میں ضرور پہونچا دینگے اس پیشینگوئی سے رسول خدا کی تسکین ہوگئی اور پھر یہاں سے مدینہ منورہ کیطرف تشریف لیگئے۔ یہ پیشینگوئی جس دھوم سے پوری ہوئی وہ کسی صراحت کی محتاج نہیں ہے۔ دشمنان اسلام اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہی رہے مگر ایک تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ آخر خدا کا پیغمبر اپنے کثیر التعداد صحابہ اور جانباز مہاجر بہادروں کے ساتھ اپنے وطن مکہ میں جا ہی پہونچا۔ خدا کی پیشینگوئی پوری اُتری۔ دشمنوں کا منہ کالا ہوا۔

پیشگوئی

(۶۲)

بیعۃ الرضوان والے مسلمان ہمیشہ ایمان پر قائم رہینگے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے خدا یہ دیکھکر ان مسلمانوں سے خوش ہوا، اور اس نے ان کے دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینانِ قلب عنایت کیا اور (اس کے) بدلہ میں ان کو سردست ایک فتح دیدی۔

دوسری آیت اسی رکوع کے آخر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

جب کافروں نے اپنے دل میں ضد ٹھان لی (اور ضد بھی زمانہ) جاہلیت کی سی ضد تو اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے (تحمل و) اطمینان (قلب) عنایت کیا اور ان کو

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔	پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے اور اللہ تو ہر چیز سے واقف ہے۔

ف

سنہ ہجری میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینۂ منورہ سے حج عمرہ کا قصد کر کے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے۔ حدیبیہ میں جو کہ معظمہ سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے پہونچکر ڈیرہ ڈالا۔ حراس بن امیہ خزاعی کو قاصد بناکر رؤسائے مکہ کے پاس بھیجا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آتے۔ صرف بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور مکہ کے متبرک مقامات کو دیکھکر واپس چلے جائینگے۔ تم ہم سے متعرض نہ ہو اور برسر پرخاش نہ آؤ۔ مگر متعصب مکیوں نے ایلچی کا کچھ پاس نہ کیا۔ رسول اللہ کی اونٹنی جس پر حراس چڑھکر گیا تھا اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ حراس بھی قتل ہوگیا ہوتا مگر نہیں ٹوٹ پڑنے والوں میں کچھ لوگ ان کے ایام جاہلیت کے دوست تھے انہوں نے بچا لیا۔

حراس جان بچا کر افتاں و خیزاں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کل کیفیت سنکر فاروق اعظم کو طلب کیا اور ان سے پیغام لیجانے کو فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں مجکو جانے میں کوئی عذر نہیں ہے لیکن آپ کو معلوم ہے کہ قبیلۂ عدی بن کعب کا بچہ بچہ میرے خون کا پیاسا ہے اور قریش مجھپر خار کھائے بیٹھے ہیں۔ میں جاکر اسلام پر قربان بھی ہو جاؤں گا کام بھی نہ نکلیگا۔ ہاں عثمان بن عفان رضؓ مکیوں میں ایک خاص وجاہت رکھتے ہیں ان کے قرابتدار بھی مکہ میں زیادہ ہیں۔ وہ جائیں تو البتہ کام بن جانے کی امید ہے

غرض عثمان ذی النورین رضہ کو قاصد بناکر شرفائی مکہ کے پاس بھیجا گیا۔ سواد شہر کے پاس حضرت عثمان کو سعید بن ابی العاص کا بیٹا ابان ملا۔ وہ عثمان کو دیکھتے ہی اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا۔ عثمان کو اونٹنی پر بیٹھا لیکر اپنی پناہ میں لیکر مکہ آیا۔

حضرت عثمان سے نے عمائد قریش کے مجمع میں حاضر ہو کر رسول خدا صلعم کا پیغام پہونچایا۔ معززین قریش نے جواب دیا کہ عثمان! تم اگر طواف بیت اللہ کرنا چاہو تو شوق سے کرلو۔ آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ صلعم طواف نہ کرلیں میں ہرگز طواف نہیں کرونگا۔ یہ جواب سن کر ابوسفیان کی رائے سے آپ کو نظربند کرلیا گیا۔

ادھر رسول اللہ صلعم کے لشکر میں یہ افواہ اڑی کہ عثمان کو تو مکہ والوں نے قتل کرڈالا رسول اللہ صلعم نے بلند آواز سے فرمایا کہ اگر عثمان قتل ہو گئے تو ہم اُن کے خون کا بدلہ لئے بغیر تلوار کو میان میں نکریں گے اور یہ فرماکر کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اردگرد تمام صحابہ رضہ جو تعداد میں چودہ سو تھے جمع ہو گئے۔ سب نے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر اس امر کی بیعت کی کہ ہم اس جنگ میں لڑائی سے منہ نہ پھیرینگے۔ پیٹھ نہیں دکھائینگے۔ یا تو قریش کو اپنی تلواروں کے گھاٹ اتارینگے یا خود ہمارے ہی خون سے زمین رنگین ہوگی۔

یہی بیعت بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہوی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان صحابہ کو خوشخبری دی کہ ہم تمہارے اس بیعت سے راضی ہو گئے پس یہ آیت لقد رضی اللہ عن المومنین دلالت کرتی ہے کہ کل وہ تمام صحابہ جو تعداد میں (۱۴۰۰) تھے اور جنھوں نے کیکر کے درخت کے نیچے رسول اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، مغفور ہیں پھر خدا جن نفوس کو اپنی خوشنودی کی بشارت دے وہ کیوں نہ مغفور ہوں۔

غرض اہل اسلام کا یہ جوش و خروش دیکھکر اہل مکہ نے سہیل بن عمرو کو مصالحت کیلئے بھیجا ادہر حضرت عثمان کے مارے جانے کی خبر بھی غلط نکلی، رسول خدا نے مصالحت کو مقاتلت پر ترجیح دی اور بڑی گفت وشنید کے بعد ان شروط پر صلحنامہ مرتب ہوا کہ:-

(۱) دس برس تک مسلمانوں میں اور قریش میں جنگ موقوف رہے۔

(۲) اس سال پیغمبر خدا بغیر حج عمرہ کئے لوٹ جائیں۔

(۳) اگلے سال حج یا عمرہ کریں مگر اس طرح کہ شہر مکہ میں کوئی مسلمان ہتیار نہ لگائے

(۴) دوران صلح میں اگر کوئی مسلمان کفار قریش سے جاملے تو قریش اسکو واپس ندیں اور قریش کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مسلمانوں میں چلا آئے تو وہ ان کو واپس دیدیا جائے۔

یہ صلح پیغمبر خدا نے بہت دب کر کی اور مسلمانوں کی بڑی دلشکنی کا باعث ہوئی جو کسی طرح ایسی مصالحت کو پسند نکرتے تھے چنانچہ حضرت عمر فاروق اعظم سے ضبط نہ ہوسکا۔ انہوں نے بڑھ کر بیتابانہ رسول اللہ صلعم سے پوچھا، یا رسول اللہ کیا آپ خدا کے رسول برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا بیشک ہوں۔ عمرؓ نے پوچھا کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسا ہی ہے۔ تب حضرت عمرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ ایسا ہے تو پھر آپ ایسی عاجزانہ صلح کیوں کرتے ہیں؟ آپ تو فرماتے تھے کہ ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف کریں گے۔ رسول اللہ نے فرمایا سچ ہے، میں نے ایسا ہی کہا تھا اور ایسا ہی ہوگا تم لوگ اس سال ضرور بیت اللہ کا طواف کروگے اور اللہ ہمارا سچا حامی و مددگار ہے۔

بعض منافقین اس صلح پر یہ شبہ کرتے تھے کہ اگر خدا اسلام کا حامی ہوتا تو صلح

یوں دیکر شکی جاتی اور کچھ لوگ شروع ہی سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کو یقین تھا
کہ اہل مکہ ان مسلمانوں کو گھسنے نہیں دیں گے اور ایسا ہی ہوا لیکن ؎
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

حدیبیہ کی صلح بظاہر دب کر ہوئی تھی مگر درحقیقت اس میں مسلمانوں کی بڑی جیت
تھی کہ ابتدائی حالت میں آئے دن کی لڑائی ان کو پنپنے نہیں دیتی تھی۔ دوسرے
معلوم تھا کہ قریش کی طرف سے ضرور بدعہدی ہوگی اور ہوئی بھی کہ بنی خزاعہ
اور بنی بکر دو قبیلے تھے بنی خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار اور بنی بکر قریش کے
تو صلح کے رو سے ان دونوں قبیلوں کو بھی شرائط صلح کی پابندی لازم تھی مگر
یہ دونوں لڑے اور قریش نے درپردہ بنی بکر کی مدد کی۔
حدیبیہ کی صلح ٹوٹ گئی۔ مسلمانوں کو حجت ہاتھ آئی اور مکہ پر چڑھ دوڑے۔ مکہ
بے لڑائی فتح ہوا۔

لطیفہ

ابھی سہیل بن عمرو موجود تھا اور صلحنامہ ابھی طرح مرتب بھی نہیں ہوا تھا کہ سہیل
بن عمرو کا بیٹا ابوجندل دوڑا ہوا آیا اور رسول خدا صلعم کے سامنے گر کر
کہنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں قریش مجھکو گرفتار کرنا چاہتے ہیں
لئے مجھکو ان کفار کی ایذاؤں سے پناہ دیجئے۔ رسول اللہ کچھ جواب دینے
نہیں پائے تھے کہ سہیل بن عمرو نے کہا اے محمد! یہ پہلا واقعہ ہے اور میں آپ
کو شرائط صلح یاد دلاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں نقض عہد نہیں کرونگا
تمکو اختیار ہے جسطرح چاہو ابوجندل کو لیجاؤ۔ یہ سنکر ابوجندل چلایا اے
گروہ اہل اسلام! کیا ایک ایسے شخص کو جو مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہے

تم اس کو مشرکین کے حوالے کرتے ہو تاوہ عذابوں میں مبتلا ہو؟ ابوجندل کی فریاد
سے متاثر ہو کر صحابہ میں حرکت پیدا ہوئی مگر رسول اللہ نے صاف جواب دیدیا کہ صلح
مرتب ہو چکا ہے اب ہم شرائط صلح کے خلاف نہیں کر سکتے اللہ تمہارا حافظ ہے۔
رسول اللہ کے جواب پر صحابہ خون کے گھونٹ پیکر چپ رہ گئے اور اس کے بعد آپ
سب کو لیکر مدینہ چلے آئے چند ہی دن گذرے تھے کہ قریش میں کا ایک اور شخص
ابو بصیر نامی مسلمان ہوا۔ اور قریش کے خوف سے بھاگ کر مدینہ چلا آیا۔ مکہ والوں
نے اس کے پیچھے دو سپاہی دوڑائے جنہوں نے مدینہ پہنچکر مسلمانوں سے مطالبہ کیا
کہ شرائط صلح کے مطابق ہمارا مفرور ہمکو واپس کر دو۔

رسول اللہ نے ابو بصیر کو بلا عذر ان کے حوالے کر دیا وہ دونوں، ان کو
اپنی حراست میں لیکر مکہ کو روانہ ہوئے مقام ذی الحلیفہ میں پہنچکر سپاہی ناشتہ کرنے
لگے۔ ابو بصیر نے راستہ ہی میں سپاہیوں پر اپنا اعتبار جما دیا تھا یہاں جب وہ
دونوں کھجوروں کے کھانے میں مصروف ہوئے تو تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی گپ
شپ کر کے ایک سپاہی کی تلوار پر نظر جمائی اور تعجب کے طور پر کہا کہ بھئی تمہاری
تلوار تو بہت عمدہ معلوم ہوتی ہے سپاہی اپنی تلوار کی تعریف سنکر خوش ہو گیا فوراً
تلوار کو میان سے کھینچ لیا۔ اور ابو بصیر کو دکھا کر کہنے لگا' یہ دیکھو ایسی جوہر دار تلوار
تم لوگوں کے پاس ہوگی اور اسی لئے میں اس کو بہت عزیز رکھتا ہوں ابو بصیر نے
متحیر صورت بنا کر ہاتھ بڑھایا کہ ذرا میں نزدیک سے تو دیکھوں سپاہی نے جوش میں
آکر برہنہ تلوار ہاتھ میں دیدی۔ ابو بصیر نے ہاتھ میں تلوار پاتے ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک
بھرپور ہاتھ ایسا مارا کہ سپاہی کا سر تن سے جدا ہو کر دور جا گرا دوسرا سپاہی یہ تماشہ
دیکھکر ایسا بدحواس ہوا کہ فوراً سر پر پاؤں رکھکر مدینہ کی طرف بھاگا رسول اللہ صلعم سے
اپنے رفیق کے قتل کا واقعہ بیان کر رہا تھا کہ ابو بصیر آپہنچے انھوں نے خوشی خوشی

عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کے ذمہ کو پورا کر کے مجھکو پھر آپ کی خدمت میں لوٹا دیا۔ رسول اللہ صلعم بھی اس سے خوش ہوئے مگر آپ کی باتوں سے ابوبصیر کو محسوس ہوا کہ اگر قریش نے پھر مطالبہ کیا تو شرائط عہد کی رو سے آپ پھر ان کے حوالے فرماویں گے اس خوف سے اندیشہ ناک ہو کر وہ خود ہی مدینہ سے بھاگے اور سمندر کے کنارے ایک محفوظ مقام میں پوشیدہ ہو رہے اُدھر مکہ میں لوگ از خود مسلمان ہونا شروع ہوئے اور جو شخص مسلمان ہوتا کفار کا خوف کر کے مکہ سے بھاگتا اور پھرتا پھراتا ابوبصیر سے جا ملتا۔ رفتہ رفتہ ان پناہ لینے والوں کی ایک معتدبہ جماعت ہو گئی اور انھوں نے پر پرزے نکال کر اسند روند کفار کو لوٹنا شروع کیا۔ قریش کا جو قافلہ تجارت شام کی طرف جاتا یا شام کی طرف سے آتا یہ لوگ اس کو بیچ ہی میں لوٹ لیتے آخر ان نومسلموں کی لگاتار لوٹ مار نے قریش کی ناک میں دم کر دیا اور ان کو لینے کے دینے پڑ گئے مجبور ہو کر مکہ والوں اور قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور آپ نے قریش پر رحم کر کے ان نومسلموں کو امان کے ساتھ اپنے پاس بلا لیا۔ ٭

رسول اللہ صلعم نے جو دبکر صلح کی جس پر صحابہ کو ضرورت سے زیادہ ملال ہوا اور منافقین مغلوبانہ صلح سمجھکر بغلیں بجانے لگے اس میں یہی حکمت مضمر تھی رسول خدا پر آپکی روحانی قوت نے منکشف کر دیا تھا کہ کفار قریش جو شرائط صلح پیش کر رہے ہیں وہ آئندہ خود انہیں کے حق میں وبال و مصیبت ہو جائیں گے اور ویسا ہی ہوا۔

فتح قریب سے یا تو یہی صلح حدیبیہ مراد ہے جو واقعی فتح باطنی تھی یا وہ فتح مراد ہے کہ حدیبیہ میں جب گفت و شنید صلح کی ہونے لگی تو ابھی صلح کا معاملہ درپیش تھا کہ

٭ مسند احمد۔ عبد بن حمید۔ ابوداود۔ نسائی۔ مسند عبد الرزاق ۱۲

کفار قریش کے ستر اسی آدمی مسلمانوں پر چھاپہ مارنے کے ارادہ سے جبل تنعیم کی راہ اُتر آئے۔ مسلمان تو آوٹے ہوئے بیٹھے تھے ان سب کو گرفتار کر لیا یہ بھی ایک قسم کی فتح ہی تھی جو اس آیت میں مراد ہے لیکن پیغمبر خدا نے اپنی خسلقی مہربانی سے ان سارے قیدیوں کو رہا کر دیا ✝

یہ تو بیعۃ الرضوان کا مکمل واقعہ تھا جو پیشینگوئی کے ضمن میں بیان کیا گیا اصل پیشینگوئی یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے حدیبیہ کے دن درخت کے نیچے رسول اللہ صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی وہ سب کے سب مرتے دم تک اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قایم رہینگے یہ پیشینگوئی پہلی آیت کے جملہ عَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ سے نکلتی ہے یعنی اللہ نے ان کے دلی عقیدت کو جان لیا کہ وہ اسلام میں سچے ہیں۔ ایمان سے پھرنے والے نہیں ہیں اور ان سے راضی ہوگیا اور ان کو اطمینان بخشا۔

دوسری آیت کے الفاظ وَاَلْزَمَہُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی۔ نے اس امر کی صاف طور پر صراحت کر دی یعنی اللہ نے ان مسلمانوں کو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ ان چودہ سو نفوس مطہرہ میں سے کوئی فرد اسلام کی سرحد سے باہر نہیں ہوا نہ مرتے دم تک کسی کا قدم اس راہ سے ذرا بچلا۔

پیشینگوئی

(۶۳)

خیبر کی فتح

✝ مسند احمد و ابوداؤد۔

اور اسی مذکورہ بالا آیت کا ٹکڑا ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا وَّمَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (دیکھکر) کے درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے خدا (یہ دیکھکر) اُن مسلمانوں سے خوش ہوا اور اُس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور اُنکو اطمینان (قلب) عنایت کیا اور (اسکے) بدلہ میں ان کو سردست ایک فتح دیدی اور (اس فتح کے علاوہ) بہت سی غنیمتیں جن کو یہ لوگ (آئندہ) لینگے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ۔

ف

سنہ ہجری میں حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا جس میں بیعۃ الرضوان ہوئی ۔ بیعۃ الرضوان والوں کی اس جانبازی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا اور یہ سمجھکر کہ وہ دین اسلام سے پھرنے والے نہیں ہیں ان پر سکینت نازل فرمائی اور کفار پر کامیاب کیا پھر اسی جانبازی کے صلہ میں ان کو یہ خوشخبری دی کہ وہ عنقریب بہت سی غنیمتوں پر قابض ہوں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ حدیبیہ کے بعد ہی خیبر کی چڑھائی میں مسلمانوں کو فتح عظیم اور غنیمت کثیر ملی ۔

سنہ ہجری میں حدیبیہ ہوئی ذی الحجہ کے مہینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے اور سنہ ہجری جمادی الاول کے مہینہ میں بہادران اسلام کا لشکر لیکر خیبر کی طرف روانہ ہوئے آپکے ہمراہ ایک ہزار چار سو پیادے تھے دو سوار تھے ۔

خیبر والے مسلمانوں کی آمد سنکر بہت خوف زدہ ہو گئے اور قلعہ میں چھپ کر بیٹھ رہے۔ مسلمانوں نے جا کر محاصرہ کیا آخر یہود خیبر نے تنگ آ کر لڑائی شروع کی اور مسلمانوں نے ایک کے بعد ایک قلعہ پر قلعے فتح کرنا شروع کیے اور سب کے آخر میں حضرت علیؓ کے ہاتھ پر خود خیبر کا بہترین قلعہ فتح ہوا۔ یہودیوں کو شکست فاش ہوئی اور اسلامی لشکر قلعہ میں داخل ہو گیا۔

ان فتحوں میں مسلمانوں کو امید سے زیادہ غنیمت ہاتھ آئی۔ قبیلہ بنی نضیر اور قبیلہ ابی الحقیق[1] کا بیش بہا خزانہ جس میں بیشک سونا، چاندی اور جواہرات بکثرت تھے سب ان کے قبضہ میں آیا۔ اور خدا کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔

آیت میں فتح خیبر کا نام نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کی پیشینگوئی کی گئی کہ اس فتح قریب کے بعد مسلمان عنقریب بہت سی غنیمتوں پر قابض ہوں گے اور چونکہ حدیبیہ کے بعد پہلی لڑائی خیبر ہی کی ہوئی جس میں کثرت سے مال غنیمت ہاتھ لگا اس لیے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ یہ پیشینگوئی خیبر ہی کی فتح و غنیمت کی ہے۔

پیشینگوئی

(۶۴)

مکہ کی فتح

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں پانچ مقامات پر ہے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ کتاب الاکتفاء۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ آبَاؤُکُمْ وَاَبْنَاؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ۔

(اے پیغمبر! مسلمانوں کو) سمجھا دو کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیبیاں اور تمھارے کنبہ دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کا مندا پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور مکانات جن میں رہنے کو تمھارا جی چاہتا ہے (اگر یہہ چیزیں) اللہ اور اُس کے رسول اور اللہ کے رستہ میں جہاد کرنے سے تم کو زیادہ عزیز ہوں تو (ذرا) صبر کرو یہانتک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے (وہ تمھارے سامنے) لاموجود کرے اور اللہ اُن لوگوں کو جو اُس کے حکم سے سرتابی کریں ہدایت نہیں دیا کرتا۔

ف

یہہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "صبر کرو یہانتک کہ خدا کو جو کچھ کرنا ہے وہ لاموجود کرے" اس سے بعض لوگ قتال کا حکم اور بعض لوگ فتح مکہ کی پیشینگوئی مراد لیتے ہیں اگرچہ بعد و الاجملہ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ۔ یہی چاہتا ہے کہ اس سے فتح مکہ مراد ہو لیکن یہ مراد اس لئے مستبعد ہے کہ روایات سے آیت مذکورہ کا بعد فتح مکہ کے نازل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اس آیت میں شروع شروع کے مسلمانوں کے حق میں بڑی سختی ہے ایک حساب سے ان کو بالکل علایق دنیا کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن

اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کی جماعت بھی قائم نہ ہوتی اور آخر یہی ہوا کہ مسلمان حکم خدا پر ثابت قدم رہے اور کفار گروہا گروہ مسلمان ہوتے گئے اور مسلمانوں کو بہت عرصہ تک ترک علائق کی مصیبت اٹھانی پڑی۔ دوسری آیت سورۃ الصف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ۔

اور تم کو بہشت کے ایسے باغوں میں (اللہ) لے جا داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہوں اور نیز عمدہ مکانات میں (کہ وہ) ہمیشہ رہنے کی باغوں میں (ہوں گے) یہ بڑی کامیابی ہے اور (ان اخروی نعمتوں کے سوا) ایک اور (دنیاوی نعمت بھی) ہے جس کو تم (دل سے) پسند کرتے ہو کہ خدا کی طرف سے (تم کو) مدد (ملے گی) اور (تم) عنقریب (مکہ) فتح (کروگے)۔

ف

نصر من اللہ وفتح قریب کی تفسیر میں علمائے مفسرین نے اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے قریش کا مغلوب ہونا مراد ہے بعض فتح مکہ کی پیشینگوئی قرار دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ آیت میں فارس و روم کے فتح ہونے کی خوشخبری ہے۔

اگرچہ قرآن کی پیشینگوئی ہر اعتبار سے پوری ہوئی لیکن اس مقام پر معنی کی تعیین ضروری ہے۔ قریش ضرور اللہ کی مدد سے مغلوب ہوئے مگر مغلوب ہونے کو فتح قریب سے تعبیر نہیں کر سکتے اور روم و فارس کا مغلوب یا فتح ہونا مراد لینا بھی بہت بعید ہے کیونکہ روم و فارس کی فتح، فتح قریب نہیں بلکہ فتح بعید

جو خود رسول صلعم کے بہت دن بعد واقع ہوا۔ اب تیسری صورت فتح مکہ کی باقی رہ جاتی ہے اور ہماری دانست میں اسی کی پیشنگوئی کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مہاجرین رضی اللہ عنہم اپنے وطن مکہ میں پہنچنا چاہتے تھے اور ان کے دل سے لگی تھی کہ کب مکہ فتح ہو اور ہم اپنے عزیز وطن اور گھر کی صورت دیکھیں۔

اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مکہ کی فتح ہوتے ہی تمام قریش مسلمانوں سے مغلوب و مقہور ہو گئے۔ ہر طرف امن و امان ہو گیا اور مسلمان راحت امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔

غرض نصر من اللہ و فتح قریب کی پیشنگوئی ہر طرح فتح مکہ ہی پر منطبق ہوتی ہے جس میں قریش مغلوب ہوئے اور جس کو مسلمان دل سے چاہتے تھے اور جو نزول آیت کے قریب میں واقع ہوئی۔

تیسری آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّؤْیَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو واقعی سچا ہی خواب دکھایا تھا کہ انشاء اللہ تم (مسلمان) مسجد حرام میں (بے خوف و خطر) باطمینان (تمام) داخل ہو گے [illegible] تم (کچھ تو) اپنا سر منڈواؤ گے اور (کچھ فقط) بال ہی کتراؤ گے غرض جس بات کی تم کو خبر نہ تھی خدا کو (پہلے) سے معلوم تھی پھر (اس خواب کی ایک تعبیر یہ بھی ہوئی کہ) فتح مکہ سے پہلے ایک فتح (حدیبیہ یا خیبر کی) بہ دست کرادی۔

حدیبیہ کے سال ۶ھ ہجری میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ اصحاب کبار رضی اللہ عنہم کے ساتھ باطمینان تمام مسجد حرام میں داخل ہوئے ہیں سب نے کعبہ کا طواف کیا مسلمانوں میں بعض نے سر منڈوایا بعضوں نے بال کترائے چونکہ بال کتروانا یا سر منڈانا اعمال حج میں سے آخری عمل ہے اس لیے خواب کی تعبیر یہہ ہوئی کہ تم باطمینان تمام اپنا حج پورا کروگے اور بلاخوف وخطر مکہ میں داخل ہوگے۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔ بلکہ سچا اور مطابق واقع ہوا کرتا ہے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح ہوتے ہی صحابہ کرام کو جمع کرکے یہہ خواب سنایا۔ سب لوگ یہہ بشارت سنتے ہی نہایت مسرور ہوئے اور سب نے یقین کرلیا کہ اس سال ہم حج یا عمرہ ضرور کریں گے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سال ذیقعدہ کے مہینے میں عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ کو چلے تقریباً چودہ پندرہ سو صحابہؓ ہمراہ رکاب تھے حدیبیہ میں پہنچکر یہہ واقعہ پیش آیا کہ اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور آخر صلح ہوگئی جس کا مفصل واقعہ اوپر بیان ہوچکا ہے جب آپ مع صحابہ مدینہ میں واپس آگئے تو عبداللہ بن ابی سرگروہ منافقین نے آوازے کسنے شروع کئے کہ یہہ لیجیے ہم نے تو مسجد حرام میں پہونچکر نہ سر ہی منڈوائے نہ بال ہی کتروائے نہ مسجد حرام کو آنکھوں سے دیکھا۔ رسول کے خواب کا تو اور یہہ الٹا اثر ہوا کہ دب کر صلح کی اور ناکامی کے ساتھ واپس آئے۔

ان آیات قدسیہ میں اللہ تعالی اِنْ شَاءَ اللّٰہُ [illegible] کے ساتھ پیشنگوئی کرتا ہے کہ بلاشک پیغمبر خدا کا خواب سچا ہے۔ تعبیر کے ظہور میں تاخیر ہوئی تو اس کا کیا مضائقہ ہے مگر اس کا ظہور ضرور ہے گا

اور اس تاخیر میں مصلحت یہہ تھی کہ بہت سے لوگ مکہ میں در پردہ مسلمان تھے مگر ضعف وخوف کی وجہ سے مشرکوں میں ملے جلے رہتے تھے اگر صلح نہ ہوتی تو یہہ مظلوم بیچارے خواہ مخواہ کو روندول میں آجاتے تم مسلمان اس حکمت سے واقف نہ تھے مگر خدا تو واقف تھا پھر بھی تمھیں خوش کرنے اور تم مسلمانوں کے قلوب سے رنج وغم دور کرنے کے لئے قضائے عمرہ سے پہلے ایک فتح عنقریب دے چکا کہ تم نے خیبر پر چڑھائی کی اور اُسکو فتح بھی کر لیا۔

اب وہ وقت بھی قریب ہے کہ تم لوگ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے اور طواف کعبہ کے بعد کچھ لوگ سر منڈاؤ گے۔ کچھ لوگ بال کترا ؤگے اور یہہ سب کچھ نہایت اطمینان اور بلا کسی خوف خطر کے ہوگا۔

آخر یہہ پیشینگوئی پوری ہوئی اور ۸ ہجری میں مسلمانوں نے دھوم دھام کے ساتھ مکہ کو فتح کر لیا[۱] منافقین ہنستے اور پیغمبر برحق کے سچے خواب اور قرآن کی پیشینگوئی پر ٹھٹھے اُڑاتے ہی رہ گئے اور مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر کے مشرکین ومنافقین کو ذلیل وخوار کیا۔

چوتھی آیت سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ	(ایک دن ہوگا کہ) کافر بہتیرے ہی ارمان کرینگے کہ (اے) کاش (ہم بھی) مسلمان ہوتے تو (اے پیغمبر!) ان کو (ان ہی کے حال پر) رہنے دو کہ وہ کھائیں (پئیں) اور (دنیا کے چند روزہ) فائدے اٹھائیں اور توقعات (بیجا) ان کو غافل کئے رہیں

[۱] ابن کثیر جلد نہم ودر المنثور جلد خامس ۱۲

اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۔	پھر آخر ان کو قریب میں معلوم ہو جائے گا اور ہم نے کوئی بستی غارت نہیں کی مگر اُس کے لئے ایک میعاد مقرر (پہلے سے) لکھی ہوئی تھی کوئی اُمت نہ اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی نہ پیچھے رہ سکتی۔

ف

فتح مکہ کی تفصیلی حالات ہم اس کے بعد لکھیں گے کہ مکہ کیونکر فتح ہوا اس سے صاف طور پر معلوم ہو گا کہ واقعی فتح مکہ کے دن کفار مکہ کو اپنی شرارتوں پر کیسی ندامت و پشیمانی ہوئی۔ کہ آخر یا تو چارہ کار نہ پا کر یا حقانیت اسلام سے متاثر ہو کر سب نے پیغمبر کے سامنے سر تسلیم و طاعت خم کر دیا۔

پانچویں آیت سورۃ البلد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔	اے پیغمبر! ہم اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتے ہیں اور حال یہ ہے کہ تم اس شہر میں لینے والے (اور اس کو) فتح کرنے والے ہو۔

ف

یہ سورۃ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ "قسم میخورم بایں شہر یعنی مکہ مبارکہ دلو حلال خواہی شد بایں شہر یعنی ترا قتال بمکہ حلال خواہد شد" ۱۲

زمانۂ قیام مکہ میں پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کی جو کچھ حالت و شوکت تھی وہ تاریخ کی سیر کرنے والوں کو خوب معلوم ہے اور ناظرین اس کتاب کے صفحات میں بھی

بارہا پڑھ چکے ہیں اور پڑھیں گے پس اس نا بردا شتنی زبردستی اعداء اور اپنی کمزوری کی حالت میں یہ پیشنگوئی کرنی کہ پیغمبر باوجود ایسی کمزوری کے قوت پکڑیں گے مکہ میں نہ صرف بسیں گے بلکہ وہاں آکر اپنے دشمنوں سے قتال کریں گے اور اسکو فتح کرکے رہیں گے اور اس زبردست پیشنگوئی کا حرف بحرف پورا ہونا قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی کافی دلیل ہے۔

مکہ کیونکر فتح ہوا

صلح حدیبیہ کا مفصل واقعہ ہم گذشتہ صفحات میں کسی مقام پر لکھ چکے ہیں اس صلحنامہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ کوئی ایک فریق دوسرے فریق کے حلیف و طرفدار سے تعرض نہ کرے اور ہر شخص کو اختیار ہے کہ چاہے قریش کا حلیف ہو یا مسلمانوں کا طرفدار بنے چنانچہ بنو بکر قریش کے حلیف بنے اور بنو خزاعہ نے رسول خدا کا دامن پکڑا اسوقت تک بنو خزاعہ بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ان دونوں قبائل (بنو بکر اور بنو خزاعہ) میں پشتینی عداوت چلی آتی تھی جو اس صلحنامہ کے بعد اور زیادہ ترقی کر گئی۔

آخر ان دونوں میں کچھ تکرار ہوئی تکرار سے جنگ کی نوبت پہنچی بنو بکر نے

زیادتی کی اور خزاعہ سے جنگ کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پہلے قبیلہ بنی مدلج سے مدد چاہی مگر انھوں نے مدد دینے سے انکار کیا تو مسلمانوں کے پرانے دشمن قریش سے طالب مدد ہوئے قریش نے عہد و پیمان کا کچھ پاس نہ کیا اور چہروں پر نقاب ڈال ڈال کر (تاپہچان نہ پڑیں) بنو بکر کے ساتھ ہو گئے رات کیوقت غفلت میں بنو خزاعہ پر شبخون مارا۔ دونوں میں جنگ عظیم برپا ہوئی یہانتک کہ قریش لڑتے ہوئے حرم کے اندر گھس گئے اور بنو خزاعہ کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔

عمرو بن سالم خزاعی فریاد کرتا ہوا مکہ سے مدینہ پہنچا اور دربار رسالت میں حاضر ہو کر بنو بکر کے غدر اور قریش کی دغابازی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانگداز واقعہ سنتے ہی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے مجمع عام میں تشریف لائے کہ خدا میری مدد نہ کرے اگر میں تم (بنو خزاعہ) کی مدد نہ کروں۔ پھر تو تمام مدینہ میں خبر پھیل گئی کہ قریش نے بیوفائی کر کے صلح توڑ دی۔

ادھر قریش کو اپنی اس حرکتِ غدر پر پشیمانی ہوئی کہ اب اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا اور مسلمان ضرور ہماری تمام دلآزار حرکتوں کا ہم سے بدلہ لیں گے۔

قریش کو سوا اس کے کوئی تدبیر نہ سوجھی کہ انھوں نے عذر خواہی کرنے کے لئے ابو سفیان بن حرب کو پیغمبر خدا کی خدمت میں روانہ کیا اس نے بہت کچھ عذرات نامعقول پیش کئے مگر رسول خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ نا امید ہو کر مکہ معظمہ کو واپس چلا آیا اور قریش کے دل لرز گئے دیکھئے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

جس روز عمرو بن سالم نے رسول خدا سے بنو بکر و قریش کی مکاری و ظلم کی خبر دی تھی آپ نے اسی روز مسلمانوں کو سفر کی تیاری اور جنگ کے سامان کا فرمان دیدیا۔ آخر بارہ یا سولہ رمضان شریف کو دس ہزار یا بارہ ہزار جانباز جہاد دان اسلام کا لشکر لیکر خدا کا پیغمبر مدینہ سے باہر نکلا۔ ان میں سے سات سو مہاجرین تھے جن کے پاس تین سو گھوڑے تھے چار ہزار انصار تھے جن کے پاس پانچسو گھوڑے تھے اور باقی مخالف قبائل اسلم، غفار، جھنیہ، اشجع، اور سلیم وغیرہ کے لوگ مع ساز و سامان تھے جب لشکر اسلام جحفہ یا ذوالحلیفہ میں پہونچا تو بہت سے اہل مکہ ہجرت کی غرض سے روانہ مدینہ ہونے لگے چنانچہ عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اسی مقام پر رسولخدا سے آملے۔ آپ اپنے محترم چچا سے ملکر بہت خوش ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ آپ اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کو مدینہ روانہ کر دیجئے اور خود میرے ساتھ چلئے۔

طہران یا فاطمہ مکہ معظمہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر ایک مقام ہے۔ جب یہاں لشکر اسلام نے پہونچکر منزل کی تو قریش اور مخالفین اہل مکہ بہت ہراسان ہوئے۔ سب نے اتفاق کر کے ابو سفیان بن حرب کو دوبارہ رسول خدا کی خدمت میں طلب امان کے لئے روانہ کیا۔

لشکر اسلام کے پاس پہونچکر اتفاقاً ابو سفیان سے جناب عباس بن عبد المطلب رض دوچار ہوئے، ابو سفیان کی منت سماجت پر آپ کو رحم آگیا۔ اور اس کو ساتھ لیکر چلے کہ رسول اللہ صلعم سے اس کے لئے امان لیں راہ میں حضرت فاروق اعظم رض ملے۔ وہ ابو سفیان کو دیکھتے ہی تلوار لیکر جھپٹے مگر عباس رض ابو سفیان کو لئے ہوئے جلد جلد خدمت رسول میں حاضر ہوگئے اور رسول خدا نے اپنے چچا کی سفارش منظور فرما کر ابو سفیان کو امان دی۔ دوسرے روز جناب عباس رض ابو سفیان کو

لیکر رسول اللہ کی خدمت میں آئے آپ نے ابو سفیان سے فرمایا "افسوس ہے کہ تمھیں ابتک نہ معلوم ہوا کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود لائق پرستش نہیں ہے" ابو سفیان نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، یہ کیسا لطف و اخلاق ہے کہ باوصف میری اُن دل آزاریوں کے آپ اتنا کچھ احسان و کرم کرتے ہیں اب مجھکو یقین ہو گیا کہ آپ کا خدا ہی لائق پرستش ہے، اس ذات واحد کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر ہمارے معبود واقعی معبود ہوتے تو آج ہم اتنے ذلیل نہ ہوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اب بھی میرے رسول خدا ہونے میں تمکو شبہ ہے۔ ابو سفیان چپ ہو گیا (کیونکہ ہنوز وہ اس بارہ میں متردد تھا) حضرت عباسؓ نے فرمایا اے ابو سفیان، وقت ضائع نہ کرو جلد کلمہ توحید پڑہ کر اسلام کا دامن پکڑو، ورنہ عمر بن الخطابؓ آرہے ہیں، آتے ہی تمھاری گردن ناپیں گے غرض ابو سفیان مسلمان ہو گیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اب ابو سفیان کے گھر میں جو آئے اُسکو بھی امان ہے۔ حضرت عباس نے پیغمبر کے حکم سے ابو سفیان کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ وہ تمام لشکر اسلام اور اس کے جاہ و حشم کو دیکھ سکے چنانچہ ایک ایک کر کے تمام لشکر ابو سفیان کے سامنے سے گذرا اس نے اسلام کی شوکت و حشمت سے مرعوب ہو کر حضرت عباس سے کہا کہ واقعی تمھارے بھتیجے کی قوت و شوکت خوب قایم ہو گئی ہے۔ عباس نے کہا اے کمبخت! یہہ رسالت و نبوت ہے ملک سلطنت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہادران اسلام کے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ داخل ہونے کیوقت لشکریوں میں عام منادی کرادی کہ کسی مشرک و مخالف کو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس سے سخت باز پرس ہوگی اہل مکہ کو اپنی جان کے لالے پڑے تھے چھپنے کو جگہ نہ ملتی تھی مگر پیغمبر خدا، اور اُن کے ساتھیوں کا خلق و کرم

دیکھو کر کسی نے کسی سے تعرض نہ کیا نہایت امن و امان سے داخل شہر ہوئے اور
سب کو امن و امان میں رہنے دیا۔ دنیا میں کوئی فاتح فتح کر کے اس طرح مفتوح
شہر میں داخل نہیں ہوا۔ مکہ کے چند اوباش وسفہاء، خالد بن ولیدؓ کے داخل مکہ
ہوتے وقت سدراہ ہوئے اور جدال وقتال کرنے لگے خالدؓ اور ان کے
ساتھیوں نے اپنے کو محفوظ کرنے کے لئے مقابلہ کیا آخر اٹھائیس آدمی ان
گمراہوں میں سے قتل ہوئے۔ دو مسلمان شہید ہوئے اور اشرار بھاگ نکلے
ان میں سے بعض پہاڑوں پر جا چھپے۔ بہت سے جنگلوں میں جا کر پوشیدہ ہو گئے۔
بعض خانہ بدوش ہو کر نکل گئے۔ اور بہت سے منہ چھپا چھپا کر گھروں کے کونوں
میں دبک بیٹھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لائے مسلمانوں کے ساتھ
کعبہ کا طواف کیا کعبہ کے گرد یا اندر جتنے (تین سو ساٹھ) بت تھے سب کو توڑ پھوڑ
کر باہر پھنکوا دیا۔

اس کے بعد قریش اور اکابر مکہ آپ کی خدمت میں عذر کرتے ہوئے حاضر
ہوئے اور آپ نے نہایت دریا دلی اور کشادہ پیشانی سے ان سب کے قصور
معاف فرما دیئے۔ آپ کے اس غیر معمولی اخلاق و رحم سے متاثر ہو کر ایک
جم غفیر نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف
گیارہ مردوں اور چھ عورتوں کا خون ہدر کر دیا تھا کہ یہ موذی جہاں اور جس حال میں
ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ان کو امان نہیں ہے۔

ان باغیوں میں سے خطل عین ردائے کعبہ پکڑے ہوئے حالت میں
قتل کیا گیا۔ حویرث بن نقید کو حضرت علیؓ نے مکہ میں داخل ہونے کیوقت عدم
کیطرف روانہ کیا مقیس بن حبابہ اور حارث بن طلاطلہ کو مختلف لوگوں نے بد معاشی

دینواری کی حالت میں قتل کر دیا۔ بقیہ سات مجرم عبداللہ بن ابی السرح۔ عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ۔ ہبار بن الاسود۔ کعب بن زہیر وی۔ عبداللہ بن الزبعری اور وحشی قاتل حمزہؓ مسلمان ہوئے اور ان کو امان دی گئی چنانچہ عکرمہ اور وحشی کو خود اپنی امان کی خبر سنکر نہایت درجہ تعجب ہوا کہ مجھ جیسے موذی کو بھی پیغمبر اسلام نے امان دی! حالانکہ میرے قصور قابل معافی نہ تھے۔ رسول کے یہی اوصاف تھے جنھوں نے مخالفوں کو اسلام کے قدموں پر جھکا دیا چھ عورتوں میں سے ارنب (جو خطل کی آزاد لونڈی تھی) اور ام سعد دو عورتیں قتل ہوئیں اور بقیہ چار قریبہ قرستا، مغنیہ ہند بنت عتبہ زوجہ ابو سفیان اور سارہ کو امان ملی اور ان کے قصور معاف کر دئے گئے اور یہ سب مسلمان بھی ہو گئیں

پیشنگوئی

(۶۵)

اللہ مسلمانوں سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا	(مسلمانوں) اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرما چکا ہے کہ تم ان پر قابض ہو گے

تاریخ ابن اثیر ۱۲۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۔	تو یہ (خیبر کی غنیمت یا حدیبیہ کی فتح) تم کو سردست دلوا دی اور (صلح حدیبیہ کی وجہ سے دشمنوں کے دست تعدی کو تم سے روکا اور یہ بھی مقصود تھا کہ یہ واقعات تم مسلمانوں کے لئے دلیل ہوں اور یہ کہ خدا تم کو سیدھے رستہ پر لے چلے ۔

ف

یہ بہت صریح اور زبردست پیشگوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہو کر رہی ۔ روم ایران ۔ شام وغیرہ کے فتوحات میں جسقدر بکثرت سے غنیمتیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں اس کا حساب نہیں بتایا جا سکتا ۔ وہی عرب مسلمان جو کبھی انتہا درجہ کے مفلس و تہیدست تھے ، چند سال کے اندر سونے چاندی اور جواہرات سے مالا مال ہو گئے ۔

اگر ضمیر مخاطب کا لحاظ کر کے اس آیت کو صحابہ ہی کیساتھ مخصوص کیا جائے تو خدا کا وعدہ روم و فارس کی لڑائیوں میں پورا ہو گیا ۔ اور اس آیت میں غزوات و فتوحات روم و فارس کی پیشینگوئی بھی نکلی جو خلفائے راشدین کے مبارک عہدوں میں واقع ہوئیں ۔ اور اگر وَعَدَكُمْ کا خطاب عام مسلمانوں سے لیا جائے جیسا کہ لتکون آیۃ للمؤمنین ۔ میں صراحت کر دی گئی ہے تو پیشینگوئی بہت عام ہو جاتی ہے اور قیامت تک جتنی غنیمتیں مسلمانوں کو ملتی رہیں گی سب اس بشارت کے تحت میں ہیں ۔

بہرحال ان بہت سی غنیمتوں کا وعدہ خواہ فقط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیساتھ مخصوص ہو یا تمام مسلمانوں سے ہو ۔ دونوں صورتوں میں پورا ہوا جسکو پورا ہوتے تمام دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور انشاءاللہ آئندہ دیکھیں گے ۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو جو خیبر یا حدیبیہ وغیرہ کی زبردست فتح دی اور وہاں کی بیشمار غنیمتیں بلا مشقت ملیں تو یہ ان کی تمام جاں نثاریوں اور مصائب کی برداشتوں کا پورا صلہ نہیں ہے بلکہ یہ ان فتوحات و غنائم کا ابتدائی مقدمہ ہے جو اب سے قیامت تک اُن کے ہاتھ آتی رہینگی۔

جب سعد وقاص رضی اللہ عنہ نے مدائن کو جو سلطنت فارس کا صدر مقام تھا، فتح کرلیا تو دو تین دن کے بعد حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر ایک جگہ جمع کئے جائیں کیانی سلسلے سے لیکر نوشیروان کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقان چین۔ راجہ داہر۔ قیصر روم۔ نعمان بن منذر۔ سیاوش۔ بہرام چوبین کی زرہیں اور تلواریں تھیں۔ کسریٰ، ہرمز، اور قباد کے خنجر تھے نوشیروان کا تاج زرنگار اور ملبوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا اور سینے پر یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اونٹنی تھی جسپر سونے کی پالان تھی اور مہاریں بیش قیمت یاقوت پروائے ہوئے تھے ناقہ سوار سر سے پاؤں تک جواہرات سے مرصع تھا۔

سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جس کو ایرانی بہار کے نام سے پکارتے تھے یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم نکل جاتا تھا تو اسپر بیٹھکر شراب پیتے تھے اس رعایت سے اس میں بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے۔ بیچ میں سبزے کا چمن تھا چاروں طرف جدولیں تھیں۔ ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زر و جواہرات کا تھا یعنی سونے کی زمین زمرد کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت۔ حریر کے پتے جواہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ہاتھ آیا تھا لیکن اہل فوج ایسے راستباز اور دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کردی تھی چنانچہ جب سارا سامان لاکر سجایا گیا اور دور دور تک تمام میدان جگمگا اٹھا تو خود حضرت سعد وقاص کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرتے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔

مال غنیمت حسب قاعدہ تقسیم ہوکر پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجا گیا فرش اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھیجی گئیں کہ اہل عرب ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ سامان چنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغنا پر حیرت ہوئی۔

فرش کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمرؓ کا بھی یہی منشا تھا لیکن حضرت علیؓ کے اصرار سے اس بہار پر خزاں آئی اور دولت نوشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کے مطابق یہ ایک وحشیانہ حرکت تھی لیکن ہر زمانہ کا مذاق جدا ہے۔ وہ مقدس زمانہ جس میں زخارف دنیوی کی ذرا عزت نہ کیجاتی تھی دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کرسکتا تھا ٭

٭ الفاروق حصہ اول ص ۹۷ بلفظہ ۱۲۔

پیشنگوئی

(۶۶)

مسلمانوں سے ایک ایسی فتح کا وعدہ جس پر قابو پانیکی بظاہر کوئی امید نہیں تھی (یعنی فتح روم وفارس)

جیسا کہ سورۃ الفتح کی گذشتہ آیت کے آخر ٹکڑے میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا

(مسلمانو!) اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے کہ تم ان پر قابض ہوگے تو یہ (غنیمت) تم کو سردست دلوادی اور (صلح حدیبیہ کیوجہ سے عرب کے) دست تعدی کو تم سے روکا اور یہ بھی مقصود تھا کہ یہ واقعات تم مسلمانوں کے لئے دلیل ہوں اور یہ کہ خدا تم کو سیدھے رستہ پر لے چلے اور (اس کے سوا) ایک فتح اور (بھی) ہونی ہے جس پر (اسوقت تک) تم نے قدرت نہیں پائی (مگر) وہ خدا کے احاطہ قدرت میں ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ف

علمائے مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا سے کونسی فتح مراد ہے۔

حضرت عکرمہ غزوہ حنین[1] مراد لیتے ہیں مگر یہ رائے اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ جنگ حنین میں مسلمانوں کو پہلی مرتبہ شکست ہوئی تھی۔

(۲)

ضحاک ابن زید اور ابن اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا سے فتح خیبر[2] مراد ہے۔

(۳)

حضرت قتادہ کی رائے ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا میں فتح مکہ[3] کی پیشینگوئی ہے

(۴)

عبد بن حمید نے جو بیر سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں عرب کے شہروں[4] کے فتح ہونیکی خوشخبری ہے۔

(۵)

عطیہ کا مقولہ ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا میں فتح فارس[5] کی زبردست پیشینگوئی ہے

(۶)

حسن، مقاتل۔ ابن ابی لیلی[6] اور بیہقی روم وفارس دونوں کے فتح ہونیکی بشارت مراد لیتے ہیں۔

(۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ[7] سے روایت ہے کہ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا میں ان تمام

۱-۲-۳-۴-۵-۶-۷ در المنثور و فتح الباری۔

ممالک عالم کی فتح ہونیکی پیشینگوئی ہے جو قیامت تک اہل اسلام فتح کرتے رہیں گے ان اقوال مختلفہ میں سے جو قول لو، قرآن کی پیشینگوئی بہر طور پوری ہو کر ہی مگر معنی آیت کی تعیین ضروری ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ عہد پیغمبر صلعم کے مسلمانوں کو خوشخبری دیتا ہے کہ تم آئندہ ایسے ایسے ملک فتح کرو گے جن کے فتح کرنیکی اسوقت تم میں قدرت و طاقت نہیں ہے اور وہ خدا کے احاطۂ قدرت میں ہے۔

ان شاندار الفاظ پر نظر کرتے ہوئے مکہ اور خیبر اور طائف و حنین کی فتح کا مراد لینا صحیح نہیں ٹھہرتا کیونکہ مسلمان جب تک مکہ میں رہے دشمنان اسلام سے بہت مغلوب و مقہور رہے مگر مدینہ منورہ میں آکر انھوں نے اپنی قدرت اور شوکت قائم کر لی تھی خود حدیبیہ میں چودہ سو بہادروں نے لڑنے مرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور یہ قوت روز بروز بڑھتی ہی چلی جاتی تھی تو مسلمان اگرچہ دشمنوں سے کمزور تھے مگر نہ اتنے کمزور کہ خیبر و مکہ والوں سے لڑنے کے قابل نہ ہوں۔ آخر آخر میں تو کفار عرب پر مسلمانوں کی ایسی دھاک بیٹھ گئی تھی کہ مکہ بغیر لڑے بھڑے فتح ہو گیا غرض اُخریٰ لم تقدروا سے خیبر و طایف کی فتح تو مراد ہو نہیں سکتی۔ رہی یہ بات کہ اس پیشینگوئی میں وہ تمام ممالک مراد ہوں جو قیامت تک تمام مسلمان فتح کرتے رہیں گے اگرچہ بجائے خود ایک زبردست بشارت ہو مگر غیر متعین ہونیکی وجہ سے کچھ زیادہ وقیع نہیں ہے۔ ان وجوہ سے حسن، مقاتل، اور ابن ابی لیلی کی رائے بہت درست معلوم ہوتی ہے۔ کہ اخریٰ لم تقدروا سے فتح روم و فارس کی پیشینگوئی مراد ہے جو ناظرین تاریخ عرب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ عرب باوجود آزاد ہونیکے ہمیشہ روم و فارس کے اثر میں رہا ہے۔ اور یہی زبردست سلطنتیں ہمیشہ عرب پر مسلط رہیں کسریٰ۔ نوشیروان بادشاہ فارس کے عہد میں زیادہ تر روم عرب پر قابض و غالب تھے۔

غطیانوس قیصر روم کی طرف سے خالد بن جبلہ عرب، شام وغیرہ کا حاکم تھا اور کسریٰ کی طرف سے منذر بن نعمان، ممالک عمان، بحرین، یمامہ اور حجاز وغیرہ میں داد فرمانروائی دے رہا تھا اتفاقاً خالد بن جبلہ اور منذر بن نعمان میں کچھ اَن بن ہو گئی۔ دونوں میں جنگ کی نوبت پہنچی خالد نے غالب آ کر منذر کے کثیر التعداد ساتھیوں کو قتل کر ڈالا اور اس کے بہت سے مال و اسباب چھین لیئے۔ نوشیروان نے یہ خبر سنکر غطیانوس کو لکھا کہ ہمارے تمہارے درمیان میں مصالحت ہے پس خالد کو بھی اس کا خیال رکھنا ضرور تھا۔ خیر جو کچھ ہوا سو ہوا اب خالد کو یہ ہدایت کرو کہ منذر بن نعمان کے مقتولوں کی دیت ادا کر دے اور جو کچھ مال و اسباب غصب کر لیا ہے سب واپس کر دے۔ اگر ایسا نہ ہو گا تو پھر ہماری تمہاری صلح ٹوٹ جائیگی۔ غطیانوس اپنے نشۂ سلطنت میں مست تھا اس نے نوشیرواں کے سنجیدہ پیام کا کچھ خیال نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ نوشیروان نے غضبناک ہو کر ستر ہزار فوج بھیجکر ممالک روم کا قلع قمع کرنے لگا۔ عرب میں جہاں جہاں رومی سلطنت تھی ہر طرف سے ان کو نکال باہر کیا اور پورا ملک عرب ایرانیوں کے زیر اثر ہو گیا۔ عہ

روم خصوصاً سلطنت ایران کا ایسا رعب عربوں کے قلوب پر مستولی تھا کہ ایران کے نام سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلطنت ایران کے کسی حکم کے ذرہ برابر خلاف کرنیکی وہ جرأت نہ کر سکتے تھے اور ظاہر ہے کہ عرب جیسے بے بضاعت ملک کو روم و ایران ایسی قاہرہ سلطنتوں سے کیا نسبت ہو سکتی تھی مگر خدائے اسلام کی شان قدرت دیکھو کہ اس نے ایسے بے بضاعت ملک عرب سے روم و فارس کو وہ روز بد دکھایا کہ ان کی ساری قوت و شوکت، ذلت و خواری سے بدل گئی اور دنیا سے ان کی کسریٰ و قیصریت کا نام مٹ گیا۔

عہ کتاب ملوک العرب قبل الاسلام مطبوعہ ۱۲

اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا ۔ سے یہی روم وفارس کی فتح مراد ہے جو کبھی خود عربوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ہم کسی وقت ان ملکوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں گے فتح تو بڑی بات ہے۔

روم وفارس کے بہت سے بلاد و مواضع حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے عہد میں فتح ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں ایران پوری طرح فتح ہو گیا

پیشگوئی

(٦٧)

یہود پر مسلمانوں کی فتح اور منافقین کی ندامت

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

مسلمانو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ لوگ تمہاری مخالفت میں باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے کوئی ان کو دوست بنائے گا۔ تو بیشک وہ بھی ان ہی میں کا (ایک) ہے۔ کیونکہ خدا ایسے ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھایا کرتا تو دیکھے پیغمبر جن لوگوں کے

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ۔

دلوں میں دبے ایمانی ونفاق کا) روگ ہے تم انکو دیکھوگے کہ ان (یہود ونصاریٰ کے دوست بنانے) میں جلدی کرتے ہیں کہتے کیا ہیں کہ ہم کو تو اس بات کا ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے پھیر میں آ جائیں سو کوئی دن جاتا ہے کہ اللہ (مسلمانوں کی) فتح یا کوئی (اور) امر اپنی طرف سے پیش لائیگا تو (اسوقت یہ منافق) اُس (بدگمانی) پر جو (اسلام کے غلبے اور اسکی صداقت کی نسبت) اپنے دلوں میں چھپاتے تھے پشیمان ہوں گے اور (اس سے مسلمانوں پر ان کا نفاق کھل جائیگا تو) مسلمان (ان کے حال پر افسوس کرکے آپس میں) کہینگے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو (ظاہر میں) بڑے زوروں سے اللہ کی قسمیں کھاتے (اور ہم سے کھا کرتے) تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اندر اندر یہود کی تائید میں کوشش کرتے تھے تو) ان کا سارا کیا (دھرا) اکارت ہوا (اور سراسر نقصان میں آ گئے۔

ف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو یہود بنو نضیر و

اس بات پر مصالحت کر لی کہ نہ ہم مسلمانوں سے جنگ کریں گے نہ مسلمانوں کی حمایت میں ان کے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔

منافقین جو ظاہر میں مسلمان بنتے تھے اور حقیقت میں اسلام و اہل اسلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ یہود و نصاریٰ سے ملتے تھے اور یہود سے سازش رکھتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ ہم تو فقط اس لیے یہودیوں سے ملے جلے رہتے ہیں کہ شاید یہ لوگ غالب آجائیں اور مسلمانوں پر مصیبت آپڑے تو ہم ان کے شر سے محفوظ رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان منافقین کی سرزنش کر کے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ عنقریب اللہ مسلمانوں کو (یہود پر) فتح دیگا یا کوئی ایسا امر پیش لائے گا جس سے یہ منافقین اپنی حرکتوں اور بدگمانیوں پر پشیمان ہوں گے اور اسوقت یہ پشیمانی ان کو نقصان سے بچا نہ سکے گی چنانچہ یہ پیشینگوئی کھلے بند پوری ہوئی۔

جنگ بدر میں مسلمانوں نے فتح عظیم پائی تو یہود نے اعتراف کیا کہ بلاشک محمد (صلعم) وہی نبی امی ہیں جن کی بشارت توراۃ شریف میں موجود ہے۔ پھر جب جنگ احد میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو یہود بنی نضیر نے اپنے اس عہد کو توڑ ڈالا اور اُسی پرانی عداوت پر جم گئے۔ کعب بن اشرف یہودی چالیس یہودیوں کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ آیا ابوسفیان اسلام کا پرانا دشمن چالیس مردان قریش کو لیکر کعبہ میں داخل ہوا، اور یہیں دونوں فریق میں قسما قسمی ہوئی کہ مسلمانوں کو بیخ و بنیاد سے اکھیڑ کر نیست و نابود کر دیا جائے معاہدہ پکا ہو جانے کے بعد کعب یہودی جس طرح چپ چپاتا مدینہ سے آیا تھا اسی طرح واپس گیا اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کو اس واقعہ کی خبر دی اور آپ کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے کعب بن اشرف کو قتل کر دیا۔

شنبہ کے روز سنہ ۴ ہجری میں آپ نے مسجد قبا میں نماز پڑھی صحابہ کبار ابوبکر، عمر، علی زبیر، طلحہ، سعد اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم ہمراہ رکاب تھے آپ نے میدان میں

نماز عصر ادا کی۔ ابن ام مکتوم کو مدینہ میں نائب چھوڑا۔ اور حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم دیا جب رسول اللہ صلعم بنو نضیر کے سر وں پر جا پہنچے وہ سب کعب کی ماتمداری بھولکر۔ مسلمانوں کے خوف سے قلعہ بند ہوگئے چھ روز یا پندرہ روز قلعہ کا محاصرہ رہا۔ لشکریان اسلام نے قلعہ کے ارد گرد کے تمام درختوں کو جلا کر اور کاٹ کاٹ کر میدان صاف کر دیا اور قلعہ والوں سے کہا تم گھبراؤ نہیں۔ ہم لوگ بلا فتح کئے یہاں سے حرکت نہیں کریں گے آخر مجبور ہو کر یہود نے صلح کا پیام بھیجا اور یہ طے پایا کہ سارے یہود بنی نضیر دیس چھوڑ کر جلاوطن ہو جائیں تا مسلمان ہمیشہ کے لئے ان کے شر سے محفوظ رہیں۔ طوعاً کرہاً یہودیوں نے اس شرط کو منظور کر لیا اور قبیلہ کا قبیلہ قلعہ سے باہر نکلا۔ سات سو اونٹوں پر سامان لادا۔ عورتوں نے دف اور باجے وغیرہ ہاتھوں میں لئے اور جسقدر مال و اسباب لاد سکے لادے کر مدینہ کے بازار سے ہوتے ہوئے حجاز سے باہر ہو گئے بہت سے شام میں جا کر بسے اور بہت سارے خیبر میں متوطن ہو گئے اور خدا کی پیشنگوئی پوری ہوگی کہ مسلمانوں کو قلعہ عظیم حاصل ہوا۔ یہودی مغلوب و مقہور ہو کر مدینہ سے جلاوطن ہوئی (جس کی طرف آیت کے جملہ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِہٖ۔ میں صاف اشارہ ہے) منافقین کی ساری کارستانیاں کھل گئیں۔ مسلمانوں پر ان کا نفاق ظاہر ہو گیا اور وہ دونوں طرف سے مارے پڑے اور ذلیل و رسوا ہوئے۔

منافق کہتے پھرتے تھے کہ ہم یہودیوں کا ساتھ صرف اس لئے دیتے ہیں کہ بیت وہاں مسلمانوں پر آفت آجائے تو ہم اس آفت سے محفوظ رہیں بخلاف اس کے الٹا یہودیوں پر آفت آگئی تو منافقین ہاتھ ملکر رہ گئے اور حسرت و ندامت جو کچھ ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

نکتہ

پیغمبر خدا نے لوگوں کو دین اسلام کی تعلیم کر کے مسلمانوں کی ایک نئی جماعت

بنائی از بسکہ اسلام میں بڑے شد و مد کے ساتھ عقیدۂ توحید کی تاکید و تائید تھی۔ مسلمانوں کے مذہبی عقائد یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب کسی سے نہیں ملتے تھے ہرچند رسول خدا نے ہر طرح کی دلیلوں سے قائل کیا۔ معدودے چند ایمان لائے باقی سارا ملک دشمنی پر کمر بستہ ہو گیا جب تک مسلمانوں کا گروہ تھوڑا اور کمزور رہا مخالفوں نے ایذا دہی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مسلمان اس پر بھی صبر اور درگذر کرتے رہے اور نرمی و ملائمت سے سمجھاتے رہے مگر لاتوں کے بھوت باتوں سے کب ماننے والے تھے آخر استنے میں مسلمان بھی قوت پکڑ گئے اور جواب ترکی بترکی دینے لگے۔

غرض لڑائی ٹھن گئی اور جیسا قاعدہ ہے اسکا سلسلہ سالہا سال جاری رہا ظاہر بات ہے کہ جب دو گروہوں میں لڑائی ہو رہی ہو اور لڑائی بھی زبانی نہیں تیر و تلوار کی لڑائی یعنی ایک دوسرے کی جان کا خواہاں۔ ایسی معاملت میں ایک گروہ کے آدمی کو دوسرے کسی گروہ کے آدمی سے دوستی رکھنا اپنے گروہ کی تباہی کے درپے ہونا ہے۔

شروع آیت میں جو یہود و نصاریٰ سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی گئی وہ اسی مصلحت سے اور وہ حکم اس خاص وقت اور خاص حالت کے لئے تھا۔

یہ ایک طرح کے فوجی انتظام ہیں جو ہر ملک اور ہر قوم کو کرنے پڑتے ہیں اور دنیا کے لڑائی جھگڑوں سے متعلق ہیں۔ رہی مذہبی دشمنی یعنی اختلاف عقائد وہ بالکل دوسری بات ہے جسکو دنیاوی معاملات میں دخل دینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اٹھائیسویں پارہ کی سورۂ ممتحنہ میں ان باتوں کی خوب صراحت ہے (اس کو دیکھنا چاہیئے)

پیشنگوئی

(۶۸)

مہاجرین کو اطمینان سے ٹھکانے بٹھایا جائیگا

(۶۹)

سچے مسلمانوں کو آخر امن کلی ہوگا

پیشنگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

اور جن (مہاجر مسلمانوں) پر ظلم ہوا اور ظلم ہونے کے بعد ان کو خدا کے لئے اپنے وطن چھوڑنے پڑے ہم ان کو ضرور ضرور دنیا میں اچھے ٹھکانے سے بٹھائینگے اور اجر آخرت (جو انکو ملنے والا ہے وہ اس سے) کہیں بڑھکر ہے اے کاش یہ لوگ (اس بات کو) جانتے۔

دوسری آیت سورۃ انفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا

(اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے رستے میں جہاد بھی، کئے اور جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی

اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔	اور (ان کی) مدد کی یہی پکے مسلمان ہیں انکے لئے (گناہوں کی) معافی ہے اور عزت (و آبرو) کی روزی ہے ۔

تیسری آیت سورۃ النسا میں ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے ۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۔	سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے اسی کا سہارا پکڑا تو اللہ بھی ان کو عنقریب اپنی رحمت (کے سایہ) اور فضل کی پناہ میں لے لیگا ۔ اور ان کو اپنے (حضور تک پہونچنے) کا سیدھا رستہ بھی دکھا دیگا ۔

ف

ان آیات میں تین پیشنگوئیاں ہیں ۔

پہلی پیشنگوئی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاجرین کو جنھوں نے خدا کی راہ میں جلاوطنی اختیار کی اطمینان سے اچھی جگہ بٹھائیگا ۔ غلبہ اسلام کی پیشنگوئیوں میں سے یہ ایک زبردست پیشنگوئی ہے جس کا وقوع ہو چکا یعنی جن مسلمانوں نے کفار کے ظلم سے تنگ آکر رسول خدا کے حکم سے ہجرت کی تھی ۔ دنیا میں ان کا سب سے بڑا مرتبہ ہوا ۔ دنیا میں ان کو برترین جگہ ملی اور آخر وہ راحت و آسایش سے بسر کرنے لگے ۔

دوسری ۔ پیشنگوئی پہلی سے عام ہے کہ اس عہد کے تمام سچے مسلمانوں کو آخر امن کلی ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انھوں نے تمام جزیرہ نمائے عرب کو فتح کیا بہت سے کفار مسلمان ہو گئے بہت سے دار البوار کو سدھارے بہت سارے مغلوب مقہور ہو کر رعیت بن گئے اور پھر کوئی ان کا نام لیوا الا باقی نہ رہا ۔ عرب میں ہر طرف

مسلمانوں کا ہی طوطی بولنے لگا۔

تیسری پیشنگوئی۔ مہاجرین وانصار کی نسبت ہے کہ وہ سچے مسلمان ہیں یعنی مرتے دم تک اسلام پر قایم رہینگے رسول کے حکم سے جن پاک نفوس نے مکہ سے ہجرت کی وہ مہاجرین اور ان مہاجرین کو جن پاک نفوس نے مدینہ میں جگہ دی اور ہر طرح ان کی امداد کی وہ انصار یہ سب مسلمان پر ثابت قدم رہے اور ان دونوں فریق میں کا ایک فرد بھی دایرہ اسلام سے ایک قدم آگے نہیں نکلا۔

پیشنگوئی

(۷۰)

ابوجہل کو پچھے پکڑ کر گھسیٹینگے اور وہ ذلیل موت مریگا

پہلی آیت سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا كِتَابٍ مُّنِيْرٍ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جس کو نہ تو کسی طرح کا علم ہے اور نہ کسی طرح کی ہدایت اور نہ کوئی کتاب جو (اس کو راہ حق) دکھائے (اسپر بھی) اینٹھا ہوا خدا کے بارہ میں جھگڑتا ہے تاکہ (دوسروں کو) خدا کے رستے سے گمراہ کرے ایسے (نابکار) کی سزا دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اسکو عذاب دوزخ چکھائینگے

دوسری آیت سورۃ العلق میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ عَبْدًا
إِذَا صَلَّىٰ أَرَءَيْتَ إِن كَانَ
عَلَى الْهُدَىٰ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ
أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ
وَتَوَلَّىٰ أَلَمْ يَعْلَم
بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ كَلَّا
لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا
بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ
كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ
فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ سَنَدْعُ
الزَّبَانِيَةَ كَلَّا
لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ
وَاقْتَرِب

(اے پیغمبر!) تم نے اس شخص (کی حال) پر نظر کی کہ جب (ہمارا ایک) بندہ نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، تو وہ اسی منع کرتا ہے بھلا دیکھو تو (سہی) اگر (یہ شخص خود) راہ راست پر ہے یا (لوگوں کو) پرہیزگاری سکھاتا ہے (جیسا کہ وہ سمجھتا ہے) بھلا دیکھو تو (سہی) اگر یہ شخص کلام الہی کو جھٹلاتا اور (دین حق سے) روگردانی کرتا ہے (بہر حال) کیا اس کو (اتنی بات کی) خبر نہیں کہ (دونوں صورتوں میں) خدا (اسکی حال کو) دیکھ رہا ہے وہ سن رکھے کہ اگر (اپنی کرتوت سے) باز نہیں آئیگا تو ہم (اس کے) پٹھے (یعنی) اس جھوٹے خطاکار کے پٹھے پکڑ کر گھسیٹینگے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے ہم نشینوں کو (مدد کیلیئے) بلائے ساتھ کے ساتھ ہم جلاد فرشتوں کو بلا لینگے۔ سنو جی! ہرگز اس کا کہنا نہ مانو اور بے تامل سجدے کرو اور قرب حاصل کرو۔

ف

یہ آیتیں سب ابوجہل بن ہشام کی شان میں نازل ہوئی ہیں[ع‍ت]۔ جو اسلام کا سب سے بڑا موذی دشمن تھا یہ ابوجہل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا۔ مگر آپ کو نماز پڑھنے سے مانع ہوتا تھا اور آپ کو دھمکایا کرتا تھا کہ اگر اس نئے طریقہ پر عبادت کروگے تو گردن توڑ دوں گا اور اپنے

ع‍ت درالمنثور ۱۲

ساتھیوں کو تم پر چڑھا لاؤنگا[1] اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ پیغمبر سے ارشاد فرماتا ہے کہ وہ کمبخت اپنے ساتھیوں کو تم پر کیا چڑھا لائیگا۔ ہم ہی اس کی بری طرح خبر لیں گے اس کو ذلت کی مار ماریں گے اور پٹھے پکڑ کر گھسیٹینگے اگر اس میں قدرت ہو تو جن ساتھیوں پر اس کو بڑا غرہ ہو ان کو مدد کے لئے بلائے اور اس آنیوالے عذاب کو دفع کرے۔

جب بدر کی لڑائی پیش آئی ابوجہل کے یار و مددگار کچھ کام نہ آئے اور وہ بہت بری طرح سے مارا گیا۔

جنگ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا کاش کوئی خبر لاتا کہ ابوجہل کا کیا حشر ہوا، ابن مسعود، یہ سنکر کھڑے ہوگئے کہ یا رسول اللہ صلعم میں جاکر خبر لاتا ہوں اور تلاش کرتے ہوئے میدان جنگ میں پہونچے۔ دیکھا کہ مقتولوں کے ڈھیر میں ایک طرف ابوجہل بھی پڑا ہوا دم توڑ رہا ہے اس دشمن خدا کو عفرا کے بیٹوں نے مارا تھا اور جسوقت ابن مسعود پہونچے اس میں کچھ جان باقی تھی ابن مسعود نے اس کی داڑھی پکڑ کر پوچھا، کیا تو ہی ابوجہل ہے، اس نے کہا افسوس! جس شخص کو تم نے قتل کیا ہے کیا اس سے بڑے مرتبہ والا بھی کوئی ہے یا ہو سکتا ہے[2]۔

اس کے بعد ابوجہل مر گیا اور اسلام کے لشکریوں نے دوسرے مقتولوں کے ساتھ اسکی چوٹی پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لیجا کر ایک گڑھے میں ڈال دیا اور اس طرح قرآن کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔

[1] بخاری جلد ثالث ۱۲، [2] بخاری جلد ثالث ۱۲

پیشگوئی

(۷۱)

ولید کی ناک پر داغ لگے گا

جیساکہ سورۃ القلم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ
مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ
بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ
مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ
بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ
أَن كَانَ ذَا مَالٍ
وَبَنِينَ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ
آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ
الْأَوَّلِينَ سَنَسِمُهُ
عَلَى الْخُرْطُومِ۔

تو (اے پیغمبر!) تم کسی (ایسے نابکار) کے
کے کہنے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھاتا
ہے۔ آبرو باختہ ہے (لوگوں پر) آوازے
کسا کرتا ہے چغلیاں لگاتا پھرتا ہے
اچھے کاموں سے روکتا رہتا ہے۔ حدِّ
(بندگی) سے بڑھ گیا ہے۔ بدہو اکھڑ ہی
(اور) ان (عیوب) کے علاوہ بد اصل بھی
ہے جب ہماری آیتیں اس کو پڑھ کر
سنائی جاتی ہیں تو اس (برتے) پر کہ مال
اور (بہت سے) بیٹے رکھتا ہے بول اٹھتا
ہے کہ یہ (تو) اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے
ہیں (اچھا تو وہ ذرا صبر کرے) ہم
عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائینگے۔

ف

یہ آیتیں ایک بڑے کافر ولید بن مغیرہ مخزومی کے حق میں نازل ہوئی ہیں[۱] کہ وہ نہایت ہی خبیث و موذی تھا اور جن باتوں کے لئے خدا نے اس پر ملامت کی ہے، آدمی کو چاہیئے کہ ان سے بچتا رہے۔

خرطوم کے لفظی معنی سونڈ کے ہیں، یہاں حقارت کے لئے آدمی کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔

یہ آیتیں مکی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔ اس میں یہ پیشینگوئی کیگئی ہے کہ ولید بن مغیرہ کی پیشانی پر یا ناک پر داغ لگایا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ بدر میں یہ کمبخت اسلام کی مخالفت پر مسلمانوں سے قتال کرنے آیا عین ہنگام کارزار میں اس کی ناک پر زخم لگا[۲] اور قرآن کی پیشینگوئی پوری ہوگئی۔

پیشینگوئی

(۷۲)

منافقوں کے قسمت میں ذلت ہے، عزت تو بس اللہ اس کے رسول اور مسلمانوں کی ہے

جیسا کہ سورۃ المنافقین میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ے[۱] تفسیر ابن عباسؓ ۱۲ ع[۲] فتح البیان جلد تاسع ۱۲۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

یہی تو ہیں (منافق) جو (لوگوں کو) بہکایا کرتے ہیں کہ جو لوگ رسول خدا کے پاس (آکر جمع ہوئے) ہیں (اپنا پیسہ) اُن پر نہ خرچ کرو کہ (عاجز آکر) آخر کو (آپ ہی) تتر بتر ہو جائیں حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جتنے خزانے ہیں (سب) اللہ ہی کے ہیں مگر منافقوں کو اتنی سمجھ نہیں (یہ منافق) کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو عزت والا، ذلیل کو وہاں سے نکال باہر کرے تو سہی حالانکہ (اصلی) عزت اللہ کی اور اس کے رسول کی اور مسلمانوں کی ہے۔ مگر منافقین (اس بات سے) واقف نہیں۔

ف

یہ غزوہ بنی المصطلق کا مذکور ہے۔

سنہ ہجری میں حارث بن ابی ضرار رئیس خزاعہ نے چند قبائل عرب کو اسلام کی مخالفت پر ابھار کر جدال و قتال پر آمادہ کیا۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپ نے بریدہ بن الحصیب اسلمی کو جاسوس بنا کر تحقیق حال کے لئے بھیجا اُنھوں نے حارث ابی ضرار سے کھل ملکر تمام باتیں دریافت کریں اور واپس آکر رسول خدا کو موبمو کہہ سنایا۔

رسول خدا صلعم نے بھی جنگ کی تیاری کی زید بن حارثہؓ کو مدینہ منورہ میں

اپنا جانشین چھوڑا مہاجرین کا علم ابوبکر صدیق رضؓ یا علی مرتضیٰ رضؓ کے ہاتھ میں دیا۔ انصار کا
علم سعد بن عبادہ رضؓ کے سپرد کیا۔ اور عمر فاروق اعظم رضؓ کو مقدمہ لشکر پر متعین فرمایا اور
قتال کے لئے مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اس لشکر میں مہاجرین کے تیس گھوڑے
اور انصار کے بیس گھوڑے تھے مال وغنیمت کی لالچ سے بہت سارے منافقین
بھی ہمراہ ہو لئے جن کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین تھا لشکر اسلام کی
آمد آمد سنکر بنو مصطلق کے قلوب پر ایسا رعب چھایا کہ اطراف واکناف سے جس قدر
لوگ لڑنے کیلئے جمع ہوئے تھے سب متفرق ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلدیئے
رسول خدا صلعم نے پہنچکر چاہ مریسیع پر نزول اجلال فرمایا اور کفار نے بعد ترتیب لشکر
میدان مقابلہ کا رخ کیا پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں نے مشرکوں کے علم بردار کو
تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ اور اس کے قتل ہوتے ہی دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے
لشکر کفار نے شکست فاش کھائی بہت سے گرفتار ہوئے بقیہ جان بچا کر بھاگ گئے۔
جنگ سے فارغ ہونے کے بعد ایسا ہوا کہ سنان بن وبر حلیف انصار اور جہجاہ بن
سعید غفاری حلیف مہاجرین کے درمیان میں جھگڑا ہو گیا۔ جہجاہ نے غصہ میں آکر سنان
کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا کہ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ سنان عاجز آکر
اپنے حلیف انصار کی دہائی دینے لگا۔ اور اس کی آواز پر ہر طرف سے انصار گرد
آگئے اس مجمع کو دیکھکر جہجاہ گھبرایا اور تو کچھ بن نہ پڑا، مضطر ہو کر چلایا کہ یا مہاجرین! آواز کا
دینا تھا کہ مہاجرین لبیک لبیک کر پاس پہنچ گئے۔ اب قریب تھا کہ مہاجرین وانصار کے
درمیان میں خونریزی واقع ہو اور زمانہ جاہلیت کا جاہلانہ سماں پیش نظر ہو جائے
مگر بعض دور اندیش مہاجرین کے سمجھانے سے سنان، جہجاہ کے قصور سے درگذرا
اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

عبداللہ بن ابیّ بن سلول راس المنافقین قبیلہ انصار میں سے تھا جب اس نے

سنا کہ جہجاہ نے جو مہاجرین کا حلیف ہے سنان انصاری کے ساتھ ایسی بدسلوکی کی تو عبداللہ کی رگ کفر و نفاق حرکت میں آئی وہ تو ہمیشہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا رہتا تھا یہ ایک اچھا موقع ملا انصار اور اپنے ہم مشرب لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا کہ مہاجرین کی ساری کنت و قدرت ہم انصار کی وجہ سے ہے جنہوں نے مکہ سے بلا کر ان کو مدینہ میں جگہ دی اور اس کا بدلہ ہم کو یہ ملتا ہے کہ اسلئے ہمیں کو ذلیل کیا جاتا ہے۔

منافقین اپنے نزدیک مسلمانوں کو اپنے مقابلہ میں کمزور و ذلیل تو سمجھتے ہی تھے لگے کہنے کہ اچھا اب تو ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے اور ان ذلیلوں (اہل اسلام) کو نکال باہر کیا کہ نہ یہ رہیں گے اور نہ فساد ہوگا۔ ؎

اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کی تکذیب فرمائی کہ یہ جھوٹے بیوقوف ضلالت کی باتیں کہتے ہیں۔ یہ خود ذلیل و خوار ہیں۔ انھیں کی قسمت میں رسوائی ہے اور سچی عزت تو بس اللہ اللہ کے رسول اور اہل اسلام کی ہے۔

آخر زید بن ارقم کی وجہ سے عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے اتباع کا سارا راز فاش ہوگیا۔ قرآن نے منافقوں کو مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا وہ دونوں فریقیں ذلیل ورسوا ہوگئے اور مسلمان ہمیشہ ترقی کے منازل کو بادصف روک ٹوک کے طے کرتے رہے۔ یہانتک کہ عزت و اقبال کے بالاترین مقام پر پہنچ گئے سُبْحَانَهٗ جَلَّتْ کِبْرِیَائُهٗ۔

※

؎ مدارج النبوۃ جلد اول۔

پیشینگوئی

(۷۳)

محمد مصطفیٰ کی نسل میں بڑی خیر و برکت ہوگی

(۷۴)

محمد مصطفیٰ کے دشمن کا کوئی نام لیوا نہ رہیگا

جیساکہ سورۃ الکوثر میں ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ
اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ

(اے پیغمبر) ہم نے تم کو بڑی خیر و برکت دی ہے تو (اس کے شکریہ میں) اپنے پروردگار کی نماز پڑھو اور (اس کے نام کی) قربانی کرو جو تمہارا برا چاہے اُسی کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

ف

عرب میں ابتر اس مرد کو کہتے تھے جس کے کوئی بیٹا نہ ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تین فرزند پیدا ہوئے ابراہیم قاسم اور عبداللہ اور تینوں صغیر سنی میں انتقال کر گئے۔

سے الصراح ۱۲۔

چونکہ آپ کے کوئی بیٹا نہ تھا کافر کہتے تھے کہ یہ دین و مذہب کے سارے بکھیڑے اس شخص کے جیتے جی کے ہیں پھر آگے کو اسکی نسل منقطع ہے تو یہ فرخشے بھی اس کے ساتھ ہو چکیں گے اس سورہ میں خدا نے کافروں کا جواب اور پیغمبر خدا کی تسلی فرمائی کہ تمہارے بیٹا نہیں ہے مگر سارے مسلمان جو روز قیامت تک ہوں گے وہ سب تمہارے ہی فرزند ہیں اور اپنے صلبی فرزندوں سے زیادہ اطاعت گذار۔ جو مطلب اصلی فرزند سے حاصل ہوتا ہے وہ امت کے لوگوں سے باحسن وجوہ حاصل ہوتا ہے۔ بیٹا نہ ہوا نہ سہی۔ تمہاری دینی نسل قیامت تک منقطع ہونیوالی نہیں ہے۔

آپ کے فرزندوں میں سب سے پہلے قاسم کا انتقال ہوا[۱] ان کے بعد عبداللہ فوت ہوئے عبداللہ کے بعد ابراہیم نے قضا کیا۔

جس وقت قاسم یا ابراہیم کا انتقال ہوا، عاص بن وائل سہمی جو آپ کا سخت تریں دشمن تھا، خوش ہو کر کہنے لگا کہ محمد (صلعم) ابتر ہے اسکی نسل منقطع ہو گئی اور اب اسکا کوئی نام لیوا نہ رہیگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مردود کی تکذیب فرمائی کہ تم ابتر نہیں ہو بلکہ خود تمہارا دشمن عاص بن وائل ابتر ہے اور اس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

جمہور اسی طرف ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل کی تکذیب میں نازل ہوئی ہے مگر بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ابولہب کی شان میں نازل ہوئی اور بعض ابوجہل کو بتاتے ہیں، اگرچہ صحیح بات یہی ہے کہ آیت میں عاص بن وائل کی تکذیب کیگئی اور اس کے حق میں قرآن کی پیشینگوئی بھی حرف بحرف پوری اتر گئی لیکن دوسرے

---

[۱] دار المنثور جلد خامس۔

مذاہب مختلفہ کے تسلیم کر لینے میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ ابولہب اور ابوجہل کی نسل بھی دنیا میں نہ چلی اور پہلی ہی پشت میں نسل کا خاتمہ ہوگیا۔

ابولہب لاولد مرا۔ ابوجہل کے ایک بیٹا تھا عکرمہؓ جو بعد کو مسلمان ہوا۔ عکرمہ کے کوئی بیٹا نہیں ہوا۔ اور اس طرح جو بات اس نے پیغمبر خدا کی نسبت کہی تھی وہ اسی پر الٹ پڑی۔

غرض اِنَّ شَانِئَكَ سے ابولہب مراد ہو یا ابوجہل مراد ہو یا عاص بن وائل سہمی کی تکذیب ہو۔ ہر حالت میں قرآن کی پیشینگوئی صحیح اتر گئی بہر کیف اس سورہ میں دو پیشینگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشینگوئی

یہ فرمائی کہ سرور کائنات کی امت جن کی کثرت قیامت تک رہیگی۔ فرزندوں سے بڑھکر آپ کی اطاعت گذار ہوگی اور آپ کی آل اطہار میں بڑی خیر و برکت ہوگی یعنی آپ کی طاہر بیٹی جناب فاطمہ زہرا کی نسل جن میں فوق العادۃ ترقی ہوئی الفاظ "اعطیناک الکوثر" کا یہی مفاد ہے اور اس پیشینگوئی کی صحت آج بھی بدیہی طور پر شاہد ہے۔

دوسری پیشینگوئی

آپ کے دشمن (ابولہب یا ابوجہل یا) عاص بن وائل کا منقطع النسل ہونا جیسا کہ اوپر گذر چکا

تحقیق

بعض مفسرین نے اس پیشینگوئی کو عاص بن وائل پر منطبق کیا ہے بعض نے ابولہب پر

اور بعض نے ابوجہل پر لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس خصوصیت کیساتھ مفسرین منطبق کرنا چاہتے ہیں ان میں سے کسی پر بھی یہ پیشینگوئی منطبق نہیں ہوتی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تین ناہنجار دشمنوں میں سے کوئی ایک بھی منقطع النسل ہو کر نہیں مرا۔ بلکہ عاص بن وائل کے فرزند عمرو بن عاص اور ابوجہل کے فرزند عکرمہ بن ابی جہل تو مشاہیر صحابہ۔ دہاۃ عرب اور اسلام کے بڑے جانباز بہادروں میں شمار کئے گئے علاوہ اس کے جب خود قرآن نے رسول اللہ صلعم کے منقطع النسل دشمن کی تعیین نہیں کی اور شان نزول کی روایات میں تینوں دشمنان رسول کا نام لیا جاتا ہے۔ تو پھر کسی ایک کی تخصیص بے ضرورت ہے بلکہ بلا تخصیص یہ پیشینگوئی صحیح اتر جاتی ہے۔

پیشینگوئی صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو بڑی خیر و برکت دی ہے اور تم نہیں بلکہ تمہارا دشمن ابتر یعنی منقطع النسل ہے جس کا کوئی نام لیوا نہ رہے گا۔

محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل میں جو خیر و برکت ہوئی اور ہے وہ مثل بدیہیات کے روشن ہے جب سے تاریخ کا پتہ چلتا ہے ایسی برکت اور کثرت آج تک نوع انسان کے کسی متنفس کی نسل میں نہیں ہوئی اولاد کی تمنا عموماً اپنی بقائے نام و نشان کیواسطے کیجاتی ہے اور اس غرض کو امت محمدیہ نے جس خوبی سے کیساتھ پورا کیا اور کر رہی ہے آج تک نہ کسی باپ کی اولاد نے کیا نہ آئندہ کبھی کر سکتی نہ کرے گی۔

بخلاف اس کے محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا عبرت ناک حال دیکھو کہ وہ کیسے منقطع النسل اور واقعی کیسے ابتر ہیں پیغمبر عرب کی دشمنی کی وجہ سے اور آپ کے روشن نام کے صدقہ میں صرف ان دشمنوں کا نام تو باقی ہے جن پر قیامت تک ذلت و لعنت کی بارش رہیگی باقی نہ ان کی نسل و اولاد کا پتہ ہے نہ تمام

کرہ عالم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا ہے جو اپنے کو ابولہب یا ابوجہل یا عاص بن وائل کی اولاد میں بتائے بلکہ اگر واقعی کوئی ایک آدھ آدمی ان کی نسل میں ہوگا بھی تو اپنےکو انکی نسل میں بتانے سے شرم کرتا ہوگا پس ابولہب وغیرہ دشمنان رسول کا نام بھی رسول اللہ صلعم کی وجہ سے ہی باقی ہے ورنہ وہ تو درحقیقت منقطع النسل ہی ہیں جن کا دنیا میں کوئی نام لیوا نہیں ہے۔

پیشنگوئی

(۷۵)

محمد رسول اللہ کے بعد کچھ مسلمان اسلام سے پھر جائینگے

(۷۶)

ان مرتدوں پر ایسے پاک مسلمان غالب ہوں گے جو آپس میں نرم اور کفار پر سخت ہوں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ	اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے

كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	لوگوں کا کیا کرایا دنیا اور آخرت (دونوں میں) اکارت اور یہی ہیں دوزخی (اور) وہ ہمیشہ (ہمیشہ) دوزخ ہی میں رہنے والے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا	اور محمد اس سے بڑھکر اور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے (اور) بھی رسول ہو گذرے ہیں پس اگر محمد اپنی موت سے مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے الٹے پیروں (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے۔ اور جو اپنے الٹے پیروں (کفر کیطرف) لوٹ جائے گا۔ وہ خدا کا تو کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔

ف

ان آیتوں میں صاف طور پر تو نہیں مگر کنایتہً انداز کلام سے یہ پیشینگوئی نکلتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کچھ مسلمان دین اسلام سے پھر جائیں گے مگر ان کے ارتداد سے اسلام کا کچھ نقصان نہ ہوگا۔

تیسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ	مسلمانو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین اسلام سے پھر جائے تو خدا (کو اسکی کچھ پروا نہیں وہ) ایسے لوگ لاموجود کریگا

يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔ مسلمانوں کیساتھ نرم۔ کافروں کے ساتھ کڑے۔ اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑادیں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کا کچھ باک نہیں رکھیں گے۔ یہ (بھی) خدا کا (ایک) فضل ہے جس کو چاہے دے اور اللہ (کی رحمت بڑی) وسیع (ہے اور وہ سب کے حال سے) واقف ہے۔

ف

اس آیت نے پیشگوئی کی پوری صراحت کردی کہ آنحضرت کے بعد کچھ مسلمان دین اسلام سے منحرف ہوکر مرتد ہوجائیں گے پھر اللہ تعالیٰ اُن پر ایسے مسلمانوں کو مسلط کرے جو اللہ کے خاص بندے ہوں گے۔ وہ اللہ کو چاہتے ہوں گے اللہ ان کو چاہتا ہوگا وہ مسلمانوں پر نرم ہوں گے کافروں پر سخت ہوں گے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑادیں گے اور کسی ملامت کرنیوالے کی پروا نہ کریں گے۔

عرب کے گیارہ فرقے مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگئے تھے جن میں تین فرقے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مرتد ہوئے سات فرقے جناب امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں دین اسلام سے منحرف ہوئے اور ایک فرقہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مرتد ہوا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا فرقہ۔ بنو مدلج کا ہے، ان کا رئیس، ذوالحمار اسود عنسی تھا اس کاہن نے نبوت کا دعوی کر کے یمن کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا اور تمام بنو مدلج وغیرہ نے مرتد ہو کر اس کا ساتھ دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو یمن کے شہروں سے نکال باہر کیا تو آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انھوں نے سادات یمن کو ساتھ لیکر اس جھوٹے نبی کا قلع قمع کر دیا۔

جس روز اسود عنسی قتل ہوا، اسی رات کو رسول اللہ صلعم نے اس کے قتل کی خبر دی اور اس کے دوسرے روز صبح کو آپ نے انتقال فرمایا۔ ؎

دوسرا فرقہ۔ بنو حنیفہ کا جن کا سردار مسیلمہ کذاب تھا اس کذاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں نبوت کا دعوی کیا بنو حنیفہ کے لوگ مرتد ہو کر اس کے پیرو ہو گئے آخر ابو بکر صدیق رضی نے اپنے عہد خلافت میں اس پر لشکر کشی کی اور وحشی غلام جس نے ایام جاہلیت میں حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ اس کا قاتل ثابت ہوا۔

تیسرا فرقہ۔ بنو اسد کا جن کے سردار طلیحہ بن خویلد نے نبوت کا دعوی کر کے بغاوت کا جھنڈا بلند کیا۔ رسول اللہ صلعم کے حکم سے حضرت خالد نے اس کا مقابلہ کیا۔ طلیحہ شکست کھا کر شام کی طرف بھاگا۔ پھر آخر میں مسلمان ہوا، اور اسلام کی حالت میں قضا کیا۔ سات فرقے جناب صدیق اکبر رضی کے زمانۂ حکومت میں مرتد ہوئے

(۱) **چوتھا فرقہ**۔ فزارہ کا جن کا رئیس عینیہ بن حصن تھا۔

(۲) **پانچواں فرقہ**۔ غطفان جن کا سردار قرۃ بن سلمی قشیری تھا۔

(۳) **چھٹواں فرقہ**۔ بنو سلیم جن کا سردار فجارۃ بن عبد یالیل تھا۔

(۴) **ساتواں فرقہ**۔ بنو تمیم جن کی سردار سجاح بنت المنذر عورت تھی قبیلہ بنی تمیم کی

؎ کشاف ۱۲

اس عورت نے دعوی نبوت کیا پھر مسیلمہ کذاب سے اس کا نکاح ہوا پھر ابو بکر صدیق رضؓ کے عہد خلافت میں تائب ہوکر مسلمان ہوگئی سجاح تمیمیہ کی پیروی میں اس کے قبیلے کے کچھ ہی لوگ مرتد ہوئے تھے۔

(۶) **نواں فرقہ**۔ کندہ جس کا سردار اشعث بن قیس تھا۔

(۷) **دسواں فرقہ**۔ بنو بکر بن وائل جن کا سردار حطم بن زید تھا۔ بحرین کے قبائل میں سے یہی ایک قبیلہ مرتد ہوا تھا۔

(۸) **گیارہواں فرقہ**۔ قبیلۂ غسان جس کا سردار جبلہ بن ایہم غسانی تھا۔

جبلہ بن ایہم حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان ہوا تھا ایام حج میں ایک روز وہ طواف کعبہ کر رہا تھا اور چادر زمین تک لٹکتی تھی اتفاقاً پیچھے سے کسی بدوی کا پاؤں چادر پر پڑ گیا جس پر غضبناک ہوکر جبلہ نے بدوی کو ایک طمانچہ مار دیا۔ بدوی نے دربار فاروقی میں استغاثہ دائر کیا حضرت عمرؓ نے مدعیٰ علیہ کو طلب کیا معاملہ صاف تھا مدعیٰ علیہ نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور حضرت فاروق اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ بدوی اگر قصور کو معاف نکر دے تو ویسا ہی ایک طمانچہ جبلہ کو بھی برداشت کرنا لابد ہے جبلہ نے گھبرا کر کہا میں اس طمانچہ کی عوض میں بدوی کو ہزار روپیہ دیتا ہوں۔ بدوی نے کہا میں روپیہ لینا نہیں چاہتا، قصاص چاہتا ہوں آخر جبلہ بڑھتے بڑھتے دس ہزار تک آیا مگر بدوی اپنی ہی ضد پر قایم رہا۔ کہ میں طمانچہ مار کر رہونگا۔ جبلہ نے خلیفہ سے عرض کیا کہ مجھکو مہلت دی جائے تا اس بدوی کو راضی کروں۔ حضرت عمرؓ نے یہ درخواست منظور کی۔ جبلہ نے دیکھا کہ بدوی تو اپنی ضد سے باز آنے کا نہیں اور قصاص کا جاری ہونا میری شان ریاست کے خلاف اور اس میں سراسر میری ہتک ہے پس اس کو سوائے اس کے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ خلیفہ کی دی ہوئی مہلت کے اندر مرتد ہوکر روم کی طرف بھاگ گیا۔

بہر حال تین فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مرتد ہوئے آپ کے انتقال کے بعد اہل مکہ اہل مدینہ اور اہل بحرین کے سوا عامہ اہل عرب مرتد ہو گئے ان میں بہت سے ایسے مرتد تھے جو اقرار اسلام کے ساتھ احکام قرآنی میں ترمیمات کرتے تھے مثلاً قرآن میں ایک مہینہ کا روزہ سے انھوں نے پندرہ دن کم کر دئے زکات ہر صاحبِ نصاب مسلمان پر فرض کی گئی تھی اس کو مد فضول قرار دیا اسیطرح اور بہت سی اصلاحیں کیں جس سے ایک فساد اور قوم و اسلام میں خطرناک شورش کی صورت پیدا ہو گئی۔

اسلام کی حفاظت ضروری تھی اور چونکہ خداوندی قانون شریعت میں رد و بدل کرنا خود ایک بہت بڑا جرم تھا اس لئے پہلے تو ان کو سمجھایا گیا اور جب باز نہ آئے تو امام وقت حضرت صدیق اکبر نے ان سے قتال کا حکم دیا بہت سے قتل ہوئے اور ایک جم غفیر نے توبہ کی جب خلیفۂ صدیق نے ان مرتدوں سے قتال کرنے کا فرمان نافذ کیا تو شروع شروع میں تمام صحابہ نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا چنانچہ جناب فاروق اعظم نے لسان القوم بن کر آپ سے عرض کیا اے امیر المومنین آپ ان لوگوں سے قتال کرنے کو کیونکر جائز قرار دیتے ہیں جو کلمۂ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں مسلمان سے قتال وجہاد تو حرام ہے آپ نے جواب دیا کہ ایسے نالائق لوگ ہرگز مسلمان نہیں کہے جا سکتے جو احکام قرآن میں ترمیم کریں اور خدا کی قسم ! جن باتوں کا حکم ہمکو اللہ اور اسکے رسول نے دیا ہے اگر ایک جو برابر بھی کوئی اس میں کمی بیشی کرے گا تو میں اس سے قتال کروں گا۔

خلیفہ وقت نے بہت کچھ سمجھایا مگر صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی آپ سے اتفاق نہ کیا یہ رنگ دیکھکر حضرت صدیق اکبر نے اپنی اونٹنی کی مہار پکڑی، غلام کو ساتھ لیا اور چلتے ہوئے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم میرا ساتھ نہیں دیتے تو یہ لو! میں تنہا جا کر ان

مرتدوں سے قتال کرتا ہوں تاکہ قیامت کے دن میں اپنی بریت کر سکوں۔

خلیفہ کو اسلاح آمادہ قتال پاکر صحابہ متاثر ہوئے حضرت عمر نے آگے بڑھکر مہار پکڑلی اور خلیفہ برحق سے فرمایا کہ ہمارا اختلاف محض مشورہ کے طور پر تھا لیکن اگر آپ اس سے موافق نہیں ہیں تو آپ کے حکم کی تعمیل کیلئے ہم سب حاضر ہیں آپ تنہا نہیں جا سکتے۔

اس کے بعد فوجیں تیار ہوئیں۔ مرتدوں سے قتال ہوا، قبائل سے مارے گئے بقیہ نے توبہ کی۔[۵]

اس معاملہ کی یکسوئی کے بعد تمام صحابہ کو اپنی رائے کی غلطی کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ نے تو صاف طور پر فرما دیا کہ " واللہ ابوبکر کی رائے ہم تمام لوگوں کی رائے سے بہتر تھی اگر اس روز ابوبکر کا قدم ذرا بھی بچلتا تو اسلام کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جاتا۔[۵]

اس واقعہ سے ابوبکر کے استقلال، ہمت، اصابت رائے۔ اور امامت علی منہاج النبوت کا پتہ ملتا ہے۔

نکتہ

یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حقیقت امامت پر واضح دلیل ہے اس لئے کہ اللہ تعالے نے فرمایا کہ جو مسلمان مرتد ہوں گے اُن پر ہم ایسے لوگوں کو مسلط کریں گے جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور وہ اللہ کو چاہتے ہوں گے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان مرتدوں کو مغلوب و مقہور کرنیوالے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے پس آپ ہی اس صفت کے مصداق ہوئے اور ایسا ہی امام، امام برحق ہے۔

---

[۵] تاریخ الخلفاء ۱۲۔ [۵] نہج البلاغت ۱۲۔

بلا شک تین فرقے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی مرتد ہوئے تھے مگر
مگر آنحضرت صلعم اس آیت میں مراد نہیں ہو سکتے۔

اولاً:- اسوجہ سے کہ آیت میں "سَوفَ یَاتِیَ اللّٰہُ" فرمایا گیا ہے اور سوف
استقبال کیلئے آتا ہے نہ حال کیلئے تو معنی یہ ہوئے کہ کچھ مسلمان مرتد ہوں گے
اور آیندہ زمانہ میں ان مرتدوں پر ایسے لوگ مسلط کئے جائینگے جو اللہ کو چاہتے
ہوں گے اور اللہ ان کو چاہتا ہوگا۔ اور یہ پیشینگوئی جو استقبال کیلئے ہے۔
رسول خدا پر منطبق نہیں ہو سکتی۔

ثانیاً:- اسوجہ سے کہ تین فرقے اگرچہ رسول اللہ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے مگر خود
رسول اللہ کو ان مرتدوں سے قتال کرنیکا اتفاق نہیں ہوا۔ نہ آپ کے عہد میں
ان کا قلع قمع ہوا بلکہ ان سب مرتدوں پر ابوبکر صدیق مسلط ہوئے۔

پھر دیکھو ان نو مسلم مرتدوں کے مغلوب کرنیوالے لوگ وہی مہاجرین و انصار تھے
جو بیعۃ الرضوان میں شریک تھے اور جن کو اللہ تعالےٰ نے اپنی خوشنودی کے پروانے
سے ممتاز فرمایا تھا ان سب کے محبوب خدا ہونے اور خدا کے ان کے دوست
ہونے میں کیا کلام ہے۔

پہلی پیشینگوئی

بہت سے (نئے) مسلمانوں کا مرتد ہونا۔

دوسری پیشینگوئی

مرتدوں پر ایسے لوگوں کا مسلط ہونا۔

تیسری پیشینگوئی

جو اللہ کے محبوب ہوں گے اور وہ اللہ کو چاہتے ہوں گے اس سے زیادہ ابو بکر رضؓ کے محبوب خدا ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ محض خدا کی خوشنودی اور اس کے رسول کی بات قایم رکھنے کے لئے کسی کی پروانہ کر کے تن تنہا جان دینے پر آمادہ ہو گئے

چوتھی پیشینگوئی

ان کا آپس میں نرم اور کفار پر سخت ہونا۔ اور یہ امر تاریخ و سیر سے ثابت ہے کفار سے قتال کرنا ہی اُن پر سخت ہونیکی بدیہی دلیل ہے اور آپس میں نرم ہونا اسی سے ظاہر ہے کہ باوجود ایسے سخت اختلاف رائے کے صحابہ نے گوارہ نہیں کیا کہ ابو بکر تنہا جا کر ہلاکت میں پڑیں۔

پانچویں پیشینگوئی

راہ خدا میں جہاد کرنا اور یہ محتاج صراحت نہیں۔

چھٹویں پیشینگوئی

کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہ ڈرنا چنانچہ باوجود اس کے کہ ہزاروں صحابہ میں ایک متنفس بھی ابو بکر کا موافق نہ تھا آپ نے کسی کی پروا کی نہ ملامت کا خوف کیا بلکہ راہ خدا میں اکیلے چل کھڑے ہوئے۔

پیشنگوئی

(۷۷)

ابولہب خود ہلاک ہوگا

(۷۸)

ابولہب کا مال (وقت) پر اُس کے کچھ کام نہ آئیگا

جیسا کہ سورۃ اللہب میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا کَسَبَ

(جیسے ابولہب نے پیغمبر کو ہاتھ کو سانپ سے اُسلئے ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا نہ تو اس کا مال ہی کچھ اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔

آیت میں دو پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

جب آیت اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ۔نازل ہوئی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ اور اوپر چڑھ کر بلند آواز سے پکارنے لگے یا بنی فہر یا بنی عدی یہانتک کہ تمام قریش جمع ہوگئے آپ نے سب سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ لوگو! اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بڑی فوج تاک میں ہے کہ موقع پاکر

تم پر ٹوٹ پڑے۔ تو کیا تم اس خبر کو باور کروگے؟ قریش نے جواب دیا ضرور باور کریں گے کیونکہ آج تک تمہاری زبان سے کوئی جھوٹ نہیں سنا گیا آپ نے فرمایا ایسا ہے تو میں تم کو عذاب قیامت سے ڈراتا ہوں۔ اتنا سنتے ہی ابولہب نے آپ کی طرف پتھر چلایا اور اپنے محاورہ کے مطابق کہا کہ۔ تیرے ٹوٹیں دونوں ہاتھ اور تیرا جائے ستیاناس" کیا یہی باتیں سنانے کے لئے تو نے ہمیں تکلیف دی۔

اس کے جواب میں یہ سورۃ نازل ہوئی کہ پیغمبر کا ستیاناس نہیں جائے گا جبکہ بلکہ خود ابولہب ہلاک ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پیغمبر خدا زندہ ہی تھے اور ابولہب جنگ بدر کے چند دنوں بعد پاؤں رگڑ رگڑ کر مرگیا۔

ہلاکت ہر انسان کے لئے ہے۔ کوئی ہمیشہ زندہ رہا ہے نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ خود پیغمبر خدا کو بھی حیات دائمی (جسمانی) نہیں یہاں ابولہب کی ہلاکت سے یہ مطلب ہے کہ اس نے جو پیغمبر کو ہلاک ہونیکی بددعا دی ہے اس کا مصداق خود ہی ہوگا۔ وہ پیغمبر کو ہلاک ہوتے نہ دیکھیگا۔ بلکہ ان کی پاک زندگی میں وہ ہی ہلاک ہوجائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

جناب حالی پانی پتی نے اس واقعہ کو اپنے مسدس حالی میں ذرا مختصر الفاظ میں یوں ادا کیا ہے۔

وہ فخر عرب زیر محراب و منبر　　　تمام اہل مکہ کو ہمراہ لیکر
گیا ایک دن حسب فرمان داور　　　سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھکو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آجتک کوئی تیرا　　　کبھی ہم نے جھوٹا سنا ہے نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھکو ایسا　　　تو باور کروگے اگر میں کہوں گا

کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر

کہا، تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے — کہ بچپن سے صادق تو ہی اور امیں ہے
کہا گر میری بات یہ دل نشیں ہے — تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یہاں سے ہے جانیوالا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنیوالا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی — بس اک آن میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نام حق سے

دوسری پیشنگوئی

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا اور چہرہ کے چمکدار ہونے کے سبب سے اسکی کنیت ابولہب مشہور ہوگئی۔

یہ ابولہب تھا تو رشتہ میں حقیقی چچا لیکن دین اسلام کی وجہ سے پیغمبر خدا کی جان کا لاگو ہوگیا تھا اس نے بارہا آپ کے شہید کرنے کا قصد کیا جس کی تفصیل کتب تواریخ میں مذکور ہے وہ کسیطرح جائز نہ رکھتا تھا کہ آپ خانہ کعبہ میں نماز پڑھیں یا بتوں کی توہین کریں۔

اس کے مظالم اور ایذاؤں سے تنگ آکر رسول خدا صلعم نے اس کے حق میں بددعا فرمائی تو کہنے لگا کہ میں دولتمند ہوں۔ اور دولت ہر دنیاوی آفت کے دفع کرنے کا عمدہ آلہ ہے اگر میرا بھتیجا (محمد صلعم) واقعی اپنے دعوی میں سچا ہے

تو میں قیامت میں بھی عذاب الٰہی کو، فدیہ مال دیکر ٹال دوں گا۔
اللہ تعالےٰ نے ابولہب کی اس بوالفضولی کا جواب دیا کہ دنیا اور آخرت کسی جگہ بھی مال و دولت ابولہب کے کام نہ آئیگا۔

عرب میں ایک بیماری ہوتی تھی (عدسہ جو بہت خوفناک، منحوس اور متعدی سمجھی جاتی تھی۔ اس میں بدن پر دانے وا نے نکل آتے اور سوراخ پڑ جاتے تھے اور جسم سے بدبو آنے لگتی تھی۔ اہل عرب اس بیماری سے بہت ڈرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ایسے مریض کے پاس جانے سے وہ بیماری اڑکر اپنے کو لگ جاتی ہے۔ اسی واہمہ اور عام عقیدہ کا اثر تھا کہ عدسہ کی بیماری جس کو لاحق ہوتی کوئی اس کے نزدیک تک نہ پھٹکتا اور آخر وہ اکیلا رگڑ رگڑ کر مر جاتا۔

ایسا ہوا کہ ابولہب اسی بیماری عدسہ میں مبتلا ہوا۔ اور تمام عزیز و اقارب، دوست آشنا اس کے سایہ سے دور بھاگنے لگے۔ جتنے دن بیمار رہا۔ اس پر دنیا تنگ تھی آخر جنگ بدر کے سات دن کے بعد نہایت بیکسی و خواری کی حالت میں دنیا سے چل بسا۔ مرنے کے بعد بھی کوئی اپنا پرایا نزدیک نہ پھٹکا یہاں تک کہ مکان کے اندر اس کی لاش سڑ گئی۔ اور بدبو پھیلنے پر نوکروں نے بدقت تمام لاش کو باہر نکال کر گڑھے میں توپ دیا[۵] اور اللہ کی یہ پیشینگوئی کہ مال و دولت ابولہب کے کچھ کام نہ آئے گا۔ پوری اتر گئی۔

—※—

۵ے مفاتیح الغیب جلد ہشتم ۱۲
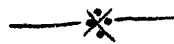
پیشنگوئی

(۷۹)

ابولہب اور اس کی جورو آگ میں پڑیں گے

(۸۰)

ابولہب کی جورو کی گردن میں بٹی ہوئی رسّی ہوگی

جیساکہ سورۃ ابی لہب میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۔

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا۔ نہ تو اس کا مال ہی کچھ اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی وہ عنقریب ڈیگ مارتی ہوئی آگ میں جا داخل ہوگا اور اس کی جورو، جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے اس کی گردن میں بھانجواں بیلنے بٹی ہوئی رسّی ہوگی۔

پہلی پیشنگوئی

ابولہب اور اس کی جورو کے آگ میں پڑنے سے کیا مراد ہے ! اکثر علمائے مفسرین

اس طرف ہیں کہ آگ سے جہنم کی آگ مراد ہے یا مطلب یہ ہے کہ ابولہب اور اس کی جورو، دونوں کافر مریں گے اور ایسا ہی ہوا کہ ان میاں بی بی سے کسی کو بھی ایمان کی نعمت نصیب نہیں ہوئی اور دونوں کے دونوں خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق ہوئے بعضے علمائے کرام جن میں ہمارے استاد علامہ **عنایت رسول چریاکوٹی** رح بھی ہیں اس آگ سے اسی عدسہ کی بیماری کو مراد لیتے ہیں جس کو بسبب فساد وحدت خون کے آگ میں پڑنا کہہ سکتے ہیں۔

اس مسلک پر یہ کوئی نئی پیشینگوئی نہیں ہوگی بلکہ اس کا تعلق (۴۸) ویں پیشینگوئی سے ہوگا۔

اس صورت میں "وامرأتہ" کا عطف ابولہبؔ پر نہ ہوگا کیونکہ عدسہ کی بیماری میں صرف ابولہب مبتلا ہوا تھا بلکہ جملہ اسمیہ کا عطف "سیصلی" پر ہوگا یعنی سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوگا۔

(واؤ) حرف عطف امرأتہ مضاف مضاف الیہ ملکر ذوالحال حَمَّالَۃَ الْحَطَبِ حال، حال ذوالحال ملکر مبتدا ہوا۔ فِیْ جِیْدِہَا - خبر مقدم - حبل من مسد - مبتدا موخر مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر پہلے مبتدا کی خبر ہوا - پھر یہ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر جملہ فعلیہ سیصلے پر معطوف ہوگا۔

اگر نارًا ذات لہب سے جہنم کی آگ مراد لی جائے تو وامرأتہ کا عطف ابولہب پر ہوگا اور حمالۃ الحطب - اور فی جیدہا حبل من مسد - دونوں امرأتہ کے حال واقع ہونگے

دوسری پیشینگوئی

ابولہب کی جورو جس کا نام ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ تھا اور جو ابوسفیان کی بہن

اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پھوپھی تھی سادات قریش میں کی ایک کانی عورت اور رسول اللہ صلعم کی دشمنی وایذا دہی میں اپنے شوہر کی رفیق صادق تھی وہ ہمیشہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے رستہ میں رات کو کانٹے بچھا جاتی کہ آخر ادھر ہو کر گزریں گے تو بجری میں کانٹے چبھینگے غرض ابو لہب اور اس کی جورو کی دشمنی کی کوئی حد باقی نہ رہی تھی۔

حمالۃ الحطب کے معنی ہیں لکڑیوں کی اٹھانیوالی اور عربی کے محاورہ میں چغلخور کو بھی کہتے رہیں ایسا ہی فارسی میں شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے بھی یہی محاورہ ایک شعر میں اختیار کیا ہے۔ ؎ میان دو کس جنگ چوں آتش است ✤ سخن چین بدبخت ہیزم کش است تو یا تو چغلخوری کے اعتبار سے اس کو حمالۃ الحطب کہا، یا اس وجہ سے کہ وہ رسول اللہ کے رستہ میں کانٹے لا بچھاتی تھی۔

گردن میں رسی ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح لڑکے مثلاً دنیا میں کتے کے پلے کی گردن میں رسی باندھ کر گھسیٹے پھرتے ہیں اسی طرح قیامت میں اسکی بے حرمتی کیجائیگی اور وہ اسی ذلت کی مستحق بھی ہے۔

مگر ابو لہب کی جورو ام جمیل دنیا میں بھی اسی عذاب سے مری۔

وہ مارے خست کے جنگل سے خود جا کر ایندھن لایا کرتی تھی ایک دن کانٹوں کے ایندھن کا پشتارہ سر پر اٹھائے چلی آرہی تھی کہ پشتارہ گر گیا اور اسکی رسی اس کے گلے میں اٹکی اور وہ گلا گھٹ کر اسی وقت مر گئی۔ ؎

خدا اور خاصان خدا کے دشمنوں کا انجام برا ہی ہوا کرتا ہے۔

✻

؎ لباب التاویل جلد خامس وعمدۃ القاری شرح البخاری۔

پیشنگوئی

(۸۱)

کافروں کو اللہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سزا دیگا

(۸۲)

مسلمانوں کو فتحیاب کرے گا

۸۳

مسلمانوں کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرے گا

۸۴

مسلمانوں کے دلوں میں جو غصہ ہے اس کو دور کریگا

جیساکہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا	مسلمانو! تم ان لوگوں سے کیوں نہ لڑو
اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ	جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول
الرَّسُوْلِ وَهُمْ	کے نکالدینے کا ارادہ کیا اور تم سے چھیڑخانی

يَدَؤُكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ۔

اول انھوں نے ہی شروع کی کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو (ان سے) کہیں بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ تم ان لوگوں سے (بلا تامل) لڑو خدا تمہارے ہی ہاتھوں ان کو سزا دیگا۔ اور ان کو رسوا کرے گا۔ اور ان پر تم کو فتح دے گا اور مسلمانوں کے گروہ کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اور ان کے دلوں میں جو (کافروں کی طرف سے) غصہ بھرا ہوا ہے اس کو بھی دور کرے گا۔

ف

آیت میں پانچ پیشینگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشینگوئی

کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے سزا دینا اور اس کا پورا ہونا محتاج بیان وتصریح نہیں ہے دشمنوں سے جہانتک بن پڑا انھوں نے چند روزہ مسلمانوں کو خوب خوب ایذائیں دیں اور مسلمانوں نے ٹھنڈے دلوں سے سب کچھ برداشت کیا ان چند مظالم سے سوائے بدنی تکالیف کے انہیں کوئی نقصان نہیں پہونچا مگر جب ان ایذاؤں کی حد ہوگئی اور مسلمانوں نے قوت بہم پہونچا کر بحکم الٰہی اپنی جگہ سے حرکت کی تو دشمنوں کو چھٹی کا دودھ یاد آگیا۔ یہانتک کہ تمام جزیرہ نمائے عرب اسلام کا مفتوحہ

ہلاک ہو گیا۔

دوسری پیشگوئی

مسلمانوں کو کافروں پر فتیاب کرنا اگرچہ بہادران اسلام کو سوائے حنین کی جنگ کے کسی جنگ میں ناکامی کا منہ دیکھنا نہیں پڑا۔ لیکن مکہ اور حنین کی فتح نے خاص طور پر اس پیشگوئی کو پورا کر دکھایا۔

تیسری پیشگوئی

مسلمانوں کے کلیجوں کو ٹھنڈا کرنا۔

عرب میں دو قبیلے تھے بنی بکر اور بنی خزاعہ اور ان دونوں کے درمیان تھا مناقشہ۔ حدیبیہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح کر لی تو بنی بکر قریش کے طرفدار ہو گئے اور بنی خزاعہ مسلمانوں کے۔ مگر اس مصالحت کی رو سے ان دونوں گروہوں کو بھی عہد و پیمان کی پابندی لازم تھی حالانکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا۔ مکہ کے قریب ایک کنواں یا چشمہ تھا وتیر، اس پر بنی بکر نے چھیڑ خانی کر کے بنی خزاعہ سے جنگ کی قریش نے صلح نامہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کی مدد کی اور بنو خزاعہ کے بہت سے لوگ قتل ہو گئے عمرو بن سالم خزاعی نے مدینہ میں پہونچکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور قریش کے نقض عہد کا ماجرا کہہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خلاف معاہدگی کی اور صلح ٹوٹ گئی اب ہمارے ان سے جنگ ہو گی چنانچہ آپ نے جہاد کا حکم سنا دیا جب مکہ فتح ہوا تو بنی خزاعہ کی بن آئی اور انھوں نے بنی بکر کو قتل کر کے اپنے کلیجے ٹھنڈے کر لئے۔

---

۵ در المنثور ۱۲

چوتھی پیشگوئی

ان کے دلوں میں جو غصہ بھرا ہوا ہے اس غلش کو خدا دور کر دے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے لوگ بنی بکر کے مسلمان ہو گئے۔ تو بنی خزاعہ کے دلوں میں جو کچھ بغض و کینہ پہلے سے بھرا ہوا تھا وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے جاتا رہا اور سب بھائی بھائی ہو گئے۔

پیشگوئی

(۸۵)

اللہ کافروں کے زور کو روک دیگا

جیساکہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا۔

تو (اے پیغمبر!) تم اللہ کی راہ میں (دشمنوں سے) لڑو (تم پر اپنی ذات خاص کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے اور (وہاں) مسلمانوں کو (لڑائی کے لئے) اُبھار و عجب نہیں کہ اللہ کافروں کے زور کو روک دے اور اللہ کا زور (سب سے) زیادہ قوی اور اسکی سزا (سب سے) زیادہ سخت ہے۔

ف

جنگ بدر میں دشمنان اسلام کو شکست فاش ملی تو ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک محمد (صلعم) اور اصحاب محمد (صلعم) سے اس شکست کا بدلہ نہ لے گا اپنی عورتوں کو ہاتھ نہ لگائے گا۔ آخر ایک روز، دو سو یا چالیس سواران قریش کو لیکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا عریض یہاں پہونچکر اس نے چند درختوں کو جلا دیا اور ایک بھولے بھٹکے انصاری مسلمان کو پکڑ کر قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں سے مقابلہ کرنیکی جرأت نہ پڑی، ساتھیوں سے کہنے لگا کہ ہماری قسم پوری ہوگئی۔ اب آگے بڑھنے کی ضرورت کیا ہے؟ سب کو ساتھ لئے ہوئے مکہ معظمہ کو واپس ہوگیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی آپ نے فوراً دو سو بہادران مہاجرین و انصار کو ساتھ لیا اور ابوسفیان کے مقابلہ کو چڑھ دوڑے۔

ابوسفیان اور اس کے رفقا تو مسلمانوں کے مقابلہ کا مزا دیکھ چکے تھے لشکر اسلام کی آمد سنکر سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور بھاگنے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ لشکریان ابوسفیان کے پاس کھانے کی چیزوں سے ستو بہت تھا سب نے پھینک پھینک کر اپنے کو ہلکا کیا۔ اور سر پر پاؤں رکھکر بھاگے پھر مکہ ہی میں پہنچکر دم لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان بھگوڑوں کا تعاقب نہ کیا اور چھٹویں دن مدینہ میں واپس آگئے[۵]۔ اس جنگ کا نام غزوہ سویق ہے کیونکہ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔

---

[۵] مدارج النبوۃ جلد دوم ۱۲۔

اسی طرح سنہ ۴ ہجری ذیقعدہ کے مہینہ میں ابوسفیان کیوجہ سے جب لڑائی کی نوبت پہنچی تو باوجود اس کے کہ ابوسفیان سے لڑنے کا وعدہ کیا تھا مگر وقت پر بھاگ نکلا پیغمبر اسلام اپنے بہادران جانباز کو لئے ہوئے آٹھ دن تک انتظار کرتے رہے لیکن کفار کچھ ایسے مرعوب و خائف ہوئے کہ کسی نے ادہر قدم تک نہیں بڑھایا۔ اسی جنگ کا نام بدر صغری ہے اور یہی اللہ برتر کی پیشگوئی تھی کہ ہم کفار کے زور کو روکدینگے اور تم سے مقابلہ کرنیکی جرأت نہ کریں گے۔

پیشگوئی

(۸۶)

کفار شرارت کریں گے تو وہی حال ہوگا جو اگلوں کا ہوچکا ہے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے

ایک آیت سورۃ الذاریات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ۔

تو جس طرح ان لوگوں کے ہم مشرب ہیں (یعنی پہلی امتوں) کے (لئے) پیمانے (مقرر) تھے ان ظالموں کے (بھی) پیمانے (مقرر) ہیں (اور) انکو بھرنیکی دیر ہے تو ہم سے عذاب کی جلدی نہ کریں

ف

مطلب یہ ہے کہ مثلاً جس طرح ناؤ کے ڈوبنے کی ایک حد ہوتی ہے کہ یہانتک اُس میں پانی بھرا اور ڈوبی۔ اسی طرح گناہ یا وقت کے اعتبار سے ان گنہگاروں کی بھی ایک حد ہے کہ اس حد پر پہونچکر عذاب نازل ہوگا۔

دوسری آیت سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ ۔

(اے پیغمبر!) کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی اپنی شرارتوں سے، باز آجائیں تو اُن کے پچھلے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر پھر (شرارت) کریں گے تو اگلے لوگوں کی روش پڑ چکی ہے (وہ ہی انجام ان کا بھی ہونا ہے)

ف

جن صحیح الفطرت کفار نے صراط المستقیم پہچان کر دین اسلام اختیار کیا وہ خدا و رسول کی پناہ میں آگئے اُن کے حقوق سب مسلمانوں کے حقوق کے مساوی قرار پائے اور امن و امان سے زندگی بسر کریں گے۔ جن خبیث الفطرت کافروں نے نہ مان کر ویسی ہی شرارتیں کیں۔ ان کو ویسا ہی خمیازہ بھی اٹھانا پڑا۔ جیسا کہ اگلی امتیں اٹھا چکی تھیں یعنی رفتہ رفتہ سارے کے سارے ذلت و خواری کے ساتھ دار البوار کو سدھارے۔ قحط سالیوں میں مبتلا ہوئے اور غزوات اسلام تلواروں کے گھاٹ اترے۔

بعض علماء نے اس کو ایک جدا پیشینگوئی قرار دی ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی نئی اور جدا پیشینگوئی قرار نہیں پاسکتی۔ ایسی پیشینگوئیاں اوپر گذر چکی ہیں۔ انہیں میں سے اس کو کسی کے متعلق ہونا چاہیئے۔

پیشنگوئی

(۸۷)

اگر مسلمان اسلام کی مدد کریں گے تو اللہ اُنکی مدد کریگا اور اُن کو ثابت قدم رکھیگا

پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے

پہلی آیت سورہ محمدؐ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّھُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَھُمْ	مسلمانو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ (بھی) تمہاری مدد کرے گا اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہارے پاؤں جمائے رکھیگا اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں اُن کے پاؤں اکھڑ جائیں گے اور اُن کا سارا کیا دھرا، خدا گیا گذرا کر دیگا۔

دوسری آیت سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ	اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی مدد کرے گا۔

ف

تاریخ جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے کہ جب تک مسلمان، اسلام کی اشاعت و امداد میں سرگرم رہے، خدا نے بھی اُن کی کیسی کچھ مدد کی اور کیونکر غیر قوموں سے لڑنے اور جدال و قتال کرنے میں ثابت قدم رہے کہ باید و شاید۔

آیت میں اس بات کی پیشینگوئی کیگئی ہے کہ مسلماں جو لڑائی دین کے لئے کریں گے اس میں مقہور و مغلوب نہ ہوں گے اور دشمنان اسلام ان کے مقابلہ میں کبھی ٹھیر نہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اسوقت تک مسلمانوں کو کسی مذہبی جنگ میں ناکامی نہیں ہوئی۔ نتیجہ آخر ہمیشہ ان کے موافق ہوا، اور دشمنوں کو بھاگتے ہی بن پڑا۔

اصحاب رسول اور مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے غزوات شایستہ سے کتابیں بھری پڑی ہیں ان سب سے قطع نظر کرکے سلاطین ایوبیہ اور سلطان صلاح الدین رحمہ اللہ کی جنگ کروسیڈ کو دیکھو جو نصاریٰ اور اہل اسلام کے درمیان میں آخری مذہبی جنگ ہوئی ہے اور جس میں ایک سلطان کے خلاف تمام شاہان یورپ جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے جوش کا یہ عالم کہ کل دنیا کے مسیحی مسلمانوں سے لڑنے اور ان کو مٹانے کے لئے اُبلے پڑتے تھے شاہان یورپ میں سے جو بادشاہ، دولت و فوج سے مدد دینے کی قدرت نہ رکھتا تھا وہ اپنی بادشاہت سے قطع رہن و گرو رکھکر مدد دینے کے لئے تیار ہو گیا۔

پھر آخر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ کافروں اور مسیحیوں کو شکست فاش ملی، مسلمانوں کو خدائے برتر نے سرخرو، اور فتحیاب کیا اور بیت المقدس پر اسلامی جھنڈا لہرا کر رہا۔

یہ پیشینگوئی وفات رسول سے سات سو برس تک برابر پوری ہوتی گئی اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی طرح قیام قیامت تک پوری اترتی رہے گی اور دنیا، قرآن کی صداقت کا صریحی تماشا کرتی رہے گی۔

صلیبی جنگ کی تاریخ میں حال ہی میں مولوی عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی کی ایک

مفصل کتاب شائع ہوئی ہے۔

میں تو کہتا ہوں کہ یہ پیشنگوئی اس سے بھی زیادہ عام ہے یعنی ہر وہ لڑائی جو اسلام کیلئے ہو عام اس سے کہ تقریری ہو یا تحریری، زبانی جنگ ہو یا شمشیر کی، مسلمان اپنے خصم پر غالب رہیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے جو ہمیشہ ہوتی رہی اور اسوقت بھی مشاہد ہے کہ ہندوستان میں جہاں کہیں مذہبی مناظرہ یا مباحثہ، آریوں یا مسیحیوں سے ہوا، مسلمان ہی چیرہ دست رہے اور ان کے دشمنوں کو کبھی سرخروئی نصیب نہ ہوئی تھی نہ ہوئی۔

پیشنگوئی

(۸۸)

عنقریب نشانیاں دیکھکر تم خود پہچان لوگے

جیسا کہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا

(اے پیغمبر!) کہو کہ خدا کا شکر ہے کہ وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا اور (اسوقت) تم اُن کو پہچان لوگے۔

ف

پیغمبر خدا، مخالفوں کو دنیا کے عذاب سے بھی ڈراتے تھے کہ تم لوگ مسلمانوں کے

مقابلہ میں مغلوب ہو گے، لڑائیوں میں مارے جاؤ گے۔ ملک میں قحط پڑیں گے چنانچہ اس آیت میں اِن ہی باتوں کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگ میرے کہے کا یقین تو نہیں کرتے مگر جب کوئی عذاب آنازل ہوگا۔ اسوقت پہچان لوگے کہ ہاں اسی عذاب سے میں تم کو ڈراتا تھا۔

یہ نشانیاں کیا تھیں؟ وہ ہی جو کفار و مشرکین نے آنکھوں دیکھیں کہ قحط میں مبتلا ہوئے بھوکوں مرمرکر مردار گوشت کھانے پر اُتر آئے، لڑائیوں میں مغلوب ہوئے مسلمانوں کی مار کھائی ذلیل و خوار ہوئے۔ لونڈی غلام بے نجز یہ دنیا پڑا، اور آخر بہت سارے ملک عرب سے جلا وطن کرکے نکال باہر کئے گئے۔

دوسری آیت سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِيْكُمْ آيَاتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ	انسان (گویا) جلدی کا (پتلا) بنایا گیا ہے خیر (گھبراؤ) ذرا صبر کرو ہم عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھائے دیتے ہیں تو ہم سے جلدی نہ مچاؤ۔

ف

کفار ادہر عذاب کی جلدی مچاتے تھے اور اُدہر قیامت کیلئے کہ جو کچھ ہونا ہے کہیں ہو چکے اس کے جواب میں فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، عذاب جو آتا ہے وہ بھی اپنے وقت پر عنقریب آئیگا اور قیامت بھی اپنے وقت پر ہوگی۔

✤

پیشنگوئی

(۸۹)

یہود شرارت کریں گے اور مار کھائینگے

جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْءُ وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا

اگر تم نے اچھے کام کیے تو اپنے ہی لیے اچھے کام کیے اور اگر بُرے کام کیے تو بھی اپنے ہی لئے پھر جب دوسرے (فساد) کا وقت آیا تو پھر ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو اٹھا کھڑا کیا کہ (تم کو اسقدر ماریں کہ) تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جسطرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں گھسے تھے (اور اس کو لوٹا کھسوٹا تھا) اسی طرح اس میں گھسیں اور جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر اس کا ستیاناس کردیں (اب بھی) عجب نہیں تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی پہلی سی شرارتیں کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

روئے زمین پر شاید یہود سے بڑھ کر کوئی شریر قوم نہیں ہوئی اور جیسی اُن کی شرارتیں تھیں ویسی ہی اُن کو خدا کی طرف سے سزائیں بھی ملتی رہیں۔

ایک وقت تھا کہ وہ بڑی زبردست سلطنت رکھتے تھے یا اب یہ حال ہے کہ اتنی بڑی زمین پر کہیں ایچ بھر ان کی سلطنت نہیں اور جہاں ہیں بے اعتماد اور ذلیل وخوار۔

اس مقام پر یہود کو صرف دو واقعے یاد دلائے گئے ہیں۔ غالباً پہلا بخت نصر کا اور دوسرا طیطس شاہ روم کا کہ دونوں دفعہ لاکھوں یہودی قتل ہوئے اور ہیکل شریف یعنی بیت المقدس جلا کر مسمار کر دیا گیا۔ یہ تمام تفصیلی حالات کتب تواریخ اور عہد عتیق کے صحیفوں میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہیں۔

اب خدا یہود کو سمجھاتا ہے کہ اس پیغمبر آخر الزماں کے ساتھ پہلے کے سے معاملات نہ کرنا ورنہ ویسی ہی آفتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے چنانچہ یہود نے ویسی ہی شرارتیں کیں کہ پیغمبر کو جھٹلایا، ان کے دشمنوں سے سازشیں کیں، عہد شکنی پر عہد شکنی کی، دین اسلام کے مٹانے، اور پیغمبر اور اُن کے اصحاب کے برباد کرنے میں سر توڑ کوششیں کیں، تکلیف وایذا کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ پھر آخر ان ناعاقبت اندیشوں کی سزا بھی ویسی ہی پائی۔ جب ان کی شرارتیں انتہا درجہ کو پہونچ گئیں تو ناگزیر جنگ کا حکم ہوا۔

سنہ ہجری میں ذیقعدہ کے مہینہ میں جنگ بنی قریظہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت علی کو لواء اسلام دیکر روانہ کیا اور پیچھے سے خود تین ہزار مسلمانوں کا لشکر لیکر روانہ ہوئے یہود بنی قریظہ تو دلیران اسلام کی جنگ دیکھے ہوئے اور ان کا لوہا مانے ہوئے تھے۔ لشکر اسلام کی آمد کی خبر سنکر قلعہ بند ہو گئے اہل اسلام دس دن یا پندرہ دن یا پچیس دن قلعہ کا محاصرہ کئے رہے یہود پر لشکر اسلام نے دنیا تنگ کر دی آخر میں بدبختوں نے پیغمبر اسلام کے پاس پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کی طرح ہم اپنی جگہ چھوڑ

اور لڑکوں کو لیکر جلا وطن ہو جاتے ہیں، مال و اسباب سب آپکے حوالے کرتے ہیں محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ رسول اللہ صلعم نے جواب دیا کہ تم لوگوں کو سوا اس کے چارہ کار نہیں ہے کہ قلعہ کا دروازہ کھولدو اور ہمارے حکم کی تعمیل کرو مجبور ہو کر یہود اتر آئے۔ رسول اللہ صلعم نے سب کے قتل کردینے کا حکم نافذ کیا لیکن عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی الحاح وزاری سے آپنے سکوت کیا اور اسوقت قتل سے باز رہے بالآخر یہ قرار پایا کہ انہیں میں کا ایک شخص حکم بن کر جو فیصلہ کردے اس پر فریقین کاربند ہوں دونوں فریق کے اتفاق سے سعد بن معاذ حکم (پنچ) قرار پائے اور انہیں کے فیصلے کے مطابق آٹھ سو یہودی قتل کر کے خندق میں پھینکدئے گئے۔

انہیں دوزخی مقتولوں میں اسلام کے بڑے دو دشمن حی بن اخطب اور کعب بن اسد تھے اس کے علاوہ جنگ خیبر وغیرہ میں ہزاروں یہودی قتل ہوئے یہود بنی حارثہ بنی قینقاع اور بنو نضیر جلا وطن کئے گئے۔ اور جو بچ رہے وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضہ کے عہد خلافت میں سلطنت عرب سے خارج کردئے گئے۔ اپنی شرارتوں کی ان پاداشوں میں غالباً سرکش یہود کو اپنے باپ دادا کا زمانہ تو ضرور یاد آگیا ہوگا جن کی انھوں نے تقلید کی، اس کی سزا پائی۔ خدا کی پشینگوئی پوری ہوئی۔

بدخواہان اسلام، اس واقعہ کو پیغمبر اسلام روحی فداہ کی سنگدلی اور بیجا خونریزی کی دلیل میں پیش کرتے ہیں مگر افسوس کہ اس دلیل کو دعوے سے ذرا بھی لگاؤ نہیں

ا۔ یہود فطرۃً سرکش و باغی لوگ تھے۔ خیانت و عہد شکنی ان کا آبائی پیشہ رہا ہے کتنی مرتبہ انھوں نے پیغمبر اسلام علیہ السلام سے معاہدہ کئے اور وقت پڑے پر عہد شکنی کر بیٹھے۔ جنگ احزاب میں ان لوگوں نے علانیہ طور پر دشمنوں کو مدد دی

سیرت ابن ہشام ۱۲۔

آخر مسلمان کب تک صبر و تحمل سے کام لیتے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہود راہ پر آنیوالے لوگ نہیں ہیں راستی سے ماننے والے اسامی نہیں ہیں کیونکہ لات کا آدمی بات سے نہیں مانتا اور ان یہود کا وجود اسلام کے لیئے نہایت درجہ پُرخطر سا ہے پھر ان کے قلعے بھی ایسے موقع سے واقع تھے کہ جب وہ چاہتے دشمنوں کی فوج کو مدینہ میں لا اتارتے اور مسلمانوں کا تس نہس کرا دیتے کیونکہ یہود کی سازباز ہمیشہ دشمنان اسلام سے جاری رہتی تھی۔

ان وجوہ سے مسلمانوں کو ضرور ہوا کہ اپنی حفاظت کا کافی انتظام کریں اور ایسے باغی، سازشی، فتنہ جو اور غیر معتبر دشمنوں کی اچھی طرح خبر لیں تا آئندہ کوئی خرخشہ ہی باقی نہ رہے ہم نہیں سمجھتے کہ ایسی صورت میں یہود بنی قریظہ کے ساتھ مسلمانوں نے جو کچھ معاملہ کیا وہ اہل عقل اور علمائے علم سیاسات کے نزدیک غیر منصفانہ کارروائی کیونکر قرار پاسکتی ہے۔

۲۔ یہود کے قتل کا فیصلہ کوئی خداوندی فیصلہ نہ تھا نہ خود پیغمبر اسلام نے ایسا فرمان نافذ کیا بلکہ یہ فیصلہ خود اس زمانہ کے قانون کے مطابق سعد بن معاذ نے پنچ بنکر کیا تھا جن کو مسلمانوں اور یہودیوں، دونوں فریق نے پنچ تسلیم کیا تھا اور جو کچھ وہ فیصلہ کریں اس پر دونوں نے رضامندی سے کاربند ہونے کا اقرار کیا تھا۔

یہ سعد بن معاذ اپنے پہلے یہودیوں کے طرفدار تھے یہود کو ان پر بہت اعتبار اور بھروسا تھا۔ اور اسی بھروسے پر ان کو انھوں نے پنچ مانا۔ پس فریقین کے مسلمہ پنچ نے جو فیصلہ کیا وہ کبھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا نہ کسی سمجھدار کو لایق ہے کہ غایت تعصب سے اندھا بنکر منصف کو ظالم قرار دے حلیم کو سنگدل بنا دے اور عین انصاف کو ظلم وقساوت سے تعبیر کرے۔

۳۔ ملکی و وقتی قانون نظر انداز کرنیکے لایق چیز نہیں ہے تمام سیاسات

واصلاحات کا مدار انہیں اور ایسی ہی باتوں پر ہے۔

ہندوستان میں سلطنت برطانیہ کا "مارشل لا" کونسا منصفانہ قانون ہو حالانکہ اپنے وقت پر وہی عین اصلاح رہا۔ اور اسی پر مصالح ملکی و انتظام وسیاست کی عمدہ بنیاد قایم ہوئی۔

تاریخ غدر سے جو نفوس واقف نہیں ہیں وہ اُن بادشاہی کارروائیوں کو ضرور ظلم وقساوت کہدیں گے جو سرکار برطانیہ اعظم کی طرف سے ہندوستانی رعایا پر واقع ہوئیں۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ہر ملکے وہر رسمے۔ امور مملکتِ خویش خسرواں دانند۔

معترض سزا کو تو سخت اور ظلم آسانی سے کہدیتا ہے مگر وہ یہ نہیں دیکھتا کہ وہ جرم کس درجہ کا ہے جس کی پاداش میں ایسی سخت سزا تجویز ہوئی۔ دیکھنے کی یہی بات ہے اور اسی پر حق وناحق اور ظلم وانصاف کا فیصلہ منحصر ہے۔

پیشنگوئی

(۹۰)

ریل۔ بائسکل۔ موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ کی

جیساکہ سورۂ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ اور اسی (اللہ) نے چارپایوں کو پیدا کیا

فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ۔

جن (کی کھالوں اور اُون) میں تم لوگوں کی جڑاول ہے اور فائدے ہیں اور اُن میں سے تم (بعض کو) کھاتے ہو اور جب شام کیوقت گھر واپس لاتے ہو اور جب صبح کو چرانے لیجاتے ہو تو اُن کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے اور جن شہروں تک تم بے جانکاہی نہیں پہنچ سکتے وہاں تک چارپائے تمہارے بوجھ اٹھا کر لیجاتے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار (تم پر) بڑی شفقت رکھتا اور مہربان ہے اور اسی نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور (وہ) زینت ہیں اور وہی اللہ ان کے علاوہ اور بھی (سواریاں) پیدا کرے گا۔ جن کو تم نہیں جانتے۔

ف

پہلے تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ چارپایوں کو تمہارے فائدے کیواسطے پیدا کیا گیا کہ بعض کے چمڑے اور اُون سے فائدہ اٹھاتے ہو بعض کا گوشت کھاتے ہو بعض کو بوجھ لادنے کے کام میں لاتے ہو پھر ان چوپایوں میں سے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو خاص طور پر بیان کرکے فرمایا کہ تم ان پر سوار ہوتے ہو اس کے بعد فرمایا کہ ان چوپایوں اور سواریوں کے علاوہ ہم اور بھی (سواریاں) پیدا کریں گے جن کا تمہیں اسوقت علم نہیں ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جانور اور چارپائے جو پہلے تھے وہ ہی اب بھی ہیں ان میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی ہے بعض بعض قسم جو دو باہم جنسوں کے نر و مادہ کو ملا کر نکالی گئی ہے وہ کوئی نئی مخلوق جداگانہ شمار نہیں ہو سکتی جس پر خلق کا اطلاق ہو سکے بلکہ وہ بھی انہیں معلوم قسموں میں سے ہے۔

بعض بعض جانور ایسے بھی ہیں جو اب امریکا اور افریقہ کے جنگلوں میں نئے دریافت ہوئے ہیں وہ بھی اس سے مراد نہیں ہو سکتے نہ وہ نئے مخلوق کہے جا سکتے اس لئے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر بوجھ لادا جا سکے یا ان پر سواری کیجا سکے حالانکہ آیت میں ایسے ہی کام آنیوالے حیوانات کا ذکر ہے پھر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ آئندہ ہم ان کے علاوہ ایسی اور سواریاں پیدا کریں گے جن کا تمہیں اب علم نہیں ہے۔ ریل۔ بائسکل۔ موٹر۔ ہوائی جہاز وغیرہ سواریوں کی پیشینگوئی ہے۔ بھلا آج سے تیرہ سو برس پہلے کس کے وہم و گمان میں یہ بات تھی کہ اتنی مدت کے بعد مغربی دنیا والے ریل، موٹر۔ اور ہوائی جہاز جیسی سواریاں ایجاد کر کے اہل عالم پر احسان کریں گے۔

آیت کریمہ کے الفاظ تحمل اثقالکم اور لترکبوھا اور یخلق مالا تعلمون پر غور کیا جائے تو ادنیٰ تامل سے ریل وغیرہ کی پیشینگوئی صاف مستنبط ہوتی ہے کیونکہ اس پر سوار بھی ہوتے ہیں بوجھ بھی لاد کر لاتے اور لیجاتے ہیں اور چوپایوں کے سے اور بھی بہت سے کام نکالتے ہیں۔

پھر کیا ان سواریوں پر یہ پیشینگوئی صادق نہیں آتی؟ کیا یہ سواریاں نئی مخلوق اور نو پید نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں اور بلا شبہ یہ آیت کریمہ ریل وغیرہ جیسی سواریوں کے بارے میں ہی بطور پیشینگوئی کے نازل ہوئی ہے اور کون کہسکتا ہے کہ ان کی ایجاد سے پہلے کوئی فرد بشر ان سے واقف تھا۔

ان سواریوں کے علاوہ قیام قیامت تک جتنی سواریاں ایجاد ہوں گی یہ پیشنگوئی ان سب کو شامل ہے۔

پیشنگوئی

(۹۱)

نصاریٰ اور مسلمان یہود پر قیامت تک غالب رہیں گے

جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

اسی زمانہ میں اللہ نے عیسیٰ سے فرمایا کہ اے عیسیٰ! دنیا میں تمہارے رہنے کی مدت پوری کرکے ہم تم کو اپنی طرف اٹھالیں گے اور کافروں (کی گندی صحبت کی گندگی) سے تم کو پاک کریں گے اور جن لوگوں نے تمہاری پیروی کی ہے ان کو روز قیامت تک (تمہارے منکروں (یعنی یہود) پر غالب رکھیں گے۔

ف

یہود حضرت موسیٰ کو مانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی نبوت سے انکار کرتے ہیں
نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل ہیں۔ اور حضرت موسیٰ کو بھی (نبی) مانتے
ہیں۔ مگر حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور مسلمان
ہیں کہ ان سب کو نبی تسلیم کرتے اور تمام صحائف اور کتب قدیمہ کو کلام الٰہی
جانتے اور سب پر ایمان رکھنے کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

اس آیت میں یہ پیشنگوئی فرمائی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ماننے والے
ہمیشہ ان لوگوں پر غالب رہیں گے۔ جو ان کو نہیں مانتے تو اس پیشنگوئی سے
نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں کا قیامت تک یہود پر غالب رہنا ثابت ہوا
کیونکہ یہ دونوں حضرت عیسیٰ کو مانتے اور اُن کی پیروی کرنیوالے ہیں۔

اگر فوق الذین کفروا سے یہود کو مراد لیں جیساکہ آیت کے سیاق وسباق
اور بیان کے اول وآخر سے صاف ظاہر ہے تو پیشنگوئی کی تصدیق پر ہر موافق
ومخالف مجبور ہے اور اسوقت مشاہد ہے۔ عہد رسالت سے اسوقت تک
نصاریٰ واہل اسلام دونوں یہود پر غالب ہیں اور ہر طرح ان کو یہود پر غلبہ
وشوکت حاصل ہے۔

اگر الذین کفروا سے عام کفّار کو مراد لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ نصاریٰ
اور اہل اسلام دونوں فرقے کفّار پر قیامت تک غالب رہیں گے اور اس
صورت میں بھی پیشنگوئی کا صحیح اترنا ثابت ومشاہد ہے۔ کیونکہ مسیحیت اور
اسلام ہی دو مذہب ایسے ہیں جو اپنی ظاہری شوکت وعظمت اور قوت دلیل
وحجت سے تمام دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور باقی کل مذاہب کو انہوں نے مغلوب
ومقہور کرلیا ہے بلکہ رفتہ رفتہ اپنے میں جذب کرتے جاتے ہیں

یہ ایک ایسی کھلی ہوئی زبردست پیشنگوئی ہے جس سے بڑھ کر کوئی زبردست

پیشینگوئی ہو نہیں سکتی۔

انصاف پسند عیسائیوں کو قرآن کا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ یہود، حضرت عیسیٰؑ کو نعوذ باللہ، حرامی، ولدالزنا، اور ان کی ماں جناب مریم علیہا السلام کو زانیہ کہتے تھے جن کا شافی جواب دینے سے ہمیشہ مسیحی لوگ عاجز رہے یہاں تک کہ قرآن نے نازل ہو کر یہود کی تکذیب کی اور ان ماں بیٹے کی تقدیس و پاکی اس مدلل طریقہ پر بیان فرمائی کہ یہود سے سوائے خاموش رہنے کے کچھ نہ بن پڑا، اور عیسیٰ بن مریم ماں بیٹے کی پاکی و قدسیت تمام عالم پر اچھی طرح روشن ہو گئی اور مسیحیوں کی جان میں جان آئی۔ پس مقتضائے انصاف تو یہ ہے کہ مسیحی دنیا اپنے عقائد باطلہ سے باز آ کر اسلام کے سامنے سر اطاعت خم کرے کہ یہی دین، دین اصلی ہے اور یہی وہ ملت حنفی ہے جس کی تعلیم شروع سے ہوتی رہی اور تمام انبیا علیہم السلام اسی کی اشاعت میں سرگرم و مامور ہوتے رہے اور اسلام کے سوا کوئی مذہب مکمل ہونیکا دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کسی مذہب میں خالص توحید کا نشان پایا جاتا۔

پیشنگوئی

(۹۲)

یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے (قبول اسلام سے) انکار کیا ہے ان کے حق میں یکساں ہے کہ تم ان کو (عذاب الہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔

ف

لغت میں کفر کے معنی ہیں "چھپانا" اسی مناسبت سے اندھیری رات کو کافر کہتے ہیں کہ رات کی تاریکی چیزوں کو نظر سے پوشیدہ کر دیتی ہے۔ کسان۔ اکاشتکار کو بھی اسی لئے کافر کہتے ہیں کہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے اور اسلام کے منکر کو اس لئے کافر کہتے ہیں کہ وہ امرحق کو چھپاتا ہے اور اس پر ایمان نہیں لاتا۔

کفر کی چار قسمیں ہیں۔

پہلی قسم

کفر انکاری ہے کہ اللہ کو مطلقاً پہچانتا ہی نہ ہو مثلاً فرعون وامثالہ۔

دوسری قسم

کفر جحودی کہ دل سے اللہ کو جانتا ہو مگر زبان سے اقرار نہ کرے جیسے کفر ابلیس۔

تیسری قسم

کفر عنادی کہ دل سے بھی اللہ کو پہچانتا ہو۔ زبان سے بھی اقراری ہو لیکن بوجہ عناد یا دنیاوی نعمت کے زوال کے خوف وغیرہ سے دائرہ اسلام میں آنا قبول نہ کرے جیسے

ابو طالب اور امیہ بن الصلت۔

چوتھی قسم

کفر نفاق کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل میں اس کی صحت کا معتقد نہ ہو۔

اس بارہ میں بین العلماء اختلاف ہے کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی ہے حضرت ابن عباسؓ اور کلبی سے روایت کی گئی ہے کہ یہ آیت روسائے یہود مثلاً حی بن اخطب اور جدی بن اخطب وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

ربیع بن انسؓ کا مقولہ ہے کہ آیت میں کفار سے احزاب والے مراد ہیں کہ ان میں سے سوائے ابو سفیان اور ابن ابی العاص کے کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔

مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ آیت کریمہ مشرکین مکہ مثلاً عتبہ، ابوجہل، شیبہ، ولید اور ابولہب وغیرہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

واقعات کے لحاظ سے پہلا مذہب صحیح اور قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ سورۃ بتمامہا مدنی ہے مگر بہر کیف جونسا مذہب بھی لیا جائے قرآن کی پیشنگوئی ہر حالت میں پوری ہوئی۔

پیشنگوئی

(۹۳)

کفار مکر کرنیوالے ہیں اور خود دھوکا کھائینگے

جیسا کہ سورۃ الطور میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ
بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ قُلْ تَرَبَّصُوا
فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ
أَمْ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ
بِهَٰذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ
طَاغُونَ أَمْ يَقُولُونَ
تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ
فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ
إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ
أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ
أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ۔
أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ
أَمْ عِنْدَهُمْ
خَزَائِنُ رَبِّكَ
أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ
أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ
يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَأْتِ
مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَانٍ
مُبِينٍ۔

کیا یہ لوگ (تمہاری نسبت) کہتے ہیں کہ (یہ)
شاعر ہے (اور) ہم اس کے بارہ میں زمانہ
کی گردش کا انتظار کر رہے ہیں (تم ان سے)
کہو کہ تم (بھی) انتظار کرو میں بھی تمہارے
ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں
ان کو۔ باتیں سکھاتی ہیں۔ یا یہ لوگ (اپنی ذات سے)
شریر ہیں یا کہتے ہیں کہ اس (شخص) نے قرآن (خود) بنا لیا
(یہ تو ان کے اپنے منہ کی کہن ہے)
بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) یہ ایمان ہی
نہیں لانا چاہتے سو اگر (اپنے
دعوے میں) سچے ہیں تو اسی طرح کا کلام
(یہ بھی بنا کر) لے آئیں کیا یہ کسی کے
پیدا کئے (یہ آپ) ہو گئے ہیں یا یہی
(مخلوقات کے) خالق ہیں؟ یا انھوں نے
آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے
(ان کا تو کیا مقدور تھا) مگر یوں (کہو کہ
یہ لوگ خدا پر) یقین ہی نہیں لانا چاہتے
(اے پیغمبر!) کیا تمہارے پروردگار
(کی رحمت) کے خزانے ان ہی کے قبضہ
میں ہیں یا یہ (کہیں کے) حاکم ہیں؟ یا ان کے

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۔ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۔ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۔

پاس کوئی سیڑھی ہے کہ اس پر (چڑھ کر آسمان کی باتیں) سُن آیا کرتے ہیں سو اگر ان میں سے کوئی (آسمان کی باتیں) سُن آیا کرتا ہے تو وہ کوئی (صاف و) صریح سند پیش کرے کیا خدا کیلئے بیٹیاں اور تم لوگوں کیلئے بیٹے؟ یا (اے پیغمبر!) تم ان سے (تبلیغ رسالت کی) مزدوری طلب کرتے ہو کہ یہ (اس چٹی) کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں یا ان کے پاس (علم) غیب ہے ۔ (کہ ان سے کہا جاتا ہے) تو یہ (اس کو بے کم و کاست) لکھ دیں یا انکا ارادہ کچھ دھوکا دینے کا ہے تو (یہ) کافر آپ ہی دھوکے میں ہیں یا خدا کے سوا انکا کوئی (اور) معبود ہے؟ (تو) اللہ کی ذات ان کے شرک سے پاک ہے۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیشنگوئی فرمائی کہ کفار مکہ پیغمبر کے ساتھ مکر کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ آپ دھوکے میں ہیں اور انہیں کو ذلیل ہونا ہے۔

یہ آیت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعد کو یہ واقعہ پیش آیا کہ رؤسائے قریش نے دار الندوہ میں پوشیدہ طور پر جمع ہو کر پیغمبر کے قتل کرنیکی سازش کی اور یہ طے پایا کہ ہر ہر قبیلہ کا ایک آدمی آمادہ ہو اور یہ چند آدمی ملکر مکان میں رات کے وقت گھس پڑیں اور سب ملکر کام تمام کر دیں اس صورت میں اگر بنو ہاشم قصاص بھی لینا چاہیں گے تو نہ لے سکینگے

کیونکہ ایک شخص کے قصاص میں چند آدمی قتل نہیں کئے جا سکتے لامحالہ وہ دیت لینے پر مجبور ہوں گے اور دیت کی رقم سب لوگ چندہ سے بسہولت ادا کر دیں گے۔

ادہر یہ مشورہ ہو رہا تھا اُدہر وحی کے ذریعہ سے پیغمبر کو اس مشورہ بازی کی اطلاع ہو گئی۔ اور آپ خدا کے حکم سے جاسوسوں کے ہوتے ہوئے مکان سے باہر نکلے اور خفیہ پولیس کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ابوبکر رض کے مکان پر آئے اور آپ کو ساتھ لئے ہوئے مدینہ کیطرف چل کھڑے ہوئے۔

کفار کی ساری مشورہ بازی طاق پر رہ گئی۔ ان کی ساری سازشیں خاک میں مل گئیں پیغمبر خدا صحیح و سلامت مدینہ منورہ پہونچے اور پھر اپنی قوت بہم پہونچا کر کافروں کے چھکے چھڑا دیئے یہانتک کہ جنگ بدر وغیرہ میں سب کی قوت مجتمعہ کا خاتمہ ہو گیا۔ آیت میں فقط اس امر کی پیشینگوئی اور پیغمبر کو اطلاع دی گئی ہے کہ کفار مکہ تمہارے ساتھ مکاری کرنے اور تمہارے قتل کرنیکی سازش کریں گے مگر آخر خود برباد ہوں گے۔ چنانچہ ہو بہو ایسا ہی ہوا۔

لطیفہ

ان آیات میں اَمْ کا لفظ پندرہ بار مسلسل آیا ہے اور جنگ بدر[۲] سنہ ۲ ہجری میں واقع ہوئی ہے۔ جو نبوت کا پندرھواں سال ہے اور اسی پہلی جنگ میں مسلمانوں نے اپنے مذہبی دشمنوں سے پورا بدلا لے لیا۔

کفار کی سازش اور پیغمبر کی ہجرت کا واقعہ ہم گذشتہ صفحات میں کہیں لکھ آئے ہیں اور آیندہ انشاءاللہ تعالیٰ اور تفصیل و صراحت سے بھی لکھیں گے۔

---

[۲] تاریخ ابن اثیر ۱۲ [۲] ابن اثیر و مدارج ۱۲

پیشگوئی

(۴۹)

عرب میں فتنۂ شرک نہ رہے گا

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔

وہاں تک ان (کافروں) سے لڑو کہ (ملک میں) فساد شرک (باقی) نہ رہے اور (ایک) خدا (ہی) کا حکم چلے پھر اگر (فساد سے) باز آجائیں تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ زیادتی تو ظالموں کے سوا کسی پر (جائز ہی) نہیں ہے۔

ف

معترض کہتا ہے کہ کسی قوم کا اتنا قتال کرنا کہ دنیا سے کفر و شرک نیست و نابود ہو جائے محال عقلی ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ آیت میں خطاب پیغمبر اور اصحاب پیغمبر سے ہے اور ان کے قتال نے فتنۂ کفر و شرک کو ہرگز دنیا سے معدوم نہیں کیا۔

پہلا جواب

آیت کا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ واقعی تم اتنی سخت جنگ کرتے جاؤ کہ دنیا کو

فتنہ کفر نیست و نابود ہو جائے کیونکہ یہ ایک ایسی بات ہے جو ایک نادان سے نادان بھی سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے انتہائی کوششیں کفر و الحاد کو معدوم نہیں کر سکتیں اور قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر وارد ہے کہ کفر و شرک قیامت تک باقی رہنے والی چیزیں ہیں مطلب یہ ہے کہ علی الاغلب کفر و شرک مفقود ہو جائے۔

دوسرا جواب

مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم یہ ارادہ کر کے جنگ کرتے رہو کہ شر باقی نہ رہے عام اس سے کہ تمہاری یہ کوشش کفر و شرک کو قطعاً مٹا سکے یا نہ مٹا سکے۔

تیسرا جواب

آیت میں کہیں اس امر کا اشارہ نہیں ہے کہ تم اپنے قتال سے دنیا جہان کے کفر و شرک کو مٹا دو۔ کوئی قوم کتنی ہی زبردست ہو پھر بھی تمام کرۂ عالم سے دوسرے مذاہب کا قلع قمع نہیں کر سکتی اور یہ امر عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔

ہمارے نزدیک ملک عرب سے کفر و شرک کا مٹانا مقصود ہے کیونکہ اسلام اور پیغمبر اسلام اور اہل اسلام کیلئے عرب ہی کے لوگ باعث فتنہ و فساد تھے اور وہی پیغمبر اسلام کو فتنہ میں ڈالے ہوئے اور اہل اسلام کو ایذائیں پہونچاتے تھے اسی لئے انہیں کے استیصال کا حکم دیا گیا گویا حکم کے پیرایہ میں بالمعنی یہ پیشینگوئی کی گئی کہ عرب میں فتنۂ کفر نہ رہے گا حالانکہ جس وقت مدینہ میں یہ سورۃ نازل ہوئی مسلمان کمزور حالت میں تھے اور ابھی اتنا نہیں سدھرنے پائے تھے۔ کہ تمام ملک عرب کا استیصال کر سکتے اور ان کی قوت سے ملک پھر شرک کی گندگی سے پاک صاف ہو جاتا بایں ہمہ اللہ تعالیٰ کی پیشینگوئی پوری ہو گئی اور تمام ملک عرب کفار و مشرکین سے خالی ہو گیا اور

ملک بھر میں کہیں فتنۂ کفر و شرک باقی نہ رہا۔ جیسا کہ اسوقت بھی مشاہدہ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک ایسا ہی مشاہدہ ہوتا رہے گا۔

پیشگوئی

(۹۵)

یہود و نصاریٰ میں سے کوئی ایک دوسری کے قبلہ کی پیروی نہ کرے گا

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا بَعْضُهُم بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ۔	اور ان (یہود و نصاریٰ) میں کا کوئی (فریق) بھی دوسرے (فریق) کے قبلہ کی پیروی کرنیوالا نہیں۔

ف

مطلب یہ ہے کہ نہ تو نصاریٰ یہود کا مذہب قبول کر کے ان کے قبلہ (بیت المقدس) کی پیروی کریں گے نہ یہود، عیسائیوں کا مذہب مان کر اُن کے قبلہ (سمت مشرق) کی پیروی کرنیوالے ہیں اور ایسا ہی ہوا کہ اسوقت کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے نہ تو کوئی عیسائی یہود کے مذہب میں داخل ہوا نہ کسی یہود نے مسیحی مذہب قبول کیا

بلکہ یہ پیشنگوئی جیسا کہ تواریخ سے ثابت ہے عہد رسالت سے الی الآن اسی طرح پوری ہوتی رہی ہے
یہود کو تو مسیحیوں پر کبھی ایسا غلبہ حاصل نہیں ہوا جو اُن کو زبردستی اپنے مذہب میں شامل
کرنیکی جرأت کرتے البتہ عیسائیوں کو ایسے موقعے ہمیشہ ملتے رہے اور وہ ہمیشہ جہاں تک
بن پڑا یہودیوں کو زبردستی عیسائی بناتے رہے۔

مگر اس زور و ظلم کی سند نہیں۔ خوشی دل سے تو آجتک نہ کوئی یہودی عیسائی ہوا نہ کسی
مسیحی نے یہودی بننا قبول کیا۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مذہبی دشمن اور خون کا
پیاسا رہا یہ ایک سچی اور زبردست پیشنگوئی ہے جو ہر زمانہ میں پوری ہوتے دیکھی گئی
اور اسوقت بھی اسکی صداقت انصاف پسند اہل عالم کو متحیر کئے بغیر نہیں رہتی۔

پیشنگوئی

(۹۶)

خلفاء راشدین اسلام کی اشاعت کریں گے

جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

(یہ مہاجرین وہ مظلوم لوگ ہیں) جو صرف اتنی بات کے کہنے پر کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے ناحق اپنے گھروں سے نکالدئے گئے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو نصاریٰ کے گرجے

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا وَلَيَنصُرَنَّ اللّٰهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

اور صومعے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے اور جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ (بھی) ضرور اس کی مدد کرے گا۔ کچھ شک و شبہ نہیں کہ اللہ زبردست (اور سب پر) غالب ہے یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے مسلمان ہیں تو مظلوم لیکن) اگر (حاکم وقت بنا کر) ہم زمین پر ان کے پاؤں جما دیں تو وہ نماز پڑھیں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور (لوگوں کو) اچھے کام کے لئے حکم دیں گے اور بُرے کاموں سے منع کریں گے اور سب چیزوں کا انجام کار تو خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

ف

آیت کریمہ میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اصحاب کی تعریف و توصیف ہے جو محض اسلام لانے کے جرم میں اپنے وطن مکہ سے نکالے گئے جنہیں اصطلاح اسلام میں مہاجرین کہتے ہیں پھر ان مہاجرین کی نسبت یہ پیشینگوئی فرمائی کہ اگرچہ یہ مظلوم و غریب لوگ ہیں لیکن اگر ان کو حاکم بنا دیا جائے اور ان کے پاؤں جما دئے جائیں تو وہ اسلام کی اشاعت میں بہت اچھے اچھے کام کریں گے خود نماز پڑھیں گے زکات دیں گے اور دوسروں کو بھلا کام کرنے کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے

یہ پیشینگوئی کھلے بند پوری ہوئی۔ کہ انہیں محترم مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق اکبرؓ عمر فاروق اعظمؓ عثمان ذی النورینؓ اور علی مرتضیٰؓ چار نفوس مطہرہ ایک کے بعد ایک رسول اللہ کے جانشین ہوئے۔ خدا کی زمین اور ظاہری سلطنت کے مالک بنے مسلمانوں کے امام و سلطان ہوئے۔ اور انہیں کے عہدوں میں اسلام جیسا کچھ پھلا پھولا وہ تاریخ جاننے والوں پر اگرچہ مخفی نہیں ہے تاہم ان خلفائے راشدین کے مبارک عہدوں میں جو ممالک زیر نگین اسلام آئے ہم اُن کی مختصر فہرست گذشتہ صفحات میں دے چکے ہیں۔

نکتہ

یہاں ایک مذہبی نکتہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان مہاجرین کو حاکم بنا کر اگر ہم ان کے پاؤں جما دیں تو وہ نماز پڑھیں گے زکات دیں گے دوسروں کو بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے تو مہاجرین میں سے جو نفوس زمین کے مالک و حاکم بنے وہ ہی اِن صفات کے مصداق ہوئے پس اس آیت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ کے بعد چاروں خلفاء (خلفائے راشدین) امام برحق تھے۔ وہ نماز پڑھنے والے تھے زکات دینے والے تھے بھلائی کا حکم کرنے والے تھے۔ برائی سے روکنے والے تھے یعنی خود بھی شریعت کے پابند تھے۔ دوسروں کو بھی پابند شریعت کرنیوالے تھے اور بلاشک ایسے ہی نفوس کا نام خلیفہ برحق اور امام مفترض الطاعۃ ہے۔

پیشینگوئی

(۹۷)

تم اے اصحاب رسول خوف، بھوک اور مال جان اور پیداوار کی کمی کی آزمائش میں مبتلا ہو گے

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۔

اور البتہ ہم تم کو تھوڑے سے خوف سے اور بھوک سے اور مال اور جان اور پیداوار کی کمی سے آزمائیں گے اور (اے پیغمبر!) صبر کرنے والوں کو (خوشنودی خدا) اور (کشائیش) کی بشارت دو۔

ف

اس آیت میں (۵) باتوں کی پیشینگوئی کی گئی ہے۔

اول:۔ مسلمانوں کا تھوڑے سے خوف میں مبتلا ہونا۔ انسان کے دل میں جو کسی مکروہ یا محبوب چیز کا خیال پیدا ہوتا ہے وہ تین صورت سے خالی نہیں اگر وہ خیال

ایسے موجود کا ہے جو گذر چکا ہے تو اس کا نام ذکر و تذکر ہے۔ اگر ایسے موجود کا خیال ہے جو فی الحال ہے تو اس کا نام ذوق و وجدان ہے اور اگر ایسی شے کے وجود کا خیال گذرا ہے جو آیندہ ہونیوالا ہے تو اسکا نام توقع اور انتظار ہے یہ انتظار اگر محبوب چیز کا ہے کہ اسکا حاصل ہونا موجب راحت و دلچسپی ہے تو اسکا نام اشتیاق ہے اور اگر مکروہ چیز کا انتظار ہے جسکی خیال حصول سے طبیعت کو تکلیف ہوتی ہے تو یہی **خوف** ہے

ابتلائے خوف کی پیشینگوئی جنگ حنین اور جنگ احزاب میں پوری ہوئی غزوہ احزاب میں کفار کے تمام قبائل مسلمانوں کی بیخکنی پر متفق ہو کر امنڈ پڑے تھے اور اس جنگ میں اگرچہ مسلمانوں کو نمایاں فتح اور کافروں کو شکست فاش ملی لیکن شروع شروع میں کفار کی کثرت ان کی قوت و جمعیت اور اپنی قلت دیکھکر اہل اسلام کے دلوں پر خوف چھا گیا تھا چنانچہ مسلمانوں کی اسی حالت کو اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب میں یوں بیان فرماتا ہے۔

اِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

جس وقت کہ (دشمن) تم پر تمہارے اوپر کی طرف سے بھی اترے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی (چڑھے) اور (مارے خوف کے تمہاری) (آنکھیں) پھری (کی پھری) رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہوں کو آگئے تھے اور خدا کی نسبت تم (لوگ طرح طرح کی) گمان کرنے لگے تھے اس موقع پر مسلمانوں کے استقلال کی آزمایش کی گئی اور خوب ہی جھڑ جھڑائے گئے۔

دوسرے مسلمانوں کا بھوک کی مصیبت میں مبتلا ہونا۔

شروع شروع میں مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آگئے تو (بھوک کی)

یہ مصیبت دونوں تک ان پر سخت گذری اس کے علاوہ خود اس جنگ احزاب میں بھی اس کا وقوع ہوا۔ دشمنوں سے شہر مدینہ کو محفوظ کرنے کیلئے مدینہ کے چوطرف خندق کھودنے کا انتظام ہوا مگر اسوقت تک مسلمانوں کے پاس اتنی دولت و قوت نہ تھی جو یہ کام مزدوروں سے لیا جاتا۔ اس لئے مہاجرین و انصار اور خود رسول اللہ صلعم نے اس کام کو اپنے ہاتھوں سے کیا اور ایسا کیا کہ بھوک کی حالت میں بھی کام سے باز نہ رہے بلکہ پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کھودتے اور مٹی لیجا کر باہر پھینکتے تھے۔

اس مقام پر ہم بخاری کی ایک حدیث نقل کرنی مناسب سمجھتے ہیں۔

حدثنا عبد اللہ بن محمد حدثنا معاویۃ بن عمرو حدثنا ابو اسحاق عن حمید سمعت انساً رضی اللہ عنہ یقول خرج رسول اللہ الی الخندق فاذا المھاجرون والانصار یحفرون فی غداۃ باردۃ فلم یکن لھم عبید یعملون ذلک لھم فلما رأی ما بھم من النصب والجوع قال اللّٰھم ان العیش عیش الآخرۃ

حدیث بیان کی ہم سے عبد اللہ بن محمد نے انھوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے معاویہ بن عمرو نے انھوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابو اسحاق نے حمید سے انھوں نے کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تو مہاجرین اور انصار کو کھودتے ہوئے پایا ٹھنڈے دن میں پھر ان لوگوں کے پاس مزدور نہیں تھے جو ان کے اس کام کو کرتے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کی اس مشقت اور بھوک کو ملاحظہ فرمایا تو

* بخاری جلد ثالث ۱۲-

فاغفر للانصار والمہاجرین
فقالوا مجیبین لہ نحن الذین
بایعوا محمدا علی الجہاد ما
بقینا ابدا۔

بیتاب ہو کر فرمایا، خداوندا! اصل زندگی
آخرت کی زندگی ہے تو مہاجرین و انصار کو
بخش دے پھر آپ کے جواب میں ان
لوگوں نے عرض کیا کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے
محمدؐ سے بیعت کی ہے جہاد پر جب تک
زندہ رہیں۔

تیسرے۔ مال کی کمی ہوئی جو غریب الوطنی کے لئے لازمی چیز ہے۔ اسی
نقصان مال کی وجہ سے بیشتر مسلمانوں کو بھوک کی مصیبت برداشت کرنی پڑتی ہے۔
چوتھے۔ جانوں کا نقصان ہونا جو غزوات و کفار کی لڑائیوں میں واقع ہوا۔
پانچویں۔ پھلوں اور پیداوار کی کمی جس کو خشک سالی اور جہاد نے پورا کر دکھایا
امام شافعی کا قول ہے کہ خوف سے خوف الٰہی مراد ہے بھوک سے
رمضان کا روزہ نقصان مال سے زکات و صدقات۔ نقصان جان سے امراض
و جہاد پیداوار اور پھلوں کی کمی سے اولاد کا مرنا۔ اگرچہ یہ لگتی ہوئی سی تفسیر ہو سکتی
ہے مگر سیاق و سباق آیت سے یہ معنی متبادر نہیں ہوتے اور پھر اس صورت
میں پیشنگوئی باقی نہ رہے گی۔ ہمارے نزدیک یہ معنی محض امام کی ایک جولانی
طبع ہے اور بس۔

پیشنگوئی

(۹۸)

کفار کو مال و اولاد کچھ فائدہ نہ دینگے

جیساکہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ

جو لوگ (دین اسلام سے) منکر ہیں اللہ کے ہاں نہ تو ان کے مال ہی اُن کے کچھ کام آئیں گے اور نہ اُن کی اولاد ہی (کچھ ان کے کام آئیگی) اور یہی ہیں (جو) دوزخ کے ایندھن ہوں گے (ان کی بھی وہی) فرعون والوں اور اُن سے پہلے لوگوں کی سی گت (ہونی ہے) کہ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو اُن کی گناہوں کی پاداش میں دھر پکڑا

ف

ایسی ہی ایک آیت اس سورہ کے آخر میں اور ایک آیت سورۃ المجادلہ میں وارد ہوئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جسطرح فرعون والے اور ان سے پہلے کے لوگ پیغمبروں کی مخالفت اور اُن سے دشمنی کرنیکی پاداش میں برباد کردئے گئے۔ اسی طرح عرب کے کفار و مشرکین بھی جو تمہاری عداوت پر تلے ہوئے ہیں اپنی ان نالایق کوششوں کا مزا چکھینگے۔ اور نیست و نابود ہوجائیں گے اور اس وقت ان کو نہ تو ان کے مال ہی آفت سے بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد ہی کچھ کام آئیگی۔

اور ایسا ہی ہوا کہ جو دشمنان اسلام اپنی سرکشی اور مخالفتِ پیغمبر سے باز نہ آئے وہ سب شمشیر اسلام سے مغلوب و مقہور ہوئے نہ اولاد کی کثرت اس آفت سے بچا سکی نہ مال و دولت نے پناہ دی کہ بلا سے دولت خرچ کرکے بچ جاتے یا مسلمانوں کو غالب نہ ہونے دیتے یا مفلس مسلمانوں کو مال و زر کا لالچ دیکر اسپنے میں ملا لیتے اور اسلام کی طاقت کو کمزور و ضعیف کر ڈالتے۔

یہ کچھ نہیں ہوا بلکہ اسلئے سب کفار کا صفایا ہو گیا۔

پیشگوئی

(۹۹)

حضرت محمد مصطفےٰ کی منکروں کو عذاب سخت ہوگا

پہلی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُہُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَہُمْ مِّنْ نَّاصِرِیْنَ	تو (اے پیغمبر!) جنہوں نے (تمہاری نبوت سے) انکار کیا ان کو تو دنیا اور آخرت (دونوں) میں بڑی سخت مار دیں گے۔ اور کوئی اُن کا (حامی و) مددگار نہ ہوگا۔

دوسری آیت سورہ حٰمٓ السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا وَّلَنَجْزِیَنَّہُمْ	تو جو لوگ (دین اسلام سے) منکر ہیں ہم ان کو ضرور عذاب سخت (کا مزا) چکھا کر

اَسْوَءَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

رہیں گے اور ضرور ان کے (ان) بدترین اعمال کا بدلہ دیں گے۔

تیسری آیت سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔

جو لوگ روز آخرت کا یقین نہیں رکھتے ہم اُن کے اعمال ان کو عمدہ کر دکھائی ہیں تو یہ لوگ بھٹکے بھٹکے پھرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو بُری طرح کا عذاب ہونا ہے اور یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں رہیں گے

چوتھی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔

اور (اے پیغمبر!) کافروں کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو۔

پانچویں آیت سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ

جیسی جیسی افترا پردازیاں یہ لوگ کرتے ہیں عنقریب خدا ان کو ان کی سزا دے گا۔

چھٹویں آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ۔

جو لوگ ہماری آیتوں سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں ہم عنقریب اُن کی کنارہ کشی کے بدلے اُن کو بُری مار کی سزا دیں گے۔

ف

کمال عذاب یہ ہے کہ انسان جن جن چیزوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ سب اس سے چھن جائیں اور اوپر سے مزید اسباب فکر و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ یہی حال دشمنان اسلام کا ہوا کہ پہلے تو منادیٔ اسلام نے ان کے بازار کفر و الحاد کو سرد کرنا شروع کیا جس کی انہیں سب سے زیادہ فکر لاحق ہوگئی اور اس فکر نے ان کے تمام عیش و آرام کو ان پر تلخ کر دیا پھر جب اہل اسلام اُن کے مظالم سے تنگ آ گئے۔ اور بہ و بازو سنبھال کر کلہ بہ کلہ تیغ و سنان سے جواب دینا شروع کیا تو ان پر ایک بڑی مصیبت پڑ گئی یہانتک کہ لڑائیوں میں ہزارہا سرداران کفر تلوار کے گھاٹ اُتر گئے اور بہت سے سخت ترین دشمنان پیغمبر کی اولاد نے صدق دل سے اسلام قبول کر لیا تو جو موذی بچ رہے وہ یا تو اسیر و قیدی بنے یا بُری حالت سے زندگی کاٹنے لگے۔ مال و دولت الگ کھویا، عزیز و اقارب جدا مارے گئے یا مسلمان ہو کر اپنے سے چھوٹ گئے اور اس پر طرہ یہ کہ زندہ رہ کر اسلام کی روز افزوں ترقی کو انہیں آنکھوں سے چار ناچار دیکھنا پڑتا تھا جو ان دشمنوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت تھی۔

دنیا کے یہی سب عذاب سخت ہیں جن کی آیات مذکورہ میں پیشنگوئی کی گئی اور وہ صحیح اُتری۔

پیشنگوئی

(۱۰۰)

کفار کی چندروزہ چلت پھرت سے تنگدل نہ ہو

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورہ آلِ عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔

(اے پیغمبر!) شہروں میں کافروں کا چلنا پھرنا تم کو (کسی طرح کے) مغالطہ میں نہ ڈالے (یہ) تھوڑے سے (چندروزہ) فائدہ ہیں پھر (آخر کار) ان (کافروں) کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ (بہت ہی) بُری جگہ ہے۔

دوسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا۔

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر (کے پھیلانے) میں دوڑے (دوڑے) پھرتے ہیں تم ان لوگوں کی وجہ سے آزردہ خاطر نہ ہونا (کیونکہ) یہ لوگ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔

ف

ابتدائی اسلام میں کفار خصوصاً مشرکین اور یہود بڑے دولتمند تھے اور وہ صرف مسلمانوں کو چڑانے اور دکھانے کی غرض سے بہت اکڑ کر چلتے اور بات بات پر دولت و تمکنت کا اظہار کرتے تھے کیونکہ ملک کی ساری تجارت وحرفت وغیرہ انہیں کے ہاتھوں میں تھی۔

دیکھتے دیکھتے آخر بمقتضائے بشریت بعض مسلمانوں کو خیال پیدا ہوا اور وہ کہنے لگے کہ خدا تو کفر سے راضی نہیں پھر یہ کیا بات ہے کہ ہمارے دشمن تو اتنی راحت اور عیش وعشرت میں بسر کر رہے ہیں اور ہم پر فقر وفاقہ کا دور دورہ ہے۔ عہ

اس کے جواب میں ان مسلمانوں کی تشفی کی گئی کہ تم کفار کے اس جاہ وحشمت سے آزردہ خاطر نہ ہو، یہ ساری عیش وعشرت چند روزہ ہے اور مرنے کے بعد وہ بہت برے پھنسینگے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بہت دن نہیں گزرنے پائے تھے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالےٰ نے قوت وجمعیت بخشی اور کافروں کے برے دن آگئے ان کی کل دولت یا تو جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئی یا سامان جنگ وغیرہ میں صرف ہوگئی۔ عہ

پیشینگوئی

(۱۰۱)

جو اللہ کیلئے وطن چھوڑیگا وہ وافر جگہ اور کشایش رزق پائے گا

عہ ابن کثیر ۱۲ عہ سیرت ابن ہشام ۱۲

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً

اور جو شخص خدا کی راہ میں (یعنی خدا کے لیے) اپنا وطن چھوڑ دے گا تو (روئے) زمین میں اس کو رہنے سہنے کیلئے وافر جگہ اور (ہر طرح کی) کشایش ملیگی۔

ف

پہلے تو مسلمانوں پر باوجود فراخی کے دنیا تنگ تھی یہاں تک کہ دشمنان اسلام کے حد سے گذرے ہوئے مظالم کی تاب نہ لاکر بہت سے مسلمانوں نے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رفاقت میں مکہ کی سرزمین کو خیرباد کہکر مدینہ کی راہ لی اور اس ہجرت میں تمام موجودہ صحابہ نے آپ کا ساتھ دیا اور انہیں بزرگوں کو دربار احدیت سے مہاجرین کا قابل فخر خطاب عنایت ہوا۔

اس آیت میں قرآن نے یہ پیشینگوئی کی کہ جو مسلمان خدا کے لئے اپنا وطن (مکہ) چھوڑے گا وہ رہنے کے لئے وافر جگہ پائے گا اور اس کو ہر طرح کی کشایش نصیب ہوگی۔

جن مہاجرین نے خدا کے لئے اور اس کے رسول کی خوشنودی کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور مکہ سے مدینہ میں آ بسے انھوں نے اگرچہ تھوڑے دنوں عسرت اور غریب الوطنی میں کاٹے لیکن یہ مصیبت زیادہ دن نہ رہی اور قرآن کی پیشینگوئی پوری ہوگئی۔ آخر انہیں مہاجرین نے اپنے دشمنوں کو نیچا دکھایا مکہ بلکہ تمام جزیرۂ عرب کو فتح کرلیا۔ ان پر کشایش رزق ونعمت کا دروازہ کھل گیا اور خدا کی زمین پر انہیں خدا کے بندوں کا راج ہوگیا۔

پیشگوئی

(۱۰۲)

مہاجرین کو ہم نہروں والے باغوں میں داخل کریں گے

جیسا کہ سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَاتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ

تو جن لوگوں نے ہمارے لئے (اپنے) دیس چھوڑے اور (ہماری ہی وجہ سے) اپنے گھروں سے نکالے اور ستائے گئے۔ اور لڑے اور مارے گئے ہم ان کی خطاؤں کو ان سے ضرور محو کردیں گے اور ان کو (ایسے باغوں میں دلیجا) داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں (دوڑ رہی) بہ رہی ہوں گی اللہ کے ہاں سے (یہ ان کے کئے کا) بدلہ (ہے) اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

ف

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن (مہاجرین) مسلمانوں نے مجبور ہو کر اپنے وطن

(مکہ) سے ہجرت کی جو اللہ پر ایماں لانیکی پاداش میں اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ جن کو اللہ کی رضامندی ڈھونڈنے کے عوض میں ستایا گیا۔ اور جنھوں نے چارہ کار نپاکر دشمنان اسلام سے قتال کیا اور جو اس قتال میں مارے گئے ہم ان کے گناہوں کو محو کردیں گے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہوں گی۔

جن مہاجرین کی یہ صفتیں بیان فرمائی گئیں ہیں ان کی دو قسمیں ہیں - ایک وہ جنہوں نے دشمنان اسلام سے قتال کیا اور زندہ رہے۔ دوسرے وہ جنہوں نے قتال کیا اور شہید ہوئے اللہ تعالیٰ ان دونوں قسموں کے مسلمانوں کو گناہوں کے معاف کرنے اور باغوں میں داخل کرنیکی بشارت دیتا ہے گناہوں کی معافی کا تو یہ مطلب ہے کہ ایام جاہلیت میں جو صغیرہ یا کبیرہ گناہ ان سے سرزد ہوئے وہ اسلام لانے کے بعد محو ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ان کا مواخذہ نہ کرے گا مرنے کے بعد شہیدوں کا باغوں میں داخل ہونا اور اخروی نعمتوں سے سرفراز ہونا تو ظاہر اور کتب عقائد بلکہ خود قرآن مجید سے بھی ثابت ہے اور عقل بھی اس امر کو قبول کرتی ہے لیکن مہاجرین کے حق میں یہ پیشینگوئی دنیا میں بھی پوری ہوگئی۔ ملک شام اسلطنت روم کے اکثر (زرخیز) حصے اور حکومت ایران کے قطعات وغیرہ تین خلافتوں میں اچھی طرح فتح ہو چکے تھے اور ان زرخیز حصوں (لہلہاتے سبزہ زاروں اور آراستہ باغوں پر (جن میں انواع و اقسام کی بہترین نہریں جاری تھیں) مہاجرین قابض و متصرف ہو گئے تھے۔ ؎

فتوح الشام - ابن اثیر ۱۲

پیشینگوئی

(۱۰۳)

مسلمانوں کو نہروں والے باغ عمدہ عمدہ قصر و محلات اور عیش و راحت کے تمام ساز و سامان مل کر رہیں گے

یہ پیشینگوئی تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے کچھ شک نہیں کہ ان کو اللہ ایسے باغوں میں (لیجا) داخل کرے گا جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی بے شک اللہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے۔

دوسری آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّہُمْ لَہُمْ غُرَفٌ	لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے اُن کے لئے بالاخانے (اور) بالاخانوں کے

مِنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ

اوپر ادر) بالاخانے ہوں گے جن کے نیچے نہریں (پڑی) بہ رہی ہوں گی۔ یہ (ان سے خدا کا وعدہ (ہے) اللہ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتا۔

تیسری آیت سورۃ المرسلات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ۔

بیشک (ایک دن ایسا آئیگا) کہ پرہیزگار لوگ چھاؤں اور چشموں اور میووں میں جو اُن کو بھاتے ہیں (عیش کرتے) ہوں گے۔

ف

جیساکہ مفسرین کا خیال ہے اہم ان آیات میں کوئی ایسا اشارہ نہیں پاتے جس سے ان مذکورہ نعمتوں کا آخرت کے ساتھ مخصوص ہونا متصور ہو سکے ہمارے نزدیک مسلمانوں کو یہ ایک ایسی خوشخبری دی گئی جو ان پر دنیا ہی میں پوری ہوگئی اور جس کی صداقت سے آج عالم تاریخ کا کوئی فرد بشر انکار کی جرأت نہیں کرسکتا۔ بلاشک مسلمانوں کو یہ سب نعمتیں دنیا میں حاصل ہوئیں اور انھوں نے خوب عیش کئے عـہ

عـہ دیکھو فتوح الشام اور تاریخ ابن اثیر وغیرہ ۱۲

پیشنگوئی

(۱۰۴)

اللہ ہی کا بول بالا رہیگا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

اور جو اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمانوں کا دوست ہو کر رہے تو (وہ اللہ والا ہے اور) اللہ والوں ہی کا (ہمیشہ) بول بالا ہے۔

دوسری آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ

اگر تم رسول کی مدد نہ بھی کرو تو (کچھ پروا نہیں اللہ ان کا مددگار ہے اور) اسی نے اپنے رسول کی مدد اسوقت بھی کی تھی جب کافروں نے اُن کو (ایسا بے سروسامان گھر سے) نکالدیا (کہ صرف دو آدمی اور) دو میں دوسرے (پیغمبر) اسوقت یہ دونوں غار (ثور) میں تھے (اور) اسوقت (پیغمبر) اپنے ساتھی (ابوبکر) کو سمجھا رہے تھے کہ (کچھ) الخ

بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الۡعُلۡيَا وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ

ذکرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اُن (ابو بکر) پر اپنی طرف سے تسلی اتاری اور انکو ایسی فوجوں سے مدد دی جن کو تم لوگ نہ دیکھ سکے اور کافروں کی بات کو نیچا کر دکھایا اور (سدا) اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب اور صاحب تدبیر ہے۔

ف

اس طویل آیت میں کئی باتیں قابل صراحت ہیں۔

امر اول

تبوک ملک شام کا ایک شہر ہے جہاں روم کی عملداری تھی اور وہ لوگ نصاریٰ تھے پیغمبر اسلام کے انتقال اور قحط سالی کی جھوٹی خبر سنکر قیصر کو ملک عرب کو زیر کرنے کا حوصلہ ہوا۔ اور اس نے کچھ لشکر اسطرف متوجہ کئے جب آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی آپنے طائف کی مہم سے فارغ ہو کر رومیوں کے حوصلے پست کرنیکے لئے خود ان پر چڑھائی کردی۔

جب آپ نے مسلمانوں کو جنگ کے لیے بلایا تو منافقین جی چرانے اور طرح طرح کے عذر و بہانے کرنے لگے یہ آیت انہیں منافقین کی ملامت و توبیخ میں ہے کہ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو اللہ نے جسطرح پہلے موقوں پر مدد کی تھی اب بھی اپنے رسول کی مدد کرے گا اور تمہاری مدد نہ کرنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔
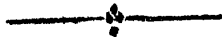
امر ثانی

اس آیت میں واقعہ ہجرت کا بیان ہے جو حضرت سرور کائنات کی زندگی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ کفار مکہ تو شروع سے اسلام کے مخالف تھے اور جس جس طرح بن پڑتا تھا شیوع اسلام کو روکتے تھے۔ سے چراغے را کہ ایزد بر فروزد کسے کو پف زند ریشش بسوزد۔ ڈرایا۔ دھمکایا۔ ستایا مگر اسلام تھا کہ برابر ترقی کرتا چلا جاتا تھا آخر کار عاجز آکر سب دار الندوہ میں جمع ہوئے۔

دار الندوہ مکہ میں ایسی جگہ تھی جیسے ہمارے بڑے شہروں میں میونسپل کمیٹی کا ہال کہ وہاں ہر طرح کی پنچایتیں ہوا کرتی تھیں۔ غرض یہاں جمع ہو کر ہر ایک نے اپنی اپنی تجویز پیش کی کسی نے کہا پیغمبر کو شہر بدر کرو۔ کسی نے رائے دی کہ قید رکھو نہ کوئی اس شخص کے پاس آنے پائیگا نہ یہ کسی کو بہکا سکیگا کسی نے صلاح بتائی کہ مار ڈالو۔ ردّ و قدح کے بعد یہ ٹھیرا کہ بلوے کے طور پر بہت سے آدمی ملکر قتل کردیں

وحی کے ذریعہ سے پیغمبر کو اس امر کی اطلاع اور مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنیکی ہدایت ہوئی چنانچہ آپ نے اسی رات حضرت علیؑ بن ابیطالب کو اپنی جگہ پر سلا دیا اور حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیکر جبل ثور کے غار میں جا چھپے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

دشمن ساری رات پیغمبر کے گھر کو گھیرے پڑے رہے صبح ہوئی تو دیکھا کہ پیغمبر کا پتہ نہیں اور جن کو پیغمبر سمجھے تھے وہ علی بن ابیطالب نکلے۔ بھڑوں کی طرح جستجو کیلئے چاروں طرف کو نکل پڑے۔

جس غار میں آنحضرت اپنے یار غار، ابوبکر کے ساتھ تشریف رکھتے تھے اسی تک بھی بعض دشمنوں کا گذر ہوا۔ اور یہ اسیوقت کا مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر کافروں کا

اپنے سروں پر چلنا پھرنا، بات کرنا دیکھکر گھبراتے تھے اور بار بار عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ مجھکو اپنی جان کا خوف کچھ نہیں ہے مگر آپ کا بال بیکا ہوا تو پھر اسلام کا یہیں خاتمہ ہو جائیگا۔ آنحضرت اس کے جواب میں آپ کو تسلی دیتے تھے کہ گھبراؤ نہیں، اللہ ہمارا ساتھی و مددگار ہے۔

اس درجہ کا توکل پیغمبر کے سوا کسی سے ہو نہیں سکتا۔

بہرحال جب تک یہ دونوں مرشد و مرید غار ثور میں مخفی رہے ابوبکرؓ کے گھر سے کھانے اور سواری کا انتظام ہوتا رہا۔ جب نواح مکہ کی جستجو کی شورش فرو ہوئی تو آنحضرت سیدھا راستہ چھوڑ کر بالا بالا کترا تے ہوئے مدینہ نکل گئے۔ اسی کا نام ہجرت ہے جس سے مسلمانوں کا سنہ ہجری شمار کیا جاتا ہے ۵۷

حضرت ابوبکر کی یہ ایک ایسی بڑی خدمت نمایاں ہے جس کو کوئی مسلمان فراموش نہیں کر سکتا۔

ابوبکرؓ کی افضلیت

امر ثالث ۔ اس آیت سے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر ابوبکرؓ کی افضلیت بصراحت ثابت ہوتی ہے۔

پہلا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خوف سے کہ اب کفار قتل پر تلے ہوئے ہیں غار ثور میں جا کر چھپے اور اپنی رفاقت کیلئے سوائے ابوبکرؓ کے کسی کو پسند نہیں فرمایا اس سے بدیہی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ سرورِ کائنات کو ابوبکر کی صفائی باطن پر اطلاع تھی آپ ان کو مومن صادق اور مخلص محق باور کرتے تھے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا اور

۵۷ سیرت ابن ہشام ۱۲

آپ کو ابوبکر کی نسبت ذرا بھی شبہ ہوتا تو ان کو ہرگز رفاقت کی عزت سے سرفراز نہ فرماتے بلکہ اس بات سے بھی ان کو اطلاع نہ دیتے کہ ہم کسی وقت مکہ سے ہجرت کرنے والے ہیں۔ تا بر فاقت چہ رسد۔

دوسرا ثبوت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے ہجرت کرنا خدا کے حکم سے تھا پس ابوبکر کی رفاقت بھی تابع حکم وحی ہوئی۔

یہ ظاہر ہے کہ اسوقت مخلصین صحابہ کی جماعت خدمت رسول خدا میں موجود تھی اور خود آپ کے کنبہ اور قرابتداروں میں بہت لوگ آپ کے موافق اور دوست تھے ایسی حالت میں اگر خاص خداوند کریم کا حکم نہ ہوتا تو آپ کبھی ابوبکر کو ساتھ نہ رکھتے جبکہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے تو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر کی رفاقت کیلئے ابوبکر کو مخصوص کرنا ایک ایسی فضیلت ہے جو صحابہ میں سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی اور اس پر مدعیان محبت صدیق جتنا بھی ناز کریں کم ہے۔

تیسرا ثبوت

بخاری مسلم اور امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے کہ۔

حدثنا عفان حدثنا همام انبانا ثابت عن انس ان ابا بكر حدثه قال قلت للنبي صلی اللہ علیہ وسلم ونحن في الغار لو ان احدهم	حدیث بیان کی ہم سے عفان نے انھوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ہمام نے انھوں نے کہا خبر دی ہم کو ثابت نے انس سے کہا ابوبکر نے ان سے بیان کیا کہ جب ہم غار میں تھے تو میں نے کافروں کو غار کے اوپر چلتا پھرتا دیکھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نظر احدهم الی قدمیہ لابصرنا تحت قدمیہ فقال یا ابابکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما -	نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر ان میں سے کوئی ایک اپنے پاؤں کی طرف نظر کریگا تو ہم کو اپنے قدموں تلے دیکھ لیگا تب آپ نے جواب دیا' اے ابو بکر تو ان دو ساتھیوں کی نسبت کیا گمان رکھتا ہے - جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہو -

اب دیکھو کہ اللہ تعالے نے اس آیت میں ابو بکر کو ثانی اثنین فرمایا یعنی دو ساتھیوں میں پہلے رسول اور ان کے ثانی (دوسرے) ابو بکر حدیث مذکورہ میں رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا کہ ان دو ساتھیوں کے ساتھ ایک اور تیسرا رفیق اللہ ہے پس ابو بکر اللہ کے تیسرے اور رسول کے دوسرے ساتھی ہوئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صدیق اکبر اکثر مناصب دینیہ میں ثانی رسول تھے جب پیغمبر خدا کو اللہ تعالے نے منصب نبوت سے سرفراز فرما کر خلق کی طرف مبعوث کیا اور آپ نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو سب سے پہلے ابو بکر نے اسلام کو قبول کیا اور اسلام میں ثانی پیغمبر ہوئے - اس کے بعد آپ نے طلحہ' زبیر' عثمان بن عفان وغیرہ اجل صحابہ کو اسلام کی ترغیب و تحریص دلائی یہانتک کہ یہ سب لوگ ابو بکر کے ہاتھ پر اسلام لائے اور آپ ان سب کو لیکر رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے پس ابو بکر اللہ کی طرف لوگوں کو دعوت دینے میں بھی ثانی رسول ہوئے ہر غزوہ میں ابو بکر رسول کی خدمت میں کمربستہ حاضر رہے اور کبھی کسی موقعہ پر آپ سے مفارقت نہیں کی - پس آپ ہر مجلس رسالت میں ثانی رسول رہے -

جب رسول اللہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ کے حکم سے ابو بکر نے نماز پڑھائی اور نماز کی امامت میں ثانی رسول ہوئے -

رسول اللہ صلعم کے انتقال کے بعد اجماع امت نے ابو بکر کو خلافت کا

تاج پہنایا اور آپ حقیقت میں ثانی رسول ہو گئے ابوبکرؓ وفات کے بعد پہلوئے رسول میں دفن ہوئے اور مابعد الموت بھی ثانی رسول ہی کہلائے۔

چوتھا ثبوت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کو صاحب رسول فرمایا۔ (اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ) جو آپ کی عظمت شان اور وقعت صاحبیت کی بیّن دلیل ہے رسول اللہ کا صاحب ہونا کچھ معمولی بات نہیں ہے

پانچواں ثبوت

جب ابوبکرؓ نے کافروں کو اپنے سر پر چلتا پھرتا دیکھکر رسول اللہ سے اظہار فکر کیا تو رسول اللہ صلعم نے جواب دیا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ یعنی گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ کی یہ معیت حفاظت و نصرت وحراست و معونت میں مراد ہے اور اللہ کی اس معیت میں رسول خدا اور ابوبکر صدیق برابر کے شریک ٹھیرے اور آخر اسی بزرگی نے یار غار کے لقب کو ضرب المثل بنا دیا جو قیامت تک ابوبکر کی مردانگی کو دنیا کے سامنے پیش کرتی رہیگی۔

چھٹواں ثبوت

اللہ تعالےٰ نے فرمایا اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین ابوبکر پر نازل فرمادی اور اللہ کا یہ فرمانا ابوبکر کی بہت بڑی عظمت اور منقبت کو ظاہر کرتا ہے۔

بعض لوگ (عَلَیْہِ) کی ضمیر کا مرجع رسول کو قرار دیتے ہیں یعنی اللہ نے

اپنی تسکین رسول پر نازل فرمائی مگر یہ توجیہہ بچند وجوہ باطل و مردود ہے۔

اولاً:۔ اسوجہ سے کہ ضمیر ہمیشہ اپنے اقرب کی طرف پھرتی ہے جب اس کا مرجع قریب موجود ہو تو خواہ مخواہ کو بعید مرجع کی طرف لیجانا قرین فصاحت نہیں ہے

ثانیاً:۔ اس وجہ سے کہ علیہ کا مرجع رسول کو قرار دینے سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں کیونکہ خوف و حزن ابو بکر کو لاحق ہوا تھا تو تسکین نازل کرنیکی ضرورت ابو بکرؓ پر تھی نہ رسول پر رسول تو ساکن القلب تھے اور آپ کو طمانیت پہلے سے حاصل تھی اور آپ کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے تو جب ابو بکرؓ کے رنج و حزن کے وقت آپ نے فرمایا کہ "تم نہ گھبراؤ" تو اللہ کی تسکین و سکینۃ ابو بکر کی طرف پھر گئی اور ابو بکر کا خوف زائل ہو گیا۔

ثالثاً:۔ اسوجہ سے کہ اگر رسول پر سکینۃ کا نازل ہونا مراد لیا جائے تو لازم آئیگا کہ رسول انزال سکینۃ سے پہلے محزون و خائف تھے حالانکہ اس کا بطلان خود اسی آیت سے ثابت ہے کیونکہ آیت کریمہ میں صاف صراحت ہے کہ رسول خدا نے ابو بکرؓ سے فرمایا کہ تم گھبراؤ نہیں پس گھبرایا ہوا آدمی جو خود خوف و حزن میں گرفتار ہو دوسرے خائف و محزون کی تسلی نہیں کر سکتا ع خفتہ را خفتہ کے کند بیدار۔

غرض ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ خوف و حزن ابو بکر پر طاری ہوا۔ انہیں کو رسول خدا نے تسکین دی اور انہیں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت نازل فرمائی اور یہ سب امور اس جناب کے فضائل عظیمہ میں سے ہیں جو صحابہ کرام میں سے اور کسی کو حاصل نہیں ہوئے

امر ثالث

آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ پیشینگوئی فرمائی کہ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا الٰہی کا بول بالا رہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ انجام میں دشمنان اسلام پست ہوئے رایت کفر

سرنگوں ہوا، اور اسلام کا بول بالا ہو کر رہا۔

یہ پیشگوئی کسی وقت تک کے لئے خاص نہیں تھی بلکہ قیامت تک کیلئے ہے کہ اسلام کا بول ہمیشہ بالا رہے گا چنانچہ تیرہ سو برس کے بعد آج بھی ہم اس پیشگوئی کو ویسا ہی صحیح و صادق پاتے ہیں کل دنیا کی مردم شماری (۱۶۰۳۵۰۰۰۰۰) ایک ارب ساٹھ کروڑ پینتیس لاکھ ہے۔

جن میں سے (۱۱۳۰۰۰۰۰) ایک کروڑ تیرہ لاکھ یہودی ہیں۔

(۵۵۰۰۰۰۰۰۰) پچپن کروڑ بدھ اور ہندو ہیں۔

(۵۷۱۴۰۰۰۰۰) ستاون کروڑ چودہ لاکھ عیسائی ہیں

(۲۴۶۷۰۰۰۰۰) چوبیس کروڑ سرسٹھ لاکھ مسلمان ہیں عہ

اسلام کے مقابلہ میں بدھ اور عیسائیت دو ہی مذہبوں کو پیش کیا جا سکتا ہے جو مردم شماری میں اسلام سے بڑھے ہوئے ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدھ مذہب تقریباً تین ہزار برس سے دنیا میں پھیلا ہوا ہے جبکہ اسلام کی عمر صرف تیرہ سو برس کی ہے پس اگر عمر کے فرق کا لحاظ رکھکر مقابلہ کیا جائے تو شائد بدھ مذہب کا پایہ ترقی اسلام سے بہت گھٹ جائے گا۔

مسیحی مردم شماری بہت کچھ بڑھائی گئی ہے اسوقت وہ کرہ ارض کے بیشتر سلاطین کا آبائی مذہب ہے شاہی اثر سے اسکی مشنریاں قائم ہیں مشنریوں کو حکومت کیطرف سے بیش بہا اور ہر قسم کی امداد ملتی ہے دنیا کے گوشہ گوشہ

عہ نیو ڈکشنری آف اسٹیٹسٹکس مولفہ آگسٹس ڈی۔ ویب۔ بی۔ سی۔ آئی۔

The new dictionary of statistics by Augustus the Webb B. C. I.

میں مشنریوں کے پادری داعظین پھیلے ہوئے ہیں جو طرح طرح کی نت نئے طریقوں سے مسیحی مردم شماری کو روز افزوں ترقی دیتے رہتے ہیں اسلام مذہب مسیحی سے تقریباً چھ سو برس عمر میں پیچھے ہے مزید بر ان وہ اسوقت ایک غریب و مفلس مذہب ہے جو نہ عیسائیت کیطرح دولت کے بل پر مشنریاں قایم کر سکتا نہ کوئی ایسی نہ کوئی ایسی جماعت ہے جو اسکی اشاعت میں کوشش کرتی ہو۔

غرض ان امور کو پیش نظر رکھکر کوئی انصاف پسند شخص، اسلام کو عیسائیت کے مقابلہ میں مغلوب نہیں کہ سکتا بلکہ بلا کسی کوشش کے اور بغیر کسی ترغیب و تحریض کے اسلام کا اسلام کا پھیلتے جانا اور عیسائی مشنریوں کا اپنی مذہبی حیثیت میں ناکام رہنا صاف دلیل ہے کہ عیسائیت مغلوب اور اسلام غالب ہے۔

ہم یہانتک لکھنے پائے تھے کہ مصر کا اخبار" روزنامہ حکمت" ہماری نظر سے گذرا، وہ لکھتا ہے کہ" حال کی مردم شماری مغربی افریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ مردم شماری کے بعد سے وہاں کی بہت سی قوموں نے دین اسلام کو قبول کیا ہے سینیگال کی اقوام" اولوف" اور" فولاو" مسلمان ہوگئی ہیں علاقہ گنی میں اڑسٹھ ہزار مسلمان ہیں۔ قوم" دلونہ" میں اسلام سرعت کے ساتھ پھیلتا جاتا ہے بالاے سینیگال اور نائیجیریا کی پچاس لاکھ آبادی میں سے پندرہ لاکھ آدمی مسلمان ہو چکے علاوہ ازیں بعض سواحل کے لوگ کثرت و سرعت کیساتھ دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں بعض سیاحوں کا بیان ہے کہ عیسائی مشنری

٭ اسکا ترجمہ" علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ بابتہ ماہ جولائی ۱۹۱۱ء میں شایع ہوا ہے ہم نے بنظر سہولت اسی کو بلفظہ نقل کر لیا ہے ۱۲-

ان حالات کو دیکھ کر نہایت مایوس و دلگیر ہو رہی ہے ۔
مغربی افریقہ میں نہ مسلمانوں کا کوئی ایسا زبردست اثر ہے نہ واعظوں کی کوشش
ہے باوجود اس کے جو اسلام کی اشاعت ہوئی جاتی ہے یہ اسلام کی حقانیت اور
الٰہی طاقت کا اثر نہیں تو کیا ہے ؟

پیشگوئی

(۱۰۵)

عرب کے سوا اور ملک کے لوگ بھی مسلمان ہوں گے جو منافقوں کے سے نہ ہوں گے اور جن کو یہ نقصان نہ پہونچا سکیں گے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے ۔
پہلی آیت سورۃ محمد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا	اور اگر تم (حکم خدا سے) روگردانی کرو گے تو (خدا) تمہارے سوا دوسرے لوگوں

اَمْثَالَكُمْ | کو (تمہاری جگہ) لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

دوسری آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا۔ | (بلائے جانے پر بھی راہ خدا میں لڑنیکے لئے) اگر تم نہ نکلوگے تو خدا تم کو بڑی دردناک مار مارے گا اور تمہارے بدلے دوسرے لوگ لا موجود کریگا اور تم اس کا کچھ بھی تو نہ بگاڑ سکوگے۔

ف

رجب سنہ ۹ ہجری میں طائف کی مہم سے فارغ ہو کر رسول اللہ نے رومیوں سے جنگ کا ارادہ کیا۔ مگر قحط کا زمانہ شدت کی گرمی۔ پھلوں کا زمانہ کہ وہی اہل عرب کی ساری کائنات اور اسی پر گذر اوقات تھی اور سب پر بالا سلطنت روم کا رعب غالب۔ ان وجوہ سے منافقین نے حیلہ حوالہ کرکے جانے سے جی چرایا[ع] جس پر ان آیات میں انہیں ملامت کیگئی ہے کہ اگر تم رسول کا ساتھ نہیں دوگے تو خدا تمہارے بدلے میں دوسری قوم کو لا موجود کرے گا۔ جو تمہارے ایسے نہ ہوں گے کہ اسلام کی امداد سے جی چرائیں اور تم لوگ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے۔

(۱)

یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم منافقین کے عوض میں اللہ دوسری قوم کو لا موجود

ع لباب التاویل جلد ثانی ۱۲

کرے گا تو اس قوم سے کون سے لوگ مراد ہیں؟ اس بارہ میں مختلف اقوال ہیں بعض مفسرین اہل یمن کو مراد لیتے ہیں بعض ایرانیوں کو۔

اگرچہ ان دونوں صورتوں میں قرآن کی پیشگوئی صحیح اترجاتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دوسرے ہی مسلک کو قوی قرار دیتی ہے کہ اس قوم سے اہل فارس مراد ہیں۔

الترمذی عن ابی هریرة رض قال تلا رسول اللہ هذه الآیة وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ فقالوا من یستبدل بنا فضرب رسول اللہ علی منکب سلمان ثم قال هذا وقومه والذی نفسی بیده لو کان الایمان مَنُوطًا بالثریا لتناوله رجال من فارس۔

ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ ہے) کہ اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تمہارے سوا دوسرے لوگوں کو لا دیگا تو اصحاب نے کہا ہمارے بدلے کن لوگوں کو لائے گا پس رسول اللہ نے سلمان (فارسی) کے شانہ پر ہاتھ مارا۔ پھر فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر ایمان ثریا پر لٹکا ہوا ہوتا تو بھی فارس کے لوگ اس کو پا لیتے۔

یہ اس امر کی پیشینگوئی تھی کہ فارس میں علم و ایمان خوب پھیلیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تین صدی کے اندر اندر تمام ملک فارس لوائے اسلام کے سایہ میں آگیا اور ہر طرف اسلام ہی اسلام پھیل گیا۔

رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام عرب میں مبعوث ہوئے۔ قرآن بھی عربی ہے

اور عربوں کے کارنامے بھی موجود ہیں ان کی پیشینگوئی توریت و انجیل میں بھی ہے اور حدیثوں میں بھی ان کے مناقب کثیرہ وارد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا کہ عرب میں اسلام ہمیشہ رہے گا عرب کے لوگ مذہب میں نہایت سخت ہوتے ہیں زمانہ کفر میں کفران کا سخت تھا اور اسلام لانے کے بعد اسلام میں اشد ہو گئے جیسا کہ حالت موجودہ سے بھی ظاہر ہے۔

فارس والوں میں بہت جلد تغیر آجاتا ہے۔ تھوڑے ہی زمانہ میں مجوسیت کو خیرباد کہکر مسلمان ہو گئے اسلام میں آنے کے بعد کچھ دنوں سنی رہے۔ پھر شیعہ ہو گئے کبھی امامیہ بنے۔ کبھی زیدی کبھی کچھ کبھی کچھ پھر آہستہ بابی ہونا شروع ہوئے چنانچہ اس وقت ایرانیوں کی بڑی جماعت بابی مذہب پر قایم و برقرار ہے ایسی متلون العقائد قوم خاک عرب کے بہادروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حدیث شریف کا صرف یہ مقصد ہے کہ فارس کے لوگ مسلمان ہوں گے اور سرزمین فارس میں اسلام عام ہو جائیگا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ اور اس کی صحت محتاج دلیل نہیں ہے۔

مفسرین کا عام مذہب یہ ہے کہ آیت میں اہل یمن اور اہل فارس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے عموم پر ہے کہ اہل عرب کے سوا، دوسرے ممالک کے لوگ بھی مسلمان ہوں گے یہ مذہب سب سے زیادہ قرین قیاس ہے اور اس صورت میں پیشینگوئی کا درجہ اور زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔

(۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ لوگ جو مسلمان ہوں گے ان منافقین جیسے نہ ہونگے اور بلاشبہ جو قومیں مسلمان ہوئیں ان میں سے کوئی سی بھی منافق نہ تھی وہ سچے دل سے مسلمان ہوئیں انھوں نے اسلام کی مدد کی، اور فتوحات اسلام کی زیادہ تر

بات ہی نہیں ہوئیں۔

(۳)

لَا تَضُرُّوْہُ میں (ہُ) کی ضمیر کدھر پھرتی ہے؟ بعض مفسرین اللہ کو اس کا مرجع قرار دیتے ہیں یعنی منافقین اپنی ان چالبازیوں اور جنگ میں شریک نہ ہونے سے اللہ (کے دین) کو کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکیں گے۔

بعض مفسرین (ہُ) کی ضمیر کو رسول کی طرف پھیرتے ہیں کہ اے منافقین! تم اگر رسول کا حکم نہ مانو گے اور جنگ میں شریک نہ ہوگے تو اس سے تم رسول کو کوئی ضرر نہیں پہونچا سکو گے۔ ان دونوں مسلکوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

ہمارے نزدیک (ہُ) کا مرجع خود قوم ہے جو ضمیر سے متصل واقع ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر منافقین رسول خدا کا حکم نہ مانیں گے تو خدا ان کے بدلے میں ایک دوسری قوم کو لا موجود کرے گا جس کو یہ منافقین نقصان نہ پہونچا سکیں گے اور وہ قوم ان منافقین جیسی نہ ہوگی۔ اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا

قوم معنی جمع ہے اسکی طرف ہمیشہ واحد مونث یا جمع مذکر کی ضمیر پھرتی ہے قرآن میں اس کے خلاف کہیں نہیں ہے بخلاف اس کے ہمارے مسلک کی بناء پر آیت میں (ہُ) واحد مذکر کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہوتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ قوم جسکی جمع اقوام آئی ہے اگرچہ معنی میں جمع ہے لیکن لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے اسکی طرف واحد مذکر کی ضمیر کا پھرنا کچھ ناموزوں نہیں معلوم ہوتا۔

پیشگوئی

(۱۰۶)

محمد مصطفیٰ کا آوازہ بلند ہوگا

جیساکہ سورۃ الانشرح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ | اور ہم نے تمہارے ذکر (خیر) کا آوازہ بلند کیا ہے۔

ف

اس سے بڑھ کر صریح پیشگوئی کیا ہو سکتی ہے جسکی صداقت تیرہ سو برس سے اسوقت تک برابر ایک شان سے اہل عالم کے سامنے ہے۔

یہ آیت مکی ہے اور اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ رسول خدا پر دشمنوں نے دنیا تنگ کر رکھی تھی اور جو چند نفوس اسلام لائے تھے ان کو چھپنے کو بھی جگہ تک نہ ملتی تھی یہانتک کہ بہت سے مسلمانوں نے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کی اور آخر خود رسول اللہ صلعم کو بھی مکہ چھوڑ کر مدینہ کی راہ لینی پڑی۔ ایسی بیچارگی کیحالت میں یہ پیشینگوئی کرنی کہ تمہارے ذکر کا آوازہ دنیا میں بلند کیا جائے گا۔ اور پھر اس پیشینگوئی کا کھلے بندوں اچھی طرح پورا ہونا، تمام کرۂ عالم میں محمد (صلعم) کے ذکر خیر کا بلند ہونا، مشرق سے مغرب تک اسلام کا شائع ہونا، دنیا کے گوشہ گوشہ میں محمد عربی کے نام مبارک کا ورد زبان ہونا کیا کسی انسانی طاقت کا کام ہے؟ شاید کوئی

ذی ہوش اس کا جواب اثبات میں دینے کی جسارت نہ کرے گا۔

پیشنگوئی

(۱۰۷)

آئندہ عنقریب تم کو معلوم ہوگا کہ کس کا انجام بخیر ہی

جیساکہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ

(اے پیغمبر ان کافروں سے) کہو کہ بھائیو! تم اپنی جگہ عمل کرو میں (اپنی جگہ) عمل کر رہا ہوں پھر آگے چلکر تم کو معلوم ہوجائے گا کہ آخرکار کس کا انجام بخیر ہے (مگر ہاں) اس میں تو کچھ بھی شک نہیں کہ ظالم تو کسی طرح فلاح پانے کے نہیں۔

ف

قرآن کی یہ پیشنگوئی کہ آخر میں مسلمانوں ہی کا انجام بخیر ہوگا اور دشمنان اسلام کو ہرگز فلاح نصیب نہ ہوگی، جس طرح پوری ہوکر رہی وہ تاریخ جاننے والوں پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور اس کا اثر الآن بھی پردۂ عالم میں مستتر نہیں ہے۔

پیشگوئی

(۱۰۸)

اللہ کید کفار کو توڑنیوالا ہے

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۤءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ۔	(مسلمانو) کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ انکو اللہ نے قتل کیا اور (اے پیغمبر!) جب تم نے تیر چلائے تو تم نے تیر نہیں چلائے بلکہ اللہ نے تیر چلائے (تاکہ کفر کی بنیاد کو ڈگمگا دے) اور تاکہ مسلمانوں کو اپنی سرکار سے اچھا انعام (یعنی فتح) عنایت فرمائے بے شک اللہ سب کی سنتا (اور سب کچھ) جانتا ہے یہ بات (اچھی طرح سن رکھو) اور (جان لو کہ) خدا کو کافروں کی تدبیروں کا توڑنا منظور ہے

ف

یہ جنگ بدر کا مذکور ہے جس کے ساتھ یہ پیشگوئی فرما دی گئی کہ اللہ کافروں کی تدبیروں کو توڑ دے گا چنانچہ کفار اعدو دشمنان اسلام کی ساری کوششیں اور تدبیریں جو اسلام کے مٹانے، پیغمبر خدا صلعم کے قتل کرنے، یاران رسول کو

برباد کرنے، لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکنے اور جو لوگ مسلمان ہوچکے تھے ان کو دنیاوی لالچ اور زور و ظلم سے مرتد بنانے میں پوشیدہ طور پر یا کھلے بند ہوتی تھیں یا سوچی جاتی تھیں۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے تارِ عنکبوت کی طرح توڑ کر رکھدیا۔ دشمنوں کی ایک تدبیر نہ چلی اور آخر خود ذلیل و خوار ہو کر تباہ و برباد ہوگئے یا مسلمان ہوگئے۔

پیشگوئی

(۱۰۹)

اللہ کافروں کو ذلیل و رسوا کریگا

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ	اور (اے دشمنانِ اسلام!) تم جانے رہو کہ تم اللہ کو (کسی طرح بھی) ہرا نہیں سکو گے اور (یہ کہ آخر کار) اللہ کافروں کو (ہی مسلمانوں کے ہاتھ سے دنیا میں) رسوا کرنیوالا ہے

دوسری آیت سورۃ المجادلہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف کرتے ہیں (آخر کار) وہی ذلیل ترین

فی الاَذَلِّیْنَ۔ لوگوں میں ہوں گے۔

تیسری آیت سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَمْ یُرِدِ اللّٰهُ اَنْ یُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔

یہی (کفار) وہ لوگ ہیں کہ خدا بھی ان کے دلوں کو (معصیت کی گندگی سے) پاک کرنا نہیں چاہتا ان لوگوں کی دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا سخت عذاب ہے۔

ف

انسان کے لئے اس سے بڑی کوئی ذلت نہیں ہے کہ ایسے دشمن جن کو وہ ذلیل سمجھتا ہے اور جن کو دنیا سے مٹا دینے کے لئے وہ سر توڑ کوششیں کرتا ہے ان پر قابو نہ پا سکے بلکہ برعکس اس کے وہی مغلوب دشمن اس پر غالب ہو جائیں اور انہیں کے ہاتھوں وہ ذلیل وخوار ہو کر تباہ و برباد ہو جائے کفار عرب کا یہی حال ہوا کہ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو ذلیل و حقیر سمجھتے تھے۔ انہیں نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے ان کو تباہ کر کے اسلام کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دینے کی کوششوں میں جان و مال سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ مگر ان کی ان ساری نالائق کوششوں کا یہ الٹا اثر نمایاں ہوا کہ مسلمانوں کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ وہی کافروں پر غالب ہوئے اور انہیں کے زبردست ہاتھوں سے کفار کا استیصال ہو گیا اور اکثر لونڈی غلام بنے اور قرآن کی پیشنگوئی پوری ہوئی۔

پیشگوئی

(۱۱۰)

مشرکین کو عذاب پہنچنا ہے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے

پہلی آیت سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ۔

اور منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اللہ سزا دیگا جو اللہ کے حق میں (طرح طرح کی) بدگمانیاں رکھتے ہیں اب یہی مصیبت کے چکر میں آئیں گے

دوسری آیت سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

(اے پیغمبر!) ان میں سے جنھوں نے کفر کیا عنقریب ان کو عذاب دردناک پہنچیگا

ف

بہت سے کٹر اور پکے مشرکین تو اسلام کی صداقت کو نہ مان کر اس کی قوت کی بھینٹ چڑھ گئے اور عرب ان کے ناپاک وجود سے خالی ہو گیا بہت سارے شکست کی مار کھا کر مغلوب و مقہور ہوئے اور آخر آخر میں کثیر التعداد مشرکوں نے

اسلام قبول کرلیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں خاک پاک عرب سے شرک کا نام مٹ گیا۔

پیشنگوئی

(۱۱۱)

بعض نصاریٰ مسلمان ہوں گے اور جو تثلیث سے باز نہیں آئیں گے وہ اپنی اس بداعمالی کا مزا چکھیں گے

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا تو یہی تین ہیں کا ایک تیسرا ہے (یہ لوگ بھی اس کہنے سے) کافر ہوگئے حالانکہ خدائے واحد کے سوا اور کوئی معبود (یعنی خدا) نہیں ہے اور (خدا کے بارہ میں) جیسی جیسی باتیں یہ لوگ کہتے ہیں اگر ان سے باز نہیں آئیں گے تو جو لوگ ان میں سے کفر کرتے رہیں گے ان پر عذاب دردناک نازل ہوا رہو۔

ف

اس آیت میں نصاریٰ کے دو فرقوں کے عقائد کا بیان ہے ایک فرقہ مسیح علیہ السلام ہی کو خدا سمجھتا تھا دوسرا فرقہ عجیب طرح پر خدا مانتا تھا کہ خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں میں خدائی دائر ہے یعنی ان میں کا ہر ایک خدا ہے۔ یہاں خدا نے فرمایا کہ سب کفر کے عقائد ہیں اور خدا ایک ہی ہے۔

آیت میں دو پیشینگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشینگوئی

یہ ہے کہ اگر نصاریٰ تین خداؤں کے اعتقاد سے باز نہ آئیں گے تو اصلی پاداش میں مبتلائے عذاب کئے جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ عرب کے نصاریٰ نے مسلمانوں کے ہاتھ سے جو کچھ دیکھا اس کا اثر آج بھی دیکھا جاتا ہے کہ تمام ملک عرب میں ایک عیسائی بھی نہیں بستا۔ اس سے قطع نظر کر کے اگر نظر کو اور وسیع کیا جائے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ شام و روم میں اہل اسلام نے جو نمایاں فتوحات کیں انھوں نے اس پیشینگوئی کی صحت کو بہت زیادہ نمایاں کر کے ثابت کردیا۔

حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں بہادران اسلام نے مسیحیان روم و شام کو ناکوں چنے چبوائے، اور جو روز بد ان کو دکھایا وہ تاریخ جاننے والوں پر آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ آخر رفتہ رفتہ تمام عیسائیوں کا قلع قمع ہوگیا اور ملک پر ہر طرف مسلمان مسلط ہوگئے۔

دوسری پیشینگوئی

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان عیسائیوں اور معتقدین تثلیث میں سے بعض

بتلائے عذاب ہوں گے جس سے مستنبط ہوا کہ بعض نصاریٰ مسلمان ہوجائیں گے اور اسلام کی وجہ سے عذاب سے محفوظ رہیں گے چنانچہ یہ پیشینگوئی بھی پوری ہوئی اور فتوحات روم و شام میں کثیر التعداد مسیحی اور بہت سے ممبران خاندان شاہی بلا کسی زبردستی کے خود سچے دل سے مسلمان ہو گئے جناب فاروق اعظم کے عہد مبارک میں ہرمزان نے جو شیرویہ کا ماموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سرکار تھا یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اگر اہوانہ فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں یزدگرد نے اسیوقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کردی۔

ابو موسیٰ اسلامی لشکر کے افسر تھے۔ شوستر خوزستان کا صدر مقام تھا اس کے قریب ہرمزان نے مقابلہ کیا اور عین پھاٹک فریقین کا سامنا ہوا اگرچہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا اور عجمی ایک ہزار سے زیادہ مارے گئے تاہم مسلمان بھی بہت کام آئے براء رضی اللہ عنہ اور مجزاۃ بن ثور جیسے جانبازان اسلام ہرمزان کے ہاتھوں نذر اجل ہو گئے۔

آخر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے شہر فتح کر لیا۔ تمام لشکر ٹوٹ پڑا شہر میں ہلچل پڑ گئی ہرمزان بھاگ کر قلعہ میں ہو رہا۔ جب مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا تو ہرمزان اس شرط پر نیچے اتر آیا کہ اس کو ضرر نہ پہونچایا جائے بلکہ اس کو مدینہ بھیجدیں اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مامور کیا تا مدینہ تک اس کے ساتھ جائیں۔

ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے

* فتوح الشام ۱۲۔

تمام آدمی رکاب میں سئے مدینہ کے قریب پہونچکر شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا تاج مرصع جو آذین کے لقب سے مشہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبا زیب بدن کی اور سلاطین عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے کمر سے مرصع تلوار لگائی غرض شان و شوکت کی تصویر بنکر مدینہ میں داخل ہوا اور لوگوں سے پوچھا امیر المومنین کہاں ہیں وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبہ نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اس کا دربار بھی بڑے سروسامان کا ہوگا حضرت عمرؓ اسوقت مسجد میں فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سیکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے زرق برق لباس کو بار بار دیکھتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے فاروق اعظمؓ کی آنکھ کھلی تو عجمی شان و شوکت کا مرقع سامنے تھا اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا " یہ دنیائے دون کی دلفریبیاں ہیں " قادسیہ کے بعد ہرمزان نے کئی دفعہ سعد بن وقاص سے صلح کی تھی۔ اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا شوستر کے معرکہ میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اسقدر رنج تھا کہ انھوں نے ہرمزان کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا تاہم اتمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمہارے ساتھ ہے اور ہم تمہارے غلام ہیں یہ کہکر پینے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لیکر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں حضرت عمرؓ نے منظور کیا اس نے پیالہ ہاتھ سے رکھدیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لئے شرط کے موافق تم مجھکو قتل نہیں کر سکتے حضرت عمرؓ اس مغالطے پر حیران رہ گئے ہرمزان نے کلمۂ توحید پڑھا۔ اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام قبول کر چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس لئے کی تا لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تلوار کے ڈر سے اسلام قبول کیا حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے خاص مدینہ میں

رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ روزینہ مقرر کر دیا۔ عہ

سنہ ۱۶ ہجری کے اخیر میں جب جلولاء فتح ہوا تو بڑے بڑے روساء اور نواب اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار و نامور تھے ان کے یہ نام ہیں۔ جمیل بن بصہری بسطام بن نرسے۔ رفیل۔ فیروز۔ ان رئیسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی رعایا میں خود بخود اسلام کو شیوع ہوا۔ عہ

قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار دیلم کی فوج جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔

یزدگرد کے مقدمۃ الجیش کا افسر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا یزدگرد جب اصفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سیاہ کو بلا کر تین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کیے اور اصطخر کو روانہ کیا سیاہ نے ایکدن تمام ہمراہیوں کو جمع کر کے کہا کہ ہم لوگ جو پہلے کہا کرتے تھے کہ یہ عرب ہمارے ملک پر غالب آجائینگے اس کی روز بروز تصدیق ہوتی جاتی ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم لوگ خود اسلام قبول کرلیں چنانچہ اسی وقت سب کے سب مسلمان ہو گئے یہ لوگ اساورہ کہلاتے تھے کوفہ میں ان کے نام سے نہر اساورہ مشہور ہے ان کے اسلام لانے پر سیابجہ۔ زط۔ اندغار بھی مسلمان ہو گئے۔

عہد فاروقی میں مصر اور اس کے جوانب میں کثرت سے اسلام پھیلا قصبہ بلہیب کے رہنے والے کل کے کل اپنی خواہش سے مسلمان ہو گئے عہ دمیاط کی فتح کے بعد جب اسلامی فوجیں آگے بڑھیں تو بلقارۃ اور ہرادۃ سے لیکر عسقلان تک

عہ فتوح الشام ۱۲ عہ الفاروق صفحہ ۱۰۱ ۱۲ عہ فتوح البلدان ۱۲ ۔ عہ تاریخ مقریزی جلد اول۔

جو شام میں داخل ہے ہر جگہ اسلام پھیل گیا۔[a] شطائے مصر کا رئیس مسلمانوں کے حالات سنکر پہلے ہی سے اسلام کی طرف مائل تھا چنانچہ جب اسلامی فوجیں دمیاط میں پہونچیں تو دو ہزار آدمیوں کے ساتھ شطا سے نکلکر مسلمانوں سے آ ملا اور مسلمان ہو گیا۔[b] فسطاط میں نوشیروان کی طرف یمن کا عامل تھا جب اسلام کا قدم شام میں پہونچا تو یہ سب مسلمان ہو گئے۔ مورخ طبری نے جنگ یرموک اور سنہ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔ ان واقعات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

پیشگوئی

(۱۱۲)

کفار سے جہانتک ہو سکی اپنی پوری طاقت صرف کر کے اسلام کی تباہی میں کوشش کر دیکھیں

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

[a] مقریزی۔ [b] مقریزی جلد اول ۱۲

قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاءَ كُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ اِنَّ وَلِيَّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ ـ

(اے پیغمبر ان کافروں سے) کہو کہ اپنے شریکوں کو (اپنی مدد کیلئے) بلالو پھر (سب ملکر) مجھ پر اپنا داؤ کر چلواور مجھکو (ذرا بھی) مہلت نہ دو۔ اللہ جس نے اس کتاب (قرآن) کو اُتارا ہے وہی میرا کارساز ہے اور وہی تمام نیک بندوں کی حمایت کرتا ہے ۔

ف

اس آیت کریمہ میں تمام دشمنان اسلام کو برانگیختہ کیا گیا ہے کہ تم اپنے تمام شریکوں اور مددگاروں کو جمع کرو اور اسلام اور پیغمبر اسلام کے ساتھ فریب کرنے اور ان کے مٹانے میں پوری قوت صرف کر دو اور ذرا بھی مہلت نہ دو۔ پھر دیکھو کہ تمہاری ان اَن تھک کوششوں کا کچھ بھی نتیجہ تمہارے موافق نکلتا ہے؟ بلاشبہ اللہ اپنے پیغمبر اور نیک بندوں کا حامی و مددگار ہے اور خدا جس کا حامی ہو اس کا ساری دنیا بھی ملکر کچھ نہیں بگاڑ سکتی

سورۃ الاعراف، سوائے ”وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ“ پانچ سات آیتوں کے کل سورہ مکی ہے۔ پس ابتدائے اسلام اور مسلمانوں کی بیچارگی کے حالات میں اس دعوے کیساتھ پیشنگوئی کرنی کہ تمام کفار اپنی مجموعی طاقت سے بھی پیغمبر اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور باوجود علی الاعلان دعویٰ کرنے اور اس کے مشتہر ہونے اور کفار کو چیلنج دینے کے اس پیشینگوئی کا پورا ہو جانا کچھ کم حیرت انگیز نہیں ہے، کیا دنیا کی کسی طاقت میں تاریخ اس کی نظیر پیش کر سکتی ہرگز نہیں۔

پیشنگوئی

(۱۱۳)

کفار عرب کو جب دشمنی کا موقع ملیگا اٹھا نہ رکھینگے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ۔

(ان کافروں کا عہد) کیسے (معتبر ہو سکتا ہے) اور ان کا حال یہ ہے کہ) اگر یہ لوگ تم مسلمانوں پر غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارہ میں نہ قرابت کا پاس ملحوظ رکھیں اور نہ عہد (و پیمان) کا ۔ اپنی زبانی باتوں سے تو تم کو رضامند کر دیتے ہیں اور انکے دل انکار رکھتے ہیں اور ان میں اکثر ایسے ہیں کہ بات کہکر آپ ہی آپ اس سے) نکل بھاگتے ہیں

ف

آیت میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ کفار عرب کے عہد و پیمان اور اُن کی ظاہری باتوں کا کچھ اعتبار نہیں جب ان کو موقع ملے گا عہد و پیمان کو توڑ ڈالیں گے جہاں ذرا غلبہ حاصل ہو گا مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے درپے ہو جائیں گے غرض اپنے امکان بھر یہ کچھ اٹھا نہ رکھیں گے ۔

جب رسول خدا صلعم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں تشریف لائے

تو مدینہ کے یہودیوں نے آپ سے اس بات کا معاہدہ کیا کہ وہ نہ رسول خدا سے
لڑیں گے نہ دشمنانِ اسلام کا ساتھ دیں گے اور نہ رسول خدا سے ملکر ان کے
دشمنوں کا مقابلہ کریں گے مگر باوصف عہد و پیمان کے یہودا اپنی بات پر بہت
دن قائم نہ رہے جنگ احد میں جو مسلمانوں کو ایک طرح کی ناکامی ہوئی، فوراً
یہودیوں نے معاہدہ کو توڑ ڈالا اور مسلمانوں کی دشمنی پر کمر بستہ ہو گئے اسی نقض
عہد کی پاداش میں بہت سے یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا اور بہت
سارے قتل کر دئے گئے عہ

حدیبیہ کی سال مشرکوں اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت ہوئی
کہ دس برس تک کوئی ایک فریق دوسرے کے مقابلہ پر تلوار نہ اٹھائے
بنو خزاعہ مسلمانوں کے طرفدار رہے اور بنو بکر مشرکین و کفار کے اتفاقاً بنو خزاعہ
اور بنو بکر میں جنگ ہو گئی تو مشرکین قریش نے معاہدہ کا کچھ لحاظ نہ کر کے بنو بکر کا ساتھ
دیا اور بنو خزاعہ سے جنگ کر کے ایک جمِ غفیر کو ان میں سے قتل و غارت کر دیا عہ
پھر بنو بکر اور مشرکین دونوں ملکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کا حیلہ ڈھونڈھنے لگے
غرض ان کفار و مشرکین کے لیئے عہد شکنی کوئی نئی بات نہیں تھی جب ان کو موقع
ملتا نقضِ عہد کرتے۔ جب وقت پاتے مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے۔

عہ سیرت ابن ہشام ۱۲، عہ سیرت ابن ہشام ۱۲۔

پیشنگوئی

(۱۱۴)

آفاق عالم میں اسلام اور اسلامی سلطنت پھیل جائیگی

جیسا کہ سورۃ حٰم السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ۔	عنقریب ہم ان کافروں کو اپنی (قدرت و طاقت کی) نشانیاں (دنیا کے تمام اطراف میں بھی) دکھائیں گے اور ان کے اپنے درمیان میں (بھی) یہانتک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ (قرآن) برحق ہے

ف

"اُپنے درمیان" سے عرب اور مکہ کا فتح ہونا مراد ہے جو کفار عرب کا خاص موطن عماوی تھا اور آفاق سے آفاق عالم اور اطراف دنیا مراد ہے جیسا کہ خود لفظ سے ظاہر ہے۔

قرآن کی یہ زبردست ترین پیشنگوئی پوری ہو کر رہی آخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کمزور مفلس مسلمانوں ہی کے ذریعہ سے اپنی قدرت کی نشانیاں اہل عالم کو دکھا چھوڑیں کہ قطعات ارض عرب فتح ہوتے ہوتے ایک روز خود مکہ بھی فتح ہو گیا اور اس کے بعد تمام اطراف عالم اور آفاق گیتی میں اسلام پھیل پڑا ہر طرف

اسلام کا ڈنکا بجا۔ ہر قوم نے اسلامی طاقت کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا۔ مشرق سے مغرب تک مسلمانوں نے اپنا سکہ چلایا اور اُن کی باجبروت سلطنت کی دھاک بیٹھ گئی۔ دولت اُن کی خانہ زاد لونڈی بنی۔ فتح و نصرت نے رکاب تھامے اور اقبال اُن کا علم بردار رہا ؎

وہ قوم کہ جان تھی جہاں کی | جو تاج تھی فرق آسماں کی
تھے جس پہ نثار فتح و اقبال | کسریٰ کو جو کر چکی تھی پامال
گل کر دئے تھے چراغ جس نے | قیصر کو دئے تھے داغ جس نے
وہ نیزۂ خونفشاں کہ چل کر | ٹھیرا تھا نرانس کے جگر پر
رومائے دھوئیں اڑا دئے تھے | اٹلی کو کنوئیں جھنکا دئے تھے
با اینہمہ جاہ و شوکت و فر | اقلیم ہنر بھی تھی مسخر
ہیأت میں بلند پایہ اس کا | تھا فلسفہ زیر سایہ اس کا
منطق میں ہوئے جو گرم جولاں | تھامے تھے رکاب مصر و یونان
میدان سخن جو روبرو تھا | فارس کی زباں پہ طرقوا تھا
جو فلسفیان ہند و چیں تھے | خرمن سے اسی کے خوشہ چیں تھے

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں جو ممالک فتح ہوئے اُن کی اجمالی فہرست پیشنگوئی (۳۱-۳۲-۳۳-۳۴-) کے تحت میں ہم لکھ چکے ہیں یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

خلفائے بنی امیہ اور خلفائے بنی عباس رحمہم اللہ تعالےٰ کے عہد خلافت میں۔ ماوراء النہر۔ بلخ۔ خوارزم۔ اندرابہ۔ الباب۔ خراسان۔ سجستان در بند۔ طبرستان۔ آرمینیہ۔ الجزیرہ۔ آذربیجان۔ عراق۔ خوزستان۔ فارس فلسطین۔ ارض مقدس۔ قاہرہ مصر۔ افریقیہ۔ اسپین۔ یمامہ

سندھ وغیرہ پوری طرح فتح ہو گئے تھے اور جزائر سسلی وغیرہ کے ساتھ تمام عرب ان کے زیر نگیں تھا۔ خلافت بغداد کی تباہی کے بعد شمالی افریقہ مصر۔ شام۔ ترکستان یورپ۔ ایشیائے کوچک۔ الجزیرہ۔ ماوراالنہر۔ ایران افغانستان۔ ہندوستان۔ دکن۔ لنکا۔ ممالک روسیہ وغیرہ کو مختلف وقتوں میں سلاطین اسلام نے فتح کیا اور ان تمام ممالک پر اسلام کا زبردست مگر پُر امن علم لہراتا تھا۔

خلافت بنی امیہ اور خلافت عباسیہ کے رقبہ حکومت کا نظری نقشہ اس کے ساتھ ناظرین کے سامنے ہے اور تمام اسلامی خاندانوں کا مکمل اور مفصل نقشہ کہ شروع اسلام سے اسوقت تک کہاں کہاں اسلامی حکومت قایم ہوئی۔ شروع کتاب میں لگا دیا گیا ہے۔

کیا ایسی زبردست پیشینگوئی انصاف پسند مخالفین اسلام کو خاموش کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ ضرور ہے۔

ہ؎ محمڈن ڈائی نسٹیز مولفۂ علامہ اسٹینلی لین پول۔

Mohummadan Dynasties (by) Stanly Lane Pool.

پیشنگوئی

(۱۱۵)

اگر اہل کتاب تورات و انجیل کو قایم کریں تو رزق اُن کے اوپر سے برسے اور پاؤں تلے سے اُبلے

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ -

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم اُن سے ان کے گناہ ضرور اتار دیتے اور ان کو باغوں میں بھی ضرور لیجا داخل کرتے جن میں نعمتیں ہیں اور اگر یہ (اہل کتاب) تورات اور انجیل اور ان (صحیفوں) کو جو ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے اُترے ہیں قایم کرتے تو ضرور ان کو ایسی برکت ہوتی کہ ان کے اوپر سے (رزق برستا) اور پاؤں کے تلے سے (ابلتا اور یہ فراغت سے) کھاتے۔

ف

اہل کتاب میں سے یہود تو اسی ذلت و خواری میں رہ گئے اور انھوں نے اقامت توارات و انجیل میں کوئی کوشش نہیں کی۔ البتہ جب فطرت آلہیہ کی مرضی اور اس کی پیشنگوئی کے پورا ہونے کا وقت آیا تو نصاریٰ نے اپنے بخت کی مساعدت سے جنبش کی۔ توریت و انجیل کے قایم کرنے اس کے پھیلانے اور اشاعت دینے میں انھوں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا یہانتک کہ اسی غرض کیلئے شاہی صرفہ اور حکومت کی امداد سے دنیا کے گوشہ گوشہ اور زمین کے چپہ چپہ میں مسیحی مشنریاں قایم کیگئیں جو تورات و انجیل کو قایم کرتی، اس کو پھیلاتی، اس کی اشاعت کرتی اور اقوام عالم کو ان کی طرف مائل کرتی رہتی ہیں۔

جب مسیحیوں کی طرف سے اقامت کتب قدیمہ میں ایسی کچھ کوششیں ہوئیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا ہوگیا کہ واقعی رزق ان کے اوپر سے برستا اور پاؤں تلے سے ابلتا رہتا ہے آج دنیا کی کوئی قوم کشایش رزق میں عیسائیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

قرآن کی یہ زبردست پیشنگوئی کہ اہل کتاب کی کشایش رزق اور ان کی اقامت توریت و انجیل کا زمانہ ایک ہوگا اور دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ ہزار برس کے بعد پوری ہوئی۔

کوئی انسانی طاقت ایسی پیشنگوئی اور اس دعوے کیساتھ نہیں کر سکتی۔

پیشگوئی

(۱۱۶)

تمام لوگوں میں سے یہود اور مشرکین مسلمانوں کے سخت ترین دشمن رہیں گے

(۱۱۷)

دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں نصاریٰ مسلمانوں سے بہت قریب رہیں گے

جیسا کہ سورۃ المائدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّا نَصَارٰى ذٰلِكَ [illegible]

مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کے اعتبار سے تم یہود اور مشرکین کو سب لوگوں سے زیادہ سخت پاؤ گے اور مسلمانوں کیساتھ دوستی کے اعتبار سے سب لوگوں میں تم ان کو قریب تر پاؤ گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں (مسلمانوں کی طرف نصاریٰ کا یہ میلان) اس سبب سے ہے کہ ان میں علماء اور مشائخ ہیں اور نیز ا

قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	یہہ کہ یہہ لوگ تکبر نہیں کرتے۔

ف

یہ پیشنگوئیاں ہمیشہ ہر زمانہ میں پوری ہوتی رہیں اور اسوقت بھی ہم پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں۔

(۱)

دنیا میں ہزاروں قومیں ہیں۔ ہزاروں مذاہب ہیں۔ مسلمان سوائے یہود ونصاریٰ کے کسی دوسرے مذہب کو آسمانی نہیں سمجھتے اُن کے نزدیک جو مرتبہ نصاریٰ کا ہے وہ ہی یہود کا ہے اور ان کے سوا تمام مذاہب عالم ایک حکم میں ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ دنیا بھر میں یہود اور مشرکین ہی کے دو فرقے مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں۔

حافظ ابوبکر بن مردویہ نے اس آیت کی تفسیر میں چند ہم معنی حدیثیں روایت کی ہیں۔

حدثنا احمد بن محمد بن السری حدثنا محمد بن علی بن حبیب الساقی حدثنا علی بن سعید العلاف حدثنا ابو النصر عن الاشجعی عن سفیان عن یحییٰ بن عبد اللہ عن ابیہ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث بیان کی ہم سے احمد بن محمد بن سری نے (انھوں نے کہا) حدیث بیان کی ہم سے محمد بن علی بن حبیب رقی نے (انھوں نے کہا) حدیث بیان کی ہم سے علی بن سعید علاف نے (انھوں نے کہا) حدیث بیان کی ہم سے ابو نصر نے اشجعی سے انھوں نے سفیان سے انھوں نے یحییٰ بن عبد اللہ سے انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے ابو ہریرہؓ سے کہ کہا ابو ہریرہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ما خلا یهودی بمسلم الا ھم بقتلہ	کہ نہیں ملیگا کوئی یہودی کسی مسلمان سے مگر یہ کہ اس کے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا۔

مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں اور وہ جس صورت سے ہو مسلمانوں کو نقصان ہی پہونچانے کے درپے رہیں گے اور یہی حال مشرکین کا ہے جس کی دلیل میں اسوقت ہندوستان کے ہنود خصوص آریوں کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

جس طرح یہود اور ہنود کے ناموں میں لفظی مناسبت ہے ویسا ہی مسلمانوں کی دشمنی اور ان کو نقصان پہونچانے میں بھی دونوں متحد ہیں۔

ہندوستان کے ہنود تقریباً آٹھ سو نو سو برس تک مسلمانوں کے رعایا رہے اور اسلامی حکومت کے سایہ میں ان کو ہر طرح کی آزادی رہی، ہر طرح کا امن و آرام رہا مگر جب تک اسلامی حکومت قوی رہی، خوشامدی تعریفوں کا راگ تحریر و تقریر میں الاپتے رہے، حکومت کا مسلمانوں سے جانا تھا کہ خون کے پیاسے ہو گئے اور محسن کشی کا جامہ پہن لیا۔

ایسی احسان فراموشی کی نظیر سوائے یہود کے کسی دوسری قوم میں نہیں دیکھی گئی۔

(۳)

تمام مذاہب و اقوام میں سے صرف نصاریٰ ایک قوم ہے جس کو قرآن نے مسلمانوں کے ساتھ محبت میں قریب تر بتایا ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے مذہب میں خدا ترس لوگ ہیں اور ان کے عقائد میں بلا وجہ کسی کو نقصان پہونچانا روا نہیں ہے مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کے نزدیک یہود و نصاریٰ دونوں برابر ہیں اور مسلمان بلحاظ اختلاف و نوعیت مذہب، جیسے عیسائیوں کے نزدیک

پہنچتے یہودیوں کے نزدیک۔ مگر یہود کو اہل اسلام سے خاص بغض وعداوت ہے۔ حالانکہ نصاریٰ میں یہ بات نہیں ہے نہ وہ بلاوجہ مسلمانوں کو نقصان پہونچاتے نہ بے سبب بغض وعداوت رکھتے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام اہل مذاہب میں نصاریٰ ہی مسلمانوں سے محبت کا پاس کرتے ہیں

پیشگوئی

(۱۱۸)

کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ بھی خدا کی باتوں کو بدل نہیں سکتا

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبَاِ الْمُرْسَلِيْنَ

اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں تو انھوں نے لوگوں کے جھٹلانے پر اور انکی ایذا دہی پر صبر کیا۔ یہانتک کہ ہماری مدد انکو پاس آپہونچی اور کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ بھی خدا کی باتوں کا بدلنے والا نہیں ہے اور پیغمبروں کے حالات تو تم کو پہونچ ہی چکے ہیں۔

ما خلا یہودی بمسلم الا ھمّ بقتلہ	کہ نہیں ملیگا کوئی یہودی کسی مسلمان سے مگر یہ کہ اس کے قتل کرنے کا ارادہ کرے گا۔

مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں اور وہ جس صورت سے ہو مسلمانوں کو نقصان ہی پہونچانے کے درپے رہیں گے اور یہی حال مشرکین کا ہے جس کی دلیل میں اسوقت ہندوستان کے ہنود خصوصاً آریوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

جس طرح یہود اور ہنود کے ناموں میں لفظی مناسبت ہے ویسا ہی مسلمانوں کی دشمنی اور ان کو نقصان پہونچانے میں بھی دونوں متحد ہیں۔

ہندوستان کے ہنود تقریباً آٹھ سو نو سو برس تک مسلمانوں کے رعایا رہے اور اسلامی حکومت کے سایہ میں ان کو ہر طرح کی آزادی رہی، ہر طرح کا امن وآرام رہا مگر جب تک اسلامی حکومت قوی رہی، خوشامدی تعریفوں کا راگ تحریر و تقریر میں الاپتے رہے، حکومت کا مسلمانوں سے جانا تھا کہ خون کے پیاسے ہوگئے اور محسن کشی کا جامہ پہن لیا۔

ایسی احسان فراموشی کی نظیر سوائے یہود کے کسی دوسری قوم میں نہیں دیکھی گئی۔

(۳)

تمام مذاہب و اقوام میں سے صرف نصاریٰ ایک قوم ہے جس کو قرآن نے مسلمانوں کے ساتھ محبت میں قریب تر بتایا ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے مذہب میں خدا ترس لوگ ہیں اور اُن کے عقائد میں بلا وجہ کسی کو نقصان پہونچانا روا نہیں ہے مذہبی حیثیت سے مسلمانوں کے نزدیک یہود و نصاریٰ دونوں برابر ہیں اور مسلمان بلحاظ اختلاف و نوعیت مذہب، جیسے عیسائیوں کے نزدیک

نسبت یہودیوں کے نزدیک۔ مگر یہود کو ب

اس امر کی کافی دلیل

ہے۔ حالانکہ نصاریٰ میں یہ بات نہیں ہے نہ وہ بلا وجہ

ہے پاک صاف

ہے سبب بغض وعداوت رکھتے اور اس میں کوئی شبہ نہیں

یہ بات ہمار

میں نصاریٰ ہی مسلمانوں سے محبت کا پاس کرتے ہیں

ہوگا یا نہ

پیشگوئی

(۱۱۸)

کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ بھی خدا کی باتوں کو بدل نہیں سکتا

جیسا کہ سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ	اور تم سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں تو انھوں نے لوگوں کے جھٹلانے پر اور انکی ایذا دہی پر صبر کیا۔ یہانتک کہ ہماری مدد انکی پاس آپہونچی اور کوئی ہیکڑ سے ہیکڑ بھی خدا کی باتوں کا بدلنے والا نہیں ہے اور پیغمبروں کے حالات تو تم کو پہونچ ہی چکے ہیں۔

ماخلا یهودی بمسلم
الا همة بقتله

مطلب یہ ہی کہ یہودی ہے کہ خدا ہمیشہ اپنے پیغمبروں کا مددگار رہا ہے یہ اس کی عادت
ہو مسلمانوں کو نقصان ت بدلی نہیں جاتی تو تم کو پچھلے پیغمبروں کے حالات سے تسلی رکھنی
جس کی دلیل میں اس ح اللہ تعالیٰ تمہاری مدد بھی کرے گا دین اسلام کو غلبہ دیگا اور یہ یاد رکھو
ہیکڑ ے ہے ہیکڑ خدا کی ان باتوں کو بدل نہیں سکتا۔
جس طرح
دشمنی اور ان کو یا جانتی ہے کہ خدا نے جیسا فرمایا ویسا ہی ہو کر رہا اور کوئی زبردست سے زبردست
اپنا اس کا ایک شوشہ یا ایک شمہ بھی غلط یا تبدیل نہ کر سکا۔
اور اسلام
رہا مگر جب

پیشگوئی

(۱۱۹)

خدا مسلمانوں میں امتیاز پیدا کردیگا

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ	مسلمانو! اگر تم اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کردے گا اور تمہارے گناہ تم سے دور کردے گا اور آخرکار تم کو بخشدے گا۔

اس امر کی کافی دلیل ہے پاک صاف

ف

ایک معترض اعتراض کرسکتا ہے کہ کسی حکم میں شرط لگانا پسندیدہ ہے جو عواقب امور سے جاہل ہے خدا کیلئے یہ بات ہمارے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے اور اس امر سے خبردار ہے کہ ایسا ہوگا یا نہیں پھر یہ کہنا کہ اگر تم ڈرو گے تو تمہاری بخشایش ہوگی ؟ یعنی کیا۔

پہلا جواب

شرط و جزا سے صرف اتنا ہی فائدہ اور اتنا ہی معلوم کرانا منظور ہے کہ یہ شرط اس جزا کو مستلزم ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں مثلاً یہ کہ "اگر تم ڈرو گے تو تمہارا گناہ بخشدیا جائے گا" اس سے فقط یہ بتلانا مقصود ہے کہ اتقا کو گناہ کی بخشایش لازم ہے جو شخص خدا سے ڈریگا وہ ضرور بخشا جائے گا رہی یہ بات کہ کہنے والے کو اتقا کا علم ہے یا نہیں قول قائل سے مستفاد نہیں ہوتی۔

دوسرا جواب

اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ قول مذکور مفید شک ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کو خود اس بات میں شک ہے کہ مخاطب اتقا کرے گا یا نہیں ؟ تو بھی کوئی حرج نہیں ہے جو شان الوہیت کے منافی ہو کیونکہ حقیقت میں خدا تو عالم معلومات ہے مگر بعض امور جزا میں اپنے بندوں سے شک کرنیوالوں کا سا معاملہ کرتا ہے

ما خلا یهودی بمسلم ... لوں کا ایسا معاملہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقعی وہ
... لہ اسوقت ہمارے منصب سے خارج ہے اس لیے
الا هم بقتله ... ہے۔

مطلب یہ ہے کہ یہود ... میں امتیاز پیدا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ تمام باتوں میں کافروں سے
ہو مسلمانوں کو نقل ... گے۔

ایک امتیاز تو آخرت کا ہے سو وہ ظاہر ہے کہ مسلمان بوجہ اپنے ایمان کے وہاں آرام و آسایش میں رہیں گے اور کفار اپنی بد اعمالیوں کی پاداش بھگتینگے۔

دوسرا۔ امتیاز دنیا کا ہے اور یہ دو طرح پر ہے ایک وہ جو قلب سے متعلق ہے یعنی مسلمانوں کو ہدایت و مغفرت سے ممتاز اور ان کے دلوں کو دنیاوی آلائشوں سے صاف کر دیا جائے ان میں بغض، حسد، کینہ، نفاق اور باہمی مخالفت وغیرہ اخلاق ذمیمہ باقی نہ رہیں۔

دنیا کا دوسرا امتیاز وہ جو ظاہری حالت سے متعلق ہے کہ مسلمانوں کو غلبہ اور فتح و نصرت سے ممتاز فرمادے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ہر قسم کے امتیاز سے مسلمانوں کو عزت بخشی اور وہ ہر بات میں کافروں سے ممتاز اور نمایاں طور پر ممتاز ہو گئے۔

فتح و ظفر کا امتیاز تو ظاہر ہے جو مسلمانوں کو ہر موقع پر کفار عرب کے مقابلہ میں حاصل ہوتا رہا۔ اور جس کو ناظرین اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔ قلبی امتیاز بھی اہل اسلام کو اسقدر دیا گیا جس سے زیادہ ملنا قیاس میں نہیں آتا۔ یہانتک کہ جن دو فرقوں میں جانی دشمنی تھی ایک دوسرے کی جان کا لاگو تھا مسلمان ہونے کے بعد دونوں نہ صرف بھائی بھائی دوسرے

ہو گئے۔ بلکہ ایک دوسرے کا خیرخواہ اور سچا غمگسار ہو گیا یہی اس امر کی کافی دلیل ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی آلائشوں سے پاک صاف کر دیا، اور جو کچھ بھی وہ صرف بشریت تھی جو لازمہ انسانیت ہے۔

عکرمہ بن ابی جہل، ابوسفیان بن حرب اور عمرو بن سہیل وغیرہ کے حالات ہمارے دعوے کو صحیح ثابت کریں گے۔ جو اوپر کسی پیشینگوئی کے تحت میں ہم لکھ چکے ہیں۔

پیشینگوئی

(۱۲۰)

اصحاب رسول ایک اندھے فتنہ میں مبتلا ہونگے

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً۔	اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو خاص کر ان ہی لوگوں پر نہیں نازل ہوگا جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے (بلکہ بیگناہ بھی اس کی زد میں آجائیں گے)۔

ف

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک حدیث روایت کی ہے جو قریب قریب اس آیت کریمہ کی شرح و تفسیر ہے۔

حدثنا ابو اليمان اخبرنا شعيب عن الزهري اخبرني ابو سلمة بن عبد الرحمٰن ان ابا هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ستكون فتن القاعد فيها خير من القائم والقائم خير من الماشي والماشي خير من الساعي ۔

حدیث بیان کی ہم سے ابوالیمان نے انھوں نے کہا خبردی ہمکو شعیب بن زہری سے (انھوں نے کہا) خبردی مجھکو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہ البتہ ابوہریرہؓ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (میرے بعد) عنقریب فتنے برپا ہوں گے کہ اس میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا اور کھڑا ہونیوالا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنیوالے سے بہتر ہوگا۔

آیت میں اللہ تعالےٰ نے ایک ہونیوالے فتنہ کی خبردی اور یہ بتاکر کہ اس اندھے فتنہ کا اثر مجرم اور بے گناہ سب پر پڑے گا، صحابہ کو اس سے بچنے اور دور رہنے کی ہدایت فرمائی ۔

یہ اندھا فتنہ جنگ جمل کا تھا جو ام المومنین عایشہ صدیقہ اور امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے درمیان ۳۶؁ ہجری میں واقع ہوئی اور جس میں تقریباً بیس ہزار مسلمان مارے گئے۔ امیرالمومنین عثمان بن عفانؓ کو باغیوں نے ظلم سے شہید کیا اور انہیں بلوائیوں نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا تا اُن کی حمایت میں مخلوق کی دار وگیر سے محفوظ رہیں۔ مدینہ کے اکثر لوگوں نے بلوائیوں کے دباؤ سے حضرت علیؓ کی بیعت کرلی مگر بعض اکابر مہاجرین وانصار اسامہ بن زید بن حارثہ سعد بن ابی وقاص عبداللہ بن عمر اور محمد بن سلمہ وغیرہ نے بیعت سے انکار کیا اور سب الگ ہوکر گوشہ عافیت میں جا بیٹھے۔

جناب علی مرتضیٰؓ نے ان سب بزرگان صحابہ کو طلب فرماکر کہا کہ عام وخاص لوگوں نے

مجھکو امام جائز تسلیم کرکے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے آپ لوگوں کو بھی اس اتفاق میں شرکت کرنی اور اس مہم میں میری مدد کرنی چاہیئے۔

صحابہ نے متفق اللفظ ہوکر جواب دیا کہ ہم کو بیعت کرنے میں عذر نہیں ہے مگر آپکے عہد میں ہمکو ہر طرف سے بوئے خونریزی آتی ہے پس اگر ہماری بیعت لینے سے یہ مقصود ہے کہ ہم آپ کے لشکریوں میں شامل ہوکر آپکے مخالفین سے جنگ کریں تو ہمکو عذر ہے ہم اس صورت میں مکان سے باہر قدم نہ رکھیں گے اسلام پر تلوار نہیں اٹھائیں گے اہل قبلہ اور کلمہ گویوں کو نہیں ماریں گے اس لیئے کہ ہم نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جب میرے اصحاب میں اختلاف واقع ہو اور ایک دوسرے پر تلوار کھینچے تو اسوقت اچھے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی تلواریں احد کے پہاڑ پر پٹک دیں اور جب تلواریں ٹوٹ جائیں تو اپنے اپنے گھر بیٹھ رہیں۔

غرض ان اکابر صحابہ نے جنگ پر بیعت نہ کی اور گھروں کو واپس ہوگئے۔

نعمان بن بشیر انصاری بنی امیہ کی ایک جماعت لیکر شام میں حضرت معاویہ کے پاس آیا حضرت عثمان رضی کی محترم بی بی نائلہ کا کٹا ہوا ہاتھ اور خلیفہ کا خون آلودہ پیراہن منبر پر رکھدیا اور مظلوم امام کے قتل کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بنی امیہ اور شام والے یہ دل دہلا دینے والا واقعہ سنکر آپے سے باہر ہوگئے اور اس رنج وحزن میں ایک سال تک اس خون آلود قمیص کے گرداگرد بیٹھ کر روتے رہے ساٹھ ہزار مسلمانوں نے جمع ہوکر قسم کھائی کہ جب تک عثمان رضی ذی النورین کے خون کا انتقام نہ لیلیں کبھی روٹی نہ کھائیں گے اور نرم بستر پر نہ سوئیں گے۔

قتل عثمان کے بارہ میں ہر طرف خلق اللہ نے واویلا مچایا کہ علی رضی قاتلان عثمان رضی کو قصاص میں قتل کیوں نہیں کرتے اور ان بلوائیوں کو اپنی پناہ میں کیوں رکھا ہے اس کے جواب میں ایک روز منبر پر چڑھ کر حضرت علی نے مجمع عام کے

سامنے فرمایا کہ بلا شبہ عثمانؓ بن عفان امام برحق تھے۔ وہ مظلوم مارے گئے ان کے قصاص میں قاتل کا مارا جانا ضروری ہے لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عثمان کے جائز وارث خود آکر محکمہ شرعیہ میں باضابطہ دعویٰ کریں اور اپنے دعوے کا کافی ثبوت پیش کریں۔

حضرت علیؓ کے اس ناکافی جواب سے حاضرین کی کچھ تسکین نہیں ہوئی درحالیکہ بلوائیوں کے دو سرداروں (محمد بن ابی بکر و مالک اشتر) میں سے محمد بن ابی بکر آپ کے متبنیٰ تھے اور مالک وزیر و مشیر تھا۔

آخر طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جنہوں نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی۔ انھوں نے بھی بیعت توڑ ڈالی اور ام المومنین عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور ان لوگوں کے برانگیختہ کرنے سے جناب صدیقہؓ نے حضرت علیؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد بن ابی بکرؓ نے بہت کچھ بلوائیوں کا ہاتھ بٹایا ہے۔ یہ ان کا عقل کل اور بانی فساد ہے اہل دنیا اس کو قاتل عثمانؓ کہتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اگر وہ قاتل نہیں ہے تو قتل امام میں شریک ضرور رہا ہے محمد بن ابی بکر میرا بھائی ہے تم اس کو میرے حوالے کر دو سارا معاملہ یہیں ختم ہو جاتا ہے حضرت علی نے بحیثیت خلیفہ ہونے کے محمد بن ابی بکر کی حوالگی سے انکار فرمایا اور جناب صدیقہ کے پیام کا وہی جواب دیا جو امیر معاویہ کو دیا گیا۔

بیچ کے مفسدوں اور بانیان فتنہ نے عائشہؓ اور علیؓ کو آپس میں ملنے نہ دیا حضرت علیؓ ظاہر میں خود مختار تھے مگر حقیقت میں بلوائیوں سے مغلوب تھے جو ان کو اپنے محاصرہ سے نکلنے نہیں دیتے تھے بنو امیہ علیؓ کو قتل عثمانؓ میں قصوروار سمجھتے تھے اور واقعات بھی ایسے ہی پیچ در پیچ تھے جب ام المومنین عائشہ کو حضرت علیؓ کی طرف سے ناکامی ہوئی کہ وہ اس معاملہ کی کوئی یکسوئی نہ کریں گے تو انھوں نے

[illegible] کی راستے سے شام کا رخ کیا تا امیر معاویہ کی مدد سے خون عثمانؓ کا قصاص لیں حضرت علیؓ کو خبر پہنچی تو آپ نے مزاحمت کی اور آخر بلوائیوں کی چالبازی سے جنگ چھڑ گئی جو بعد کو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی اور اس میں بہت سے مسلمان و صحابہ کام آئے۔

حضرت طلحہ اور زبیرؓ کبار صحابہ باوجود اس کے کہ آخر میں جنگ و طرفداری سے کنارہ کش ہو چکے تھے مگر پھر بھی اس فتنہ کی زد سے بچ نہ سکے اور سب نے جام شہادت پیا۔ درحقیقت بانی فساد اور گردن زدنی مجرم تو باغی و بلوائی تھے لیکن آخر آخر اس فتنہ کی زد میں گناہ بیگناہ سب آ گئے اور رفتہ رفتہ اور بہت سے فساد برپا ہو گئے جنگ صفین و جنگ نہروان اس کی شاخیں تھیں اور ان سارے فتنوں کا اختتام جناب علی مرتضیٰؓ کی شہادت پر ہوا یہی اللہ تعالیٰ کی پیشینگوئی تھی کہ تم لوگ اس آنیوالے فتنہ سے کنارہ رہنا کیونکہ اس کی زد میں صرف مجرم ہی نہیں آئیں گے بلکہ مجرم غیر مجرم سب اس سے متاثر ہو جائیں گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ البتہ وہ کبار صحابہ جو شروع ہی سے الگ رہے اس فتنہ کی زد سے بال بال محفوظ رہے۔

ہم نے ان واقعات کو اپنی کتاب ''بارہ امام'' حصہ اول میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔

پیشینگوئی

(۱۳۱)

سنہ ۹ ہجری کے بعد مشرکین کعبہ میں نہ آسکیں گے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا

مسلمانو! مشرک تو (نرے) گندے ہیں تو اس برس (۹ سنہ ہجری) کے بعد (ادب و) حرمت والی مسجد (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

ف

ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ سے مکہ میں عام منادی کرادی کہ اب آئندہ مشرکین سے ہم مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں۔ جن سے صلح ہے اور انھوں نے شرائط صلح کو نہیں توڑا انکے ساتھ مدت صلح تک صلح برقرار رہے گی۔ جنھوں نے شرائط صلح کو توڑ دیا ہے یا جن کے ساتھ صلح نہیں ہے ان کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس مدت میں وہ مسلمانوں کی اطاعت اختیار کریں یا لڑنے کے لئے آمادہ ہوجائیں۔ آخر تمام مشرکین اور اُن کے بتوں کی گندگی سے کعبہ کا مقدس مقام پاک وصاف ہو گیا اور اس وقت تک نہ پھر اس طاہر گھر پر مشرکین کا قبضہ ہوا نہ اس کے گرد پاس پھٹکنے پائے وہ چوری چھپے کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں جا پڑے تو اس کا کوئی حساب نہیں۔ نہ اس کو جانا کہہ سکتے ہیں۔

پیشنگوئی

(۱۳۲)

کفار کی گردنوں میں طوق ذلت پڑے گا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ وَاُولٰئِکَ الْاَغْلَالُ فِیْ اَعْنَاقِھِمْ وَاُولٰئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خَالِدُوْنَ۔

یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑیں گے اور یہی لوگ ہیں دوزخی کہ یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری آیت سورۃ المومن میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِالْکِتَابِ وَبِمَا اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ اِذِ الْاَغْلَالُ فِیْ اَعْنَاقِھِمْ وَالسَّلَاسِلُ یُسْحَبُوْنَ فِی الْحَمِیْمِ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسْجَرُوْنَ۔

وہ لوگ جو کتاب (قرآن) کو جھٹلاتے ہیں اور ان (کتابوں اور صحیفوں) کو بھی جھٹلاتے ہیں جو ہم نے اپنے پیغمبروں کی معرفت بھیجے ہیں سو آخرکار ان کو (اس جھٹلانے کا نتیجہ) معلوم ہوجائے گا۔ جب کہ طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں (پاؤں میں ہوں گی) گھسیٹتے ہوئے ان کو جلتے پانی میں لیجائیں گے۔ پھر (آخرکار) آگ میں جھونکے جائیں گے۔

ف

دوسری آیت کے ظاہر الفاظ سے دنیا میں واقع ہونے والی پیشنگوئی نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ وہ قیامت سے متعلق ہے البتہ پہلی آیت میں جو پیشنگوئی کیگئی ہے وہ دنیا ہی سے متعلق ہے اور وہ کفار کے حق میں پوری ہو بھی گئی۔

غزوات بدر و خندق وغیرہ میں ائمۂ کفر و شرک اور سرداران عرب شکست فاش کھا کر مسلمانوں کے قیدی بنے۔ ان کی گردنوں میں قیدیوں کا طوق ڈالا گیا۔ ذلت کی حراست میں رکھے گئے۔ پھر ان میں سے بعض کو تو قتل کر دیا گیا۔ بہتوں کو فدیہ لیکر رہا کر دیا گیا۔ اور بعض[1] کو مسلمانوں نے رحم کھا کر چھوڑ دیا۔

پیشگوئی

(۱۲۳)

مسلمانوں کیلئے بہتری ہی بہتری ہے

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں تین مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى	جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا کہا مانا ان کے حق میں بہتری (ہی بہتری) ہے۔

دوسری آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ	جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور (ان کا) آخری ٹھکانا (تو اس سے بھی) کہیں بہتر ہے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۲

تیسری آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لیئے بہتری (ہی) ہے اور خدا کی زمین بہت کشادہ ہے وہ تو صبر ہی کے بندے ہیں جن کو ان کا اجر بے حساب بھر دیا جائیگا

ف

پہلی آیت (سورۃ الرعد کی) معرض اختلاف میں ہے کہ آیا وہ مکی ہے یا مدنی ہے مگر دوسری دو آیتیں بالاتفاق مکی ہیں جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں۔

مکہ معظمہ میں اہل اسلام بڑی تکلیف و عسرت میں تھے۔ اس لئے ان کو ان الفاظ میں تسلی دی گئی کہ تم گھبراؤ نہیں! تمہارا درجہ آخرت میں تو بڑا ہے ہی دنیا میں بھی تمہارے لئے بہتری ہی بہتری ہے۔ اور یہ ہو کے رہا۔ وہ کونسی دنیاوی بہتری ہے۔ کونسا آرام ہے جو بالآخر صحابہ کو نہیں حاصل ہوا۔ اور کونسی خوشی تھی جو انہیں نصیب نہیں ہوئی۔

آخر میں یہ جو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ خدا کی زمین بہت کشادہ ہے وہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بالفعل اگرچہ دنیا مسلمانوں پر تنگ ہے مگر آخر انہیں پر زمین کشادہ ہو رہے گی۔ اور انہیں کی سلطنت قایم ہوگی۔ اور یہ سب کچھ ہو کے رہا کما ھو ظاھر۔

پیشگوئی

(۱۲۴)

اسلام کی جڑ مضبوط ہے اور وہ پھلدار درخت کیطرح ہمیشہ پھل لاتا رہے گا

جیسا کہ سورۂ ابراہیم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا۔

(اے پیغمبر!) کیا تم نے (اس بات پر) نظر نہیں کی کہ خدا نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی اچھی مثال دی ہے کہ (اسلام) گویا ایک پاکیزہ درخت ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمہ وقت اپنے پھل لاتا رہتا ہے۔

ف

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالےٰ نے اسلام کو ایک ایسے درخت سے تشبیہ دی ہے جس میں چار صفتیں ہیں۔

اول:۔ اس درخت کا پاکیزہ ہونا اور پاکیزگی درخت کی کئی طرح پر ہوتی ہے ایک یہ کہ منظر اور ظاہری صورت وشکل میں اچھا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ

خوشبو میں پاکیزہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اس کے پھل اچھے اور مزیدار ہوں۔ چوتھے یہ کہ نفع وفائدہ میں بہتر ہو۔ جس درخت میں یہ چاروں صفات ہوں وہ اعلیٰ درجہ کا پاکیزہ درخت ہے۔

دوسری صفت

درخت کی یہ بیان فرمائی کہ اس کی جڑ مضبوط ہے۔ باقی رہنے والا ہے اسکو زوال نہیں ہے اور یہ ایک بڑی صفت ہے کیونکہ جو چیز ضائع ہونیوالی ہے وہ جتنی بہتر ہوگی اتنا ہی اس کے ہاتھ سے جانیکا رنج وغم بھی ہوگا۔

تیسری صفت

یہ بیان فرمائی کہ اس درخت کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں اور یہ درخت کی کمال خوبی ہے کیونکہ درخت اور اس کی شاخوں کا بلند ہونا اس کی جڑ کی مضبوطی اور اس کے راسخ العروق ہونیکی دلیل ہے۔ علاوہ اس کے درخت جتنا زمین سے بلند ہوگا اتنا ہی زمین کی گندگی اور عفونات ارضی سے کم متاثر ہوگا۔ اور ایسی حالت میں پھلوں کا صاف وپاکیزہ اور مزیدار ہونا ضروری ہے۔

چوتھی صفت

یہ بیان فرمائی کہ وہ ہمیشہ پھل لاتا رہتا ہے یہ نہیں کہ بعض دوسرے درختوں کیطرح کبھی پھل لائے کبھی نہ لائے۔

اسلام میں یہ چاروں صفتیں بدرجۂ اکمل واتم ہیں اور اس بیان کے لئے اگرچہ طویل صراحت درکار ہے تاہم کچھ نہ کچھ لکھنا واجب ہے۔

اول - پاکیزگی درخت کیلئے جو چار اوصاف درکار ہیں اسلام کو ان سب سے مناسبت ہے صورت وشکل میں اچھا ہے یعنی وہ ایک سیدھا سادہ مذہب ہے جس میں کوئی بات خلاف عقل وفطرت نہیں ہے مثلاً مجوس دو خداؤں کے قائل ہیں، ایک خالق خیر، دوسرا خالق شر، نصاریٰ کے مذہب میں وجود باری تعالیٰ کا عجیب وغریب عقیدہ ہے کہ ہیں تو تین ذات مگر تینوں خدا ملکر ایک خدا کے حکم میں ہیں تثلیث فی التوحید، توحید فی التثلیث - اور یہ ایسا مسئلہ ہے جسکو آجتک نہ خود نصاریٰ نے سمجھا نہ کسی کو سمجھا سکے - اور سمجھیں سمجھائیں کیا خاک - وہ عقل میں آنیوالی بات بھی تو ہو - اسلام میں ایسا کوئی پیچیدہ عقیدہ نہیں ہے - جسطرح خوشبو، انسان کے قلب کو خواہ مخواہ اپنی طرف مائل کرلیتی ہے اسی طرح اسلام کی سچی اور پاکیزہ ہدایات کے خوشبودار پھولوں نے اہل عالم کو اپنا گرویدہ بنا لیا کہ بلا کسی زور وظلم کے سمجھدار لوگ خود صدق دل سے مسلمان ہونے لگے جس کا سلسلہ الی الآن جاری ہے مذاہب اسلام کے پھل اس کی روحانی احکام وہدایات ہیں جو دنیا اور عقبیٰ دونوں جگہ اپنے ماننے والوں کو لذت وراحت بخشنے والے ہیں - رہا اسمیں فائدہ ومنفعت کا ہونا وہ اسی سے ظاہر ہے -

دوم - جڑ کے مضبوط ہونے میں درخت کے ساتھ اسلام کی مناسبت بہت درست اور مطابق واقعہ ہے اور یہ پیشینگوئی تیرہ سو برس سے اسوقت تک تاریخ ومشاہدہ دونوں سے صحیح ثابت ہے - اور ہو رہی ہے کیونکہ اسلام کی جڑ کا مضبوط ہونا خود اس کے زبردست وجود سے ظاہر ہے -

سوم - درخت کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ اس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں - اور یہ نہایت درجہ کامل تشبیہ ہے اس لئے کہ اسلام آسمانی مذہب اور عظمت وحرمت میں دنیا کے تمام مذاہب سے اعلیٰ درجہ پر ہے تو

گویا وہ ایسے درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ زمین میں قائم ہے اور ٹہنیاں آسمان تک پہونچی ہوئی ہیں اور واقعی ہے بھی ایسا ہی۔ نیز اس وجہ سے کہ جس طرح درخت کی بلندی اس کو زمین کی گندگی و تعفونت سے محفوظ رکھتی ہے، اسلام اپنے منجانب اللہ ہونے اور تائید آسمانی سے اہل عالم کی دستبرد اذیت کو اپنے تک پھٹکنے نہیں دیتا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو نقصان پہونچا لے۔

چہارم۔ درخت کی چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ پھل لاتا رہے اسلام اس وصف میں کمال درجہ پر ہے باوجود اس کے کہ مسیحی مشنریان مسیحیت کے پھیلانے میں جاو بیجا ہر طرح کی کوششیں جان توڑ کر، کرتی ہیں، اسلام اس پر ہمیشہ غالب رہا ہے اور یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ بلا کسی کوشش کے دنیا والے خود بخود اسکی حقانیت سے متاثر ہو کر اس کے دامن میں لپٹتے چلے جاتے ہیں۔ اور انشاء اللہ اسلام کا یہ درخت اسی طرح ہمیشہ پھل لاتا رہے گا۔

پیشنگوئی

(۱۲۵)

شرک وکفر کی مثال پھسپھسے درخت کی سی ہے جس کو نہ کچھ ٹھہراؤ ہے نہ جڑ مضبوط ہے

جیسا کہ آیت گذشتہ کے بعد ہی ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةِ ۨ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ	اور گندی بات (شرک) کی مثال گندی درخت کی سی ہے کہ (جب چاہا) زمین کے اوپر (اوپر) سے اکھاڑ پھینکا اس کو کچھ ٹھیراؤ تو ہے نہیں۔

ف

عرب کے شرک وبت پرستی کی یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ ہر گھر کا علیحدہ بت علیحدہ خدا قرار پا گیا اور عورت تک کو جو مردوں سے بھی گئی گذری ہیں — خدائی قدرت دیدی کوئی درخت اس عقیدہ سے زیادہ کیا بودا پھسپھسا ہو سکتا ہے کہ پتھر لکڑی کے بت جو نہ بول سکتے نہ سن سکتے نہ دیکھ سکتے نہ کسی مصرف کے ہیں۔ ان کو قدرت والا خدا مانا جائے مطلب یہ ہے کہ ایسی بودی کمزور چیز اسلام جیسی زبردست چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتی غالب ہونا تو بڑی بات ہے اور ایسا ہی ہوا کہ اسلام کا درخت جو مضبوط جڑ لیکر نمایاں ہوا تھا، خدا نے نشو ونما پاکر بلند ہوا، پھلا، پھولا، اور دنیا اس کے پاکیزہ مزیدار پھلوں سے سیر ہوئی اور ضلالت کی دھوپ کے جلے ہوئے اس کے سایہ میں آرام لینے لگے اور کفر و شرک کا پھسپھسا درخت جلکر اکھڑا تو ایسا اکھڑا کہ اب اس کا نشان تک باقی نہیں دنیا کا کوئی مذہب جب اسلام سے دوبدو مقابل ہوا، منہ کی کھائی اور اسلام ہمیشہ سے اپنی اسی شان پر قائم ہے اور اسی فتحمندی کیساتھ ہمیشہ قائم رہے گا۔ تمام دنیا کی متفقہ قوت بھی اس کو ذرہ برابر کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتی۔

پیشینگوئی

(۱۲۶)

پیغمبر کی ہنسی اڑانیوالوں سے اللہ خود سمجھ لیگا

جیسا کہ سورۃ الحجر میں ہے جہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ۔

پس (اے پیغمبر!) تم کو جو حکم دیا گیا ہے اسکو کھول کر سنا دو۔ اور مشرکین کی مطلق پروا نہ کرو۔ یہ لوگ جو (تم پر) ہنستے (اور) خدا کیساتھ دوسرے دوسرے معبود قرار دیتے ہیں تمہاری طرف سے ہم ان (کی سزا دہی) کو بس کرتے ہیں تو آگے چل کر ان کو معلوم ہو جائے گا۔

ف

یہ کل بیس۲۰ دشمن تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ کرام کی ہنسی اڑاتے تھے راہ بے راہ انپر آوازے کستے تھے طعن و تشنیع کرتے تھے ان کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے اور انواع و اقسام کی ایذائیں پہونچاتے رہتے تھے اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ سے فرمایا کہ ان ہنسی اڑانیوالے مشرکین کی کچھ پروا نہ کرو۔ تم کو جو کچھ احکام دربار الہی سے ملے ہیں بلا کسی پس وپیش کے ان کی تبلیغ کرتے رہو ان ٹھٹھا

کرنیوالوں کو تو اپنا انجام اب عنقریب معلوم ہو جائے گا۔

۱ ابولہب

یہ رسول اللہ صلی اللہ صلعم کا چچا اور آپ کے دشمنوں میں نمبر اول تھا۔ جنگ بدر میں جب دشمنان اسلام کو شکست فاش ہوئی تو اسپنے یاروں کی ہزیمت کی خبر سنکر چند دنوں کے بعد عدسہ کی بیماری میں دار البوار کو سدھارا۔ اس کے مرنیکا تفصیلی واقعہ ایک مستقل پیشنگوئی میں لکھا جا چکا ہے ؏۱

۲ اسود بن عبد یغوث

بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ۔ یہ کمبخت رسول اللہ صلعم کے ماموں کا بیٹا تھا فقرۂ مسلمین کے دلوں کو اپنے طعنوں کے تیر سے شق کرنا اس کا پیشہ تھا ایک روز دوپہر کو گھر سے نکلکر کہیں جا رہا تھا۔ راہ میں باد سموم کی لو نے آلیا۔ چہرہ سیاہ ہو گیا۔ جھلسا ہوا منہ لیکر گھر واپس آیا تو گھر والوں میں سے کسی نے پہچانا نہیں اور سب نے ڈر کر دروازہ بند کر لیا۔ دشمن خدا پیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر باہر مر گیا۔ ؏۲

۳ حارث بن قیس

حارث بن قیس ابن عدی بن سہم السہمی۔ یہ حارث ان لوگوں میں سے ہے

؏۱و۲ ابن اثیر ۱۲

جو رسول خدا کی ہنسی اڑانے اور آپ کو ایذا پہنچانے کیلئے مشہور تھے اس کی
نالائق بت پرستی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ راہ چلتے چلتے کوئی خوبصورت سا پتھر
مل گیا تو اٹھا کر گھر لایا اور اس کو خدا بنا کر پرستش کرنے لگا پھر اس سے اچھا کوئی اور پتھر ملا تو
اگلے کو پھینک کر دوسرے پتھر کی پرستش کرنے لگا غرض کہ رسول کو چڑانے کے واسطے دن بھر
میں بیسوں خدا کو پوجتا بیسوں کو خدائی سے معزول کرتا تھا برائے شگون کے لیے ناک کٹانا اس کا کام تھا
ایک روز نمک بھری ہوئی مچھلی کھا گیا۔ اس سے نہ معلوم کیا بات پیدا ہوئی کہ
پیاس کی بیماری میں مبتلا ہوا اور پانی پیتے پیتے جہنم کو روانہ ہو گیا۔ ؎۱

ولید بن مغیرہ

ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم۔ اس کی کنیت ابو عبدالشمس تھی۔ قبیلہ خزاعہ
کے کسی شخص کے ساتھ جا رہا تھا۔ راہ میں کانٹے پر پاؤں پڑ گیا جس نے پاؤں
کو چھید دیا آخر اسی تکلیف میں پاؤں رگڑ رگڑ کر ہجرت کے تین مہینے بعد دنیا کو اپنے
منحوس وجود سے خالی کر گیا۔ ؎۲

۵

امیہ بن خلف

اس موذی کو جنگ بدر میں خبیب یا زراعہ بن رافع انصاری رضی اللہ عنہما نے
تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ؎۳

؎۱ تا ۳ ابن اثیر ۱۲۔

اُبَیّؓ بن خلف

یہ دشمن خدا ، امیہ کا بھائی اور اسلام کی دشمنی میں اس کا برابر کا شریک تھا۔ جنگ احد میں اس نے ہمارے سید و مولے صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت حملہ کیا مگر ناکام رہا اور ساتھ ہی رسولؐ خدا کے تُلے ہوئے ہاتھ نے اس کا کام تمام کر دیا۔

ابو قیسؓ بن فاکہ[1]

ابو قیس بن فاکہ بن المغیرہ اپنی برادری میں بہت ممدوح تھا کہ وہ پیغمبر خدا کو خوب خوب ایذا پہونچاتا ہے اور اس ایذادہی میں وہ ابوجہل کا یار اور مخلص کہا جاتا تھا جنگ بدر میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سید الشہدا نے اس کا کام تمام کر دیا۔

عاصؓ بن وائل

عاص بن وائل سہمی شیطان ، حضرت عمرو بن العاص جیسے جلیل القدر صحابی کا باپ تھا سچ ہے کبھی شیطان کے گھر میں ولی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ عاص بن وائل گدھے پر سوار جارہا تھا کہ مکہ کی کسی غار کے پاس گدھے نے ٹھوکر کھائی

---

[1] ابن اثیر ۱۲

سوار صاحب پیچھے پر سے گر کر غار میں جا رہے[۵] گرتے ہی پاؤں میں بچھو نے ڈنک مارا۔ وہیں سے واپس ہو کر مکان پہونچا دوا نے بچھو کے زہریلے مادہ پر کچھ اثر نہ کیا اور پاؤں پھول کر اونٹ کی ران برابر ہو گیا۔ آخر ہجرت کے دوسرے مہینہ پچاسی برس کی عمر میں تکلیف کی تاب نہ لاکر اپنے ناری اور اصلی موطن کو چل بسا اور دوسرے شیاطین کو اپنی ماتمداری میں چھوڑ گیا۔

نضر بن حارث[۹]

نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدی بن عبد مناف بن عبد الدار۔ اسکی کنیت ابو قائد اور رسول خدا کے ستانیوالوں کا استاد تھا۔ یہ وہی حضرت ہیں جو صرف نئے مسلمانوں کو بہکانے کی غرض سے ایران گئے۔ وہاں سے رستم و اسفندیار کی واہی تباہی کہانیاں جمع کر کے لائے اور مکہ میں سب کو سنا سنا کر بڑے فخر سے کہا کرتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد و ثمود وغیرہ کی داستانیں سناتا ہے تو میں تم کو اس سے کہیں بہتر داستان رستم و اسفندیار وغیرہ کی سناتا ہوں۔ آخر جنگ بدر میں شیر خدا (علی بن ابیطالب رض) نے اس کا سر قلم کیا[۱۲]

ابو جہل[۱۰]

اصل میں اس کا نام عمرو بن ہشام مخزومی اور کنیت ابو حکم تھی[۱۳]۔ غایت جہل و حسد

[۱۲ و ۱۳] ابن اثیر ۱۲۔

اور رسول اللہ صلعم کی حد سے گذری ہوئی عداوت نے ابوجہل کا مناسب خطاب اس کو عطا کیا اور وہی مشہور ہو گیا۔ رسول خدا کی عداوت، اسلام کی بربادی، مسلمانوں کی ایذا میں اس کے کارنامے بہت دلچسپ ہیں جنھوں نے فرعون وقارون ہامان و نمرود، وغیرہ کی داستانوں کو بھی گرد کر دیا انہیں کارناموں نے ابوجہل کے نام کو ایسی شہرت دی کہ دنیا کا بچہ بچہ اس سے واقف نظر آتا ہے۔ ع بدنام اگر ہونگے تو کیا نام نہ ہوگا۔ یہی کمبخت حضرت سمیہ ام عمار بن یاسر رضؓ کا سفاک قاتل ہے جنگ بدر میں عفراء کے بیٹوں نے بڑی ذلت وخواری سے اس کو قتل کیا اور مسلمانوں کو اس کے واصل جہنم ہونے سے بہت مسرت ہوئی۔

منبہ بن حجاج [۱۱]

اس گردن زدنی کو علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ نے جنگ بدر میں قتل کیا [۱]

عاص بن منبہ [۱۲]

منبہ بن حجاج اور عاص بن منبہ دونوں باپ بیٹے ایک کے بعد ایک حضرت علیؓ کی تلوار کی بھینٹ چڑھے [۲]

زہیر بن ابی امیہ [۱۳]

[۱] [۲] ابن اثیر ۱۲-

یہ زہیر ام المومنین ام سلمہؓ کا بھائی ہے اس کی موت میں اختلاف ہے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ وہ جنگ بدر کے قیدیوں میں تھا رسول اللہ صلعم تھے اس کے گڑگڑانے پر رحم کھا کر رہا کر دیا۔ مکہ میں آکر بیمار رہا۔ اور مرگیا بعض نے لکھا ہے کہ وہ جنگ احد میں مسلمانوں کے تیر کا شکار ہوا عل۔

عقبہ بن ابی معیط ۱۴۷

عقبہ بن ابی معیط ابان بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد الشمس۔ اسکی کنیت ابوالولید ہے یہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے قتل کا بیڑا اٹھا کر آیا تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس کو گرفتار کیا اور عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے پھانسی دیکر مار ڈالا اسلام میں عقبہ پہلا شخص ہے جسکو پھانسی دی گئی ہے۔ ۲

اسود بن المطلب ۱۴۸

اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ اس کی کنیت ابو زمعہ ہے یہ اور اس کے ساتھی اس کام پر مامور تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھکا جھکا کر چڑایا کریں۔ جنگ بدر میں اس اندھے بڈھے اور اس کے بیٹے کو ابو دجانہ نے قتل کیا۔ ۳

ع ۱ و ۲ و ۳ ابن اثیر ۱۲۔

عقیب[16]

عقیب، اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔ جنگ بدر میں قتل ہوا، اور اس کے قتل میں حمزہؓ و علیؓ دونوں شریک تھے۔ [1]

حارث بن زمعہ[17]

حارث بن زمعہ بن اسود، یہی اسود بن مطلب کا پوتا تھا اور وہ جنگ بدر میں جناب علیؓ کی تلوار کا شکار ہوا۔ [2]

طعیمہ بن عدی[18]

طعیمہ بن عدی بن نوفل بن عبد مناف اس کی کنیت ابوریان ہے۔ یہ جنگ بدر کے ذلیل قیدیوں میں تھا۔ منہ زور قیدی نے جناب حمزہ بن عبد المطلب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مکروہ و ناملائم کلمات کہے اور حمزہؓ نے زبان تیغ سے جواب دیکر اس کو ہمیشہ کیلئے خاموش کر دیا۔

مالک بن ایطالہ[19]

مالک بن ایطالہ بن عمرو بن غبشان ایک بیوقوف فتنہ انگیز موذی اسلام تھا۔

[1، 2] ابن اثیر ۱۲۔

ایک روز آپ سے آپ اس کو متلی ہو کر ریم کی قے ائی اور فی الفور مرگیا سے[۱]

رکانہ بن عبد یزید

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب، اپنی موت سے مرا مگر بیکسی کی موت مرا۔ سے[۲]

یہ تھی قرآن کی پیشینگوئی کہ اسلام ڈنکے کی چوٹ پھیلیگا اور دشمنان اسلام جو پیغمبر اور ان کے صحابہ کی ہنسی اڑاتے پھرتے ہیں۔ اسلام کی ترقی اپنی آنکھوں دیکھتے ہوئے پیغمبر کے سامنے اپنے وجود سے دنیا کو پاک کردیں گے۔

پیشینگوئی

(۱۲۷)

اللہ نیک عمل والے مومنین کو محبوب خلائق بنائیگا اور ان کی محبت پیدا کرے گا

جیسا کہ سورہ مریم میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے۔

سے[۱] و [۲] ابن اثیر ۱۲۔

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کئے (خدائے) رحمٰن عنقریب ان کی محبت (دلوں میں) پیدا کر دے گا۔

ف

آیت کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے محبوب ہوں گے اور ایک دوسرے سے محبت کریں گے گو اسلام سے پہلے ان میں باہم کیسی ہی عداوت ہی ہو۔ اور اسی باہمی محبت کو اپنا انعام قرار دیکر اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔	اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اس کے فضل سے بھائی (بھائی) ہو گئے۔

اوس اور خزرج ایک ہی خاندان کے دو گروہ تھے ان دونوں میں ایک سو بیس برس سے بغض و عداوت متوارث چلی آتی تھی۔ ایک دوسرے کی جان کا لاگو اور خون کا پیاسا تھا یہاں تک کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا آپ کے ہاتھ پر اوس و خزرج کے دونوں قبیلے رفتہ رفتہ اسلام لائے منکرات گذشتہ سے توبہ کی آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ایک دوسرے کا ناصح (ہمدرد) ہوا، اور اس امر کا کچھ نشان بھی باقی نہ رہا۔ کہ قبائل اوس خزرج میں باہم کبھی کچھ عداوت بھی تھی۔ *

سورۂ مریم پارہ ۱۶

* سیرت ابن ہشام و لباب التاویل جلد ثانی ۱۲

یہ تھی اسلام کی پنہاں قوت اور رسول کی روحانی طاقت اور اسی کو اللہ تعالیٰ سورۃ انفال میں فرماتا ہے۔

وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ۔

اور اللہ نے مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر وہ تو اللہ (ہی تھا جس) نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی۔

مطلب یہ کہ دو گروہوں میں ایک سو بیس برس کی دشمنی و عداوت کو دور کر کے محبت و الفت کا پیدا کر دینا کسی بشری طاقت کا کام نہیں ہے گو وہ تمام دنیا کے سارے خزانے ہی کیوں نہ خرچ کر ڈالے یہ بہت سچ ہے اور اس بدیہی امر سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا۔

سورۂ مریم مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اوس وخزرج کے اسلام لانے اور ان میں ملاپ و محبت ہونے کا معاملہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت واقع ہوا۔ یہ ایک زبردست پیشینگوئی اور اوس وخزرج میں محبت کا ہو جانا ایک ایسا اہم معجزہ ہے جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ کسی ایسے گروہ، کسی نبی، کسی ولی، کسی ریفارمر کا نشان نہیں دیا جا سکتا جس نے ایسے دو گروہوں میں جن میں ڈیڑھ صدی سے عداوت و بغض راسخ ہو گیا ہو، بیک چشم زدن بغض و عداوت کو دور کر کے ویسی ہی محبت و الفت پیدا کر دی ہو۔ بلاشک یہ خدا ہی کی قدرت اور محمد مصطفےٰ ہی کی عجیب روحانیت کا اثر تھا آیت کے دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ خود مسلمانوں کے آپس میں محبت و تپاک رہیگا مگر یہ معنی

پیشنگوئی کی حیثیت نہیں رکھتے۔

صحابہ کے واقعات ہمدردی و محبت سے تاریخ کی کتابیں بھری ہیں ان کے اعادہ کی ضرورت ہے نہ یہ کتاب ان واقعات کی متحمل ہو سکتی۔

جنگ جمل جو عائشہؓ اور علیؓ کے درمیان واقع ہوئی۔ اور جنگ صفین جو علی اور معاویہؓ کے درمیان واقع ہوئی، ہمارے مدعا کے لئے مضر نہیں ہے۔ یہ لڑائیاں عداوت و بغض کی بنا پر نہیں تھیں۔ جو باہمی محبت و موانست میں خلل انداز ہوتیں ان لڑائیوں کی بنیاد صرف خطاء اجتہادی تھی۔ ہر ایک اپنے کو حق پر سمجھتا تھا۔ اور حق کا طالب تھا۔ حق کے لئے لڑتا تھا۔

جنگ جمل میں ایک غلام نے حضرت زبیرؓ کو حالت نماز میں شہید کیا۔ ان کی تلوار لیکر حضرت علی مرتضیٰ کی خدمت میں آیا اور یہ سمجھکر کہ وہ اس خبر سے خوش ہوں گے زبیر کے قتل کی بشارت دی۔ حضرت علیؓ، زبیرؓ کی تلوار، ہاتھ میں لیکر آبدیدہ ہوئے دو ایک بار، تلوار کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ اور فرمایا" یہ وہ تلوار ہے جس نے رسول اللہ صلعم پر سے کیسی کیسی آفات کو دفع کیا۔ اسلام کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا، آہ، مشیت ایزدی میں یہی تھا کہ وہ اپنے یار و دیار سے جدا ہو جائے اس کے بعد آپ نے ابن جرموز غلام سے پوچھا کہ تو نے زبیر کو کیوں قتل کیا۔ اس نے کہا آپ کو خوش کرنے کے لئے۔ علیؓ نے فرمایا، اے مردود! میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ زبیر کا قاتل دوزخی ہو گا۔ غلام نے کہا سبحان اللہ، آپ کے دشمن کو مار کر دوزخ کی خوشخبری سنتا ہوں یہ کہکر غصہ میں تلوار خود اپنے پیٹ میں بھونک لی۔ اور رسول اللہ کی پیشنگوئی پوری ہوگئی ٭

٭ روضۃ الشہداء ۱۲-

جس زمانہ میں حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جنگ برپا تھی قیصر روم نے مسلمانوں کو آپس میں مصروف پیکار و خانہ جنگی پاکر اسلامی مقبوضات پر ہاتھ بڑھانا چاہا۔ جناب معاویہؓ نے یہ خبر پاکر قیصر روم کو خط لکھا کہ ''تم ہماری خانہ جنگی سے یہ نہ سمجھو کہ مسلمان ایک دوسرے کے دشمن ہیں، واللہ! اگر تم نے اپنی سرحد سے ایک قدم آگے بڑھایا تو تمہاری خیر نہیں ہے۔ خدا کی قسم! وقت پڑے پر علی بن ابیطالبؓ کی طرف سے پہلا شخص جو ان کے دشمن کا مقابلہ کرے گا وہ میں ہوں گا۔

ان اور ان جیسے اور بہت سے واقعات بین ثبوت ہیں اس بات کے کہ صحابہ سب ایک دوسرے کے غمخوار و ہمدرد تھے کسی کو کسی سے بغض و عناد و تھا بلکہ تھا تو اختلاف تھا۔

آیت کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ لوگ خود ان مسلمان (صحابہ) کے کردار شائستہ کے گرویدہ ہوں گے اور دیکھا بھی جاتا ہے کہ نیکو کار اور اچھے لوگوں کو سب عزیز رکھتے ہیں وہ کسی کو نہیں ستاتے کہ کوئی ان کو ستائے۔

ہم یہاں ایک واقعہ کتاب الفاروق مرتبہ مولوی شبلی نعمانی سے نقل کرتے ہیں جس سے اس پیشینگوئی کی اچھی طرح وضاحت ہو جاتی ہے۔

رومی جو شکست کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے انطاکیہ پہونچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کر کے پوچھا کہ عرب تم سے زور میں جمعیت میں۔ سروسامان میں کم ہیں پھر تم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کیا کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں۔ دن کو روزے رکھتے ہیں کسی پر ظلم نہیں کرتے آپس میں ایک

ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اقرار کی پابندی نہیں کرتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت و استقلال سے خالی ہوتا ہے۔

قیصر درحقیقت شام سے نکل جانے کا ارادہ کر چکا تھا لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلہ میں صرف کر دیا جائے روم قسطنطنیہ جزیرہ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے گئے کہ تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے امرا اور رئیس ان کے عدل و انصاف کے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود تخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے چنانچہ ان کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی انھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اس کی جانچ میں پورے اترے اب تمہارا دشمن اس سر و سامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے پھر اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟

آخر رد و کد کے بعد یہ رائے پاس ہوئی کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں وہاں خالد موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ طے ہو چکا تو ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ افسر خزانہ کو بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو خراج یا جزیہ لیا جاتا ہے

پیشگوئی

(۱۲۸)

اسلام تمام دنیا میں عام ہوگا

جیساکہ سورۃ الفرقان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۔

(خدا کی ذات بڑی) بابرکت (ذات) ہے جس نے اپنے بندے (محمد) پر قرآن اتارا تاکہ تمام جہان کے لوگوں کے لئے (عذاب خدا سے) ڈرانیوالا ہو۔

ف

سورۃ الفرقان سوائے اخیر کی ایک آیت کے پوری سورت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی جب کہ مسلمان بہت مغلوب ومقہور ہو رہے تھے ایسے ضعف کیحالت میں قرآن مجید کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم تمام دنیا کو ڈرانے کیلئے نازل ہوئے ہیں اور پھر صدیوں میں اس دعویٰ کا صحیح ثابت ہونا اور ہوتے جانا اس کے منجانب اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام تمام دنیا میں عام ہوگیا ہے قرآن کی منادی اس کے گوشہ گوشہ میں پھر چکی ہے اس نے کل اہل عالم کو عذاب الٰہی وعذاب آخرت سے ڈرا دیا ہے اور ڈرا رہا ہے اسی بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کی منادی ختم ہوگئی یا اسلام کی ترقی اپنے حد پر آکر

ٹھیر گئی اور جہانتک بڑھنا تھا بڑھ چکا بلکہ ہم اسکی ترقی روز افزوں پاتے ۔
ہیں جو ہمیں اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ قرآن کی پیشینگوئی ہنوز من جمیع الوجوہ
پوری نہیں ہوئی ہے یہ پیشینگوئی اچھی طرح اسوقت پوری ہوگی جب دنیا کا چپہ چپہ
اسلام کی روشنی سے جگمگا اُٹھے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ایک نہ ایک دن یہ ہوکر
رہے گا۔

پیشینگوئی

(۱۲۹)

اہل ایمان کو سونے کا کنگن پہنایا جایگا

جیسا کہ سورۃ الحج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُھُمْ فِیْھَا حَرِیْرٌ	جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کئے ان کو اللہ ایسے باغوں میں لیجا داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہاں ان کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور وہاں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔

ف

اصل میں تو یہ جنت کے انعام کا وعدہ ہے جو مرنے کے بعد آخرت کیلئے

موعود ہے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ انعام دنیا میں بھی پورا ہو گیا جسکی تفسیر و پیشینگوئی حدیثوں میں بھی بصراحت موجود ہے چنانچہ حافظ قرطبی علیہ الرحمہ نے استیعاب میں یہہ روایت نقل کی ہے کہ۔

روی سفیان بن عیینۃ عن ابی موسیٰ عن الحسن ان رسول اللہ صلعم قال لسراقۃ بن مالک کیف بك اذا لبست سوارَی کسریٰ۔

روایت کی سفیان نے عیینہ سے انھوں نے ابو موسیٰ سے انھوں نے حسن سے کہ البتہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے کہ (اے سراقہ) تم اسوقت کیسے معلوم ہوگے جب تم کو کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

قرآن و حدیث کی یہ پیشینگوئی حضرت فاروق اعظم کے عہد میں پوری ہوئی بلاد فارس کے فتح ہونے پر جو بے شمار غنیمتیں دربار خلافت میں آئیں اُن میں کسریٰ عجم کا تاج وراس کے سونے کے کنگن بھی تھے حضرت عمرؓ کے حکم سے یہ دونوں چیزیں سراقہ بن مالک کو پہنائی گئیں۔ انھوں نے ہاتھوں میں کنگن پہنکر بیساختہ کہا الحمد للہ الذی سلبہا من کسریٰ بن ھرمز و البسہا سراقۃ بن مالک، یعنی شکر ہے خدا کا جس نے یہ چیزیں کسریٰ سے لیکر سراقہ بن مالک کو پہنائیں؎ مولوی شبلی نعمانی نے الفاروق میں ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ:۔

محلّم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزون قامت اور خوبصورت تھا حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اس کو پہنائے جائیں یہ ملبوسات

؎ استیعاب للقرطبی ۱۲

مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا۔ دربار کا۔ جشن کا۔ تہنیت کا۔ باری باری تمام ملبوسات مختلفہ پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشائیوں کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تکتے رہے ؎

پیشنگوئی

(۱۳۰)

مسلمانوں کو اللہ بہتر سے بہتر بدلہ دے گا

جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔	اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل (بھی) کئے ہم ضرور ان کے گناہ ان سے دور کردیں گے اور (دنیا میں) جو (یہ لوگ نیک) عمل کرتے رہے ہیں ان کو ان کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے

ف

یعنی جو مسلمان نیک عمل کریں گے۔ اسلام کا حق ادا کریں گے اسلام کے کام

؎ الفاروق حصہ اول صفحہ ۹

آئیں گے اشاعت اسلام کی کوشش میں جان و مال سے دریغ نہ کریں گے ہم ان کو ان کی ان نیکیوں کا دنیا ہی میں بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے چنانچہ صحابہؓ نے ایسے ہی نیک کام کیے اور اس کے عوض میں جو کچھ بدلہ ان کو ملا دنیاوی عیش و آرام کا دروازہ ان پر کھل گیا۔ اس سے تاریخوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

پیشنگوئی

(۱۲۱)

مسلمانوں میں متصرف خلفا ہوں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الانعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ

وہی (قادر مطلق ہے) جس نے زمین میں تمکو خلیفہ بنایا کہ تم دنیا کی چیزوں میں تصرف کرتے رہو اور تم میں سے (مقدرت و حکومت وغیرہ کے اعتبار سے) بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں تمکو دی ہیں اُن میں تمہاری آزمائش کرے۔

دوسری آیت سورۃ النمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ	بھلا کون ہے ؟ کہ جب کوئی شخص (بیقرار ہوکر) اس سے فریاد کرے تو وہ اس بیقرار کی فریاد کو پہونچے اور (اس کی) مصیبت کو ٹال دے اور (کون ہے) (جو) زمین میں تم لوگوں کو خلیفہ بناتا ہے

ف

خلائف اور خلفاء دونوں خلیفہ کی جمع ہیں خلیفہ کے معنی ہیں بادشاہ اور متصرف فی الملک جیسا کہ قرآن ہی کی سورۃ ص میں مصرح ہے :۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔	اے داؤد! ہم نے تم کو ملک میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں (کے معاملات) میں انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحؒ نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے"۔ ای داؤد! ہرآئینہ ساختیم ترا بادشاہ در زمین پس حکم کن میان مردمان براستی"

تمام مفسرین و مترجمین نے خلیفہ کے معنی بادشاہ کے لئے ہیں اس سے بھی قطع نظر کیا جائے تو آیت میں فائے تعقیبی کے بعد "فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ" کے الفاظ خود اس امر کی صریح شہادت دے رہے ہیں کہ خلیفہ بمعنی بادشاہ ہے اور حضرت داؤد کا بادشاہ ہونا اس کا قطعی ثبوت ہو جاتا ہے ۔

بہرحال اس آیت میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ مسلمانوں میں خلفاء متصرف ہوں گے ۔ اب دیکھو کہ ہمارے سید و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پہلے جانشین برحق امیرالمومنین ابوبکر صدیق اکبر ہوئے جن کو امت نے خلیفہ رسول اللہ کا معزز خطاب دیا اور اس کے بعد برابر ہزار برس تک

خلفاء کا سلسلہ باقی رہا۔

حضرت ابوبکر سنہ ۱۱ ہجری میں خلیفہ ہوئے۔ آپ کے بعد عمر فاروق اعظم پھر عثمان ذی النورین پھر علی مرتضیٰ پھر امام حسن بن علی پھر امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم سنہ ۶۰ ہجری میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا۔ اور اُن پر خلافت راشدہ کا خاتمہ ہو گیا۔

امیر معاویہ کے بعد ان کی نسل (بنی امیہ) میں سلسلہ خلافت قایم ہوا چنانچہ سنہ ۴۱ ہجری سے ۱۳۲ ہجری تک بارہ خلفاء اس خاندان میں ہوئے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

امیر المومنین خلیفہ یزید بن امیر معاویہؓ — امیر المومنین خلیفہ معاویہ بن یزید بن معاویہؒ
〃 〃 عبد الملک بن مروان — 〃 〃 ولید بن عبد الملک
〃 〃 سلیمان بن عبد الملک — 〃 〃 عمر بن عبد العزیز
〃 〃 یزید بن عبد الملک — 〃 〃 ہشام بن عبد الملک
〃 〃 ولید بن یزید — 〃 〃 یزید بن الولید
〃 〃 ابراہیم بن الولید — 〃 〃 مروان الحمار

مروان پر خلافت بنو امیہ کا خاتمہ ہوا۔ پھر آل عباس کا آفتاب اقبال اپنی پوری چمک کے ساتھ طلوع ہوا۔ اس خاندان عباسیہ میں ۱۳۲ ہجری سے سنہ ۶۵۶ ہجری یعنی پانچسو چوبیس برس تک (۳۶) خلفاءؒ داد فرمانروائی دیتے رہے۔

امیر المومنین خلیفہ ابو العباس سفاح عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ
〃 〃 ابو جعفر منصور — امیر المومنین خلیفہ ابو عبد اللہ مہدی باللہ
〃 〃 ابو محمد ہادی باللہ — 〃 〃 ابو جعفر ہارون رشید
〃 〃 محمد امین الرشید — 〃 〃 عبد اللہ مامون الرشید

〃	〃	معتصم باللہ	〃	〃	واثق باللہ
〃	〃	متوکل علی اللہ	〃	〃	منتصر باللہ
〃	〃	مستعین باللہ	〃	〃	معتز باللہ
〃	〃	مہتدی باللہ	〃	〃	معتمد علی اللہ
〃	〃	معتضد باللہ	〃	〃	مکتفی باللہ
〃	〃	مقتدر باللہ	〃	〃	قاہر باللہ
〃	〃	راضی باللہ	〃	〃	متقی باللہ
〃	〃	مستکفی باللہ	〃	〃	مطیع للہ
〃	〃	طائع للہ	〃	〃	قادر باللہ
امیر المومنین خلیفہ قایم بامر اللہ			امیر المومنین خلیفہ مقتدی بامر اللہ		
〃	〃	مستظہر باللہ	〃	〃	مسترشد باللہ
〃	〃	راشد باللہ	〃	〃	مقتفی لامر اللہ
〃	〃	مستنجد باللہ	〃	〃	مستضی بامر اللہ
〃	〃	ناصر لدین اللہ	〃	〃	ظاہر باللہ
〃	〃	مستنصر باللہ	〃	〃	مستعصم باللہ

خلافت بغداد کی تباہی کے بعد سنہ ۶۵۶ھ سے سنہ ۹۰۳ھ تک بنو عباس نے کاروبار خلافت کو انجام دیا۔

〃	〃	مستنصر باللہ	〃	〃	[illegible]
〃	〃	مستکفی باللہ	〃	〃	
〃	〃	حاکم بامر اللہ	〃	〃	

〃	〃 متوکل علی اللہ	〃 〃 〃	واثق باللہ
〃	〃 معتصم باللہ	〃 〃	مستعین باللہ
〃	〃 معتضد باللہ	〃 〃	مستکفی باللہ
〃	〃 قایم بامراللہ	〃 〃	مستنجد باللہ

امیرالمومنین خلیفہ متوکل علی اللہ۔

فاطمئین میں سے سنہ ۲۹۶ھ سے سنہ ۵۶۷ھ تک چودہ خلفار نے مصر میں خلافت کی ۔

خلیفۂ مہدی عبیداللہ	خلیفہ قائم بامراللہ	خلیفہ منصور اسمعیل
〃 معزلدین اللہ	〃 عزیز باللہ	〃 حاکم بامراللہ
〃 ظاہرلدین اللہ	〃 مستنصرباللہ	〃 مستعلی باللہ
〃 آمرباحکام اللہ	〃 حافظ الدین اللہ	〃 ظافرباللہ
〃 فائزبنصراللہ	〃 عاضدلدین اللہ	

جب بغداد میں عباسیوں کی خلافت قایم ہوگئی تو بنو امیہ میں سے ایک نوجوان عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بھاگ کر یورپ پہونچا اور وہاں اندلس یا اسپین میں ایک زبردست سلطنت کا بانی ہوا۔ جو سنہ ۱۳۸ھ سے سنہ ۱۴۹۲ء تک قایم رہی۔ عبدالرحمن بن معاویہ کے بعد

ابوالولید ہشام	حکم ابوالمظفر	عبدالرحمن بن حکم	محمد بن عبدالرحمن
منذر بن محمد	عبداللہ بن محمد	عبدالرحمن بن محمد	حکم بن عبدالرحمن
ہشام	محمد بن ہشام	سلیمان بن حکم	عبدالرحمن بن عبدالملک
ناصر علی بن محمود	مامون قاسم	یحیی بن الناصر	عبدالرحمن بن ہشام
محمد بن عبدالرحمن	ہشام بن محمد	اور ابوعبداللہ پر سنہ ۱۴۹۲ء میں اس	

اس زبردست حکومت کا ذلت وخواری پر خاتمہ ہوا اور ایسا خاتمہ ہوا کہ یورپ بھر میں ایک مسلمان کا نام نہ رہا۔

جن ممالک پر ہزار برس تک مسلمانوں نے حکومت کی وہاں مسلمان کا نام تک نہ باقی رہا۔ تقریباً یہ سب ملا کر بارہ سو برس تک مسلمانوں میں خلافت رہی اور کل ایکسو تین خلفاء نے اپنے نامی وجود سے قرآن کی پیشینگوئی کو صحیح ثابت کر دکھایا۔

خلافت امویہ اور خلافت عباسیہ کی تباہی کے بعد کسی نے خلافت کا دعویٰ کیا نہ کسی کا نام لقب خلیفہ ہوا فرمانروایان اسلام میں سلطان، شہنشاہ، بادشاہ کو القاب کو کافی سمجھا گیا

پیشینگوئی

(۱۳۲)

مجاہدین کو عمل نیک کی توفیق دیجائیگی

جیسا کہ سورۃ العنکبوت میں ہے جہاں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ	اور جن لوگوں نے ہمارے دین کے کام میں کوششیں کیں ہم بھی ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو خلوص دل سے نیک عمل کرتے ہیں۔

ف

اپنے رستے سے مراد ہے اپنی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرنیکے طریقے مطلب یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو جو صرف اللہ کی خوشنودی کیلئے اس کی راہ میں جہاد کریں گے ان کو اعمال نیک کی توفیق دیں گے قرآن کی پیروی کرنیوالوں اور رسول خدا صلعم کے یاروں نے جس بیباکی و بیجگری سے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں لڑائیں وہ اہل تاریخ پر ظاہر ہے اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے دریغ نکرنا ہی اس امر کی صاف دلیل ہے کہ بارگاہ ایزدی سے ان کو توفیق نیک دی گئی. ان پاکباز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزید حالات سے رجال و اسانید اور تراجم و سیر کے دفاتر لبریز ہیں۔ فمن شاءَ فلینظر الیھا۔

پیشگوئی

(۱۳۳)

نضر بن حارث سزا پائیگا

جیسا کہ سورۂ لقمان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی (نالائق) ہے جو واہیات قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے تاکہ لوگوں کو سنا کر بے سمجھے بوجھے راہ خدا سے بہکا

وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

اور آیات الٰہی کی ہنسی اُڑائے۔ یہی ہیں جن کو ذلت کی سزا ہونی ہے اور جب (ان میں سے) نضر بن حارث کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اکڑتا ہوا منہ پھیر کر چل دیتا ہے جیسے اس نے ہماری آیتوں کو سنا ہی نہیں گویا اس کے دونوں کانوں میں ٹینٹ ہیں تو (اے پیغمبر!) ایسے شخص (نضر بن حارث) کو عذاب درد ناک کی خوشخبری سنا دو۔

ف

کفار مکہ میں سے ایک شخص تھا نضر بن حارث بن کلدہ وہ فارس کے اخبار لا کر لوگوں کو سناتا اور کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو عاد اور ثمود کی پرانی خبریں سنایا کرتے ہیں، میں ان سے بہتر رستم و اسفندیار کے کارنامے سناتا ہوں[1]

بعض سادہ لوح لوگ اسکی باتوں میں آجاتے اور اس سے اہل فارس کی کہانیاں سننے لگتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کی نسبت پیشینگوئی فرمائی کہ یہ کمبخت نضر بن حارث جو واہی تباہی کہانیاں سنا سنا کر لوگوں کو آیات الٰہی کے سننے سے باز رکھتا ہے اور جب اس کو قرآن کی اچھی باتیں سنائی جاتی ہیں تو غرور و تکبر سے اکڑتا ہوا چلا جاتا ہے عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیگا۔ چنانچہ جنگ بدر میں حضرت علی مرتضیٰ کی خونخوار تلوار نے اس مردود کا خون چوس لیا[2]

[1] ابن کثیر ۱۲ [2] ابن اثیر ۱۳۱/۲

آمنوا ویمحق الکافرون

کے درجے دینے تھے ورنہ خدا تو کسی طرح بھی ان ظالموں کا روادار نہیں اور نیز یہ منظور تھا کہ اللہ مسلمانوں کو (شک وشبہ کی میل کچیل سے) نکھار دے اور کافروں کا زور توڑ دے۔

ف

احد مدینہ منورہ سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بھائی حضرت ہارون کا مزار اسی پہاڑ پر ہے۔

اسی پہاڑ کے قریب شوال کے مہینہ میں شنبہ کے روز ۳ ہجری میں اہل اسلام اور کفار کے درمیان جنگ عظیم ہوئی کفار کی لشکر میں تین ہزار مرد تھے دو سو گھوڑے تین سو اونٹ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب ایک ہزار صحابہ تھے لشکر بھر میں صرف آپ ہی کے پاس ایک گھوڑا تھا۔

دونوں لشکروں میں مڈبھیڑ ہوئی کشتوں کے پشتے لگ گئے بڑی گھمسان کی لڑائی کے بعد کفار نے شکست فاش کھا کر پیٹھ دکھائی۔

پیغمبر خدا نے ایک جماعت کو گھاٹی میں تعینات فرما کر ان سے کہدیا تھا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا مگر ان لوگوں نے اپنے افسر کا کہنا نہ مانا۔ ادہر کفار پیٹھ دکھا کر بھاگے ادہر تیر اندازوں نے اپنا مرکز چھوڑا، اور سب کے سب لوٹ پاٹ میں مصروف ہو گئے۔

خالد بن ولید نے (جو اسوقت تک رئیس کفار تھے) دیکھا کہ اکثر اہل اسلام غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہیں اور تیر انداز بہت تھوڑے رہ گئے ہیں انھوں نے فوراً اپنے ساتھیوں کو آواز دی اور اپنی زبردست جماعت کے ساتھ

بقیہ مسلمان تیراندازوں پر حملہ کر دیا۔ پیا پے تین سخت حملوں میں مسلمانوں کو فتح کے بعد شکست اٹھانی پڑی کفار کے لشکر میں ایک عورت عمرہ نامی نے علم اپنے ہاتھ میں لیا دشمنان اسلام نے علم کو عورت کے ہاتھ میں دیکھکر بھاگنا چھوڑا غیرت میں آکر یا تو بھاگے جاتے تھے یا فوراً پلٹ پڑے اور ان کی جمعیت جیسی کی ویسی زبر دست ہو گئی آخر ستر مسلمان شہید ہوئے صدیق اکبر اور فاروق اعظم زخمی ہوئے اتنے میں غل مچا کہ پیغمبر خدا شہید ہوئے اس ہولناک خبر کے سننے سے مسلمانوں میں تاب مقاومت نہ رہی اور اکثروں نے پیٹھ دکھائی۔

اسی جنگ میں رسول خدا کے دو دانت شہید ہوئے لب مبارک زخمی ہوا۔ آپ چہرہ پر سے خون پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ" افسوس! وہ قوم کیونکر فلاح کو پہونچے گی جو توحید کی طرف بلانے کی پاداش میں اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگین کرے۔

کفار میں سے ابو عامر لعنہ اللہ نے میدان میں ایک گڑھا کھود دیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گڑھے میں گر پڑے اور حضرت علی و طلحہ رض نے ہاتھ پکڑ کر اوپر نکالا۔

جنگ احد کے بیان میں ایک سو اکیس آیتیں قرآن مجید میں وارد ہیں آخر اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے قصور معاف کر دئے جو جہاد سے بھاگے تھے اور جنہوں نے رسول کی نافرمانی کی تھی۔

اس جنگ میں مہاجرین و انصار سے ۷۰ صحابہ شہید ہوئے جن میں (۶۴) انصار اور چھ مہاجرین تھے۔ سید الشہدا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہیں شکست خوردہ مسلمانوں کو تسلی دیتا ہے کہ ایک
جنگ احد میں اگر اتفاقی طور پر تم کو شکست ہوگئی تو اس سے آزردہ خاطر نہ ہو آخر جنگ بدر
میں تم سے بھی تو کفار کے ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔ اور پھر یہ شکست بھی [illegible]
نالائقی سے ہوئی کہ رسول کا کہا نہ مانا بہرحال اس شکست کا غم نہ کرو۔ اگر تم سچے مسلمان
ہو تو غلبہ تمہیں کو ہے اور تمہارا ہی بول بالا رہیگا خدا کی یہ پیشینگوئی پوری [illegible]
بعد جتنی لڑائیاں کفار سے ہوئیں ان سب میں اہل اسلام کو فتح و نصرت [illegible]
دشمنان اسلام ذلیل و خوار ہو کر پسپا ہوئے۔

جنگ احد کے بعد پہلی لڑائی اسی سنہ میں حمراء الاسد کی ہوئی جس [illegible]
بغیر لڑے بھڑے بھاگ کھڑے ہوئے۔

لطیفہ

آیت میں اللہ تعالیٰ احد کے شکست خوردہ مسلمانوں سے خطاب کر کے
فرماتا ہے کہ تم اگر سچے مسلمان ہو تو آخر کافروں پر غالب ہو گے احد کے بعد [illegible]
جنگوں میں ان مسلمانوں نے کافروں کا ستیاناس کر مارا۔ اور ملک عرب میں [illegible]
سکہ چل رہا۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بدیہی طور پر ثابت ہوگیا کہ جنگ احد میں
جن مسلمانوں نے شکست کھائی وہ سچے مسلمان تھے ان کے ایمان پر طعن [illegible]
کو لائق نہیں ہے۔

---

* لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور ر ۱۲

پیشگوئی

(۱۳۵)

یہود اور نصاریٰ میں سے ایمان لانیوالے بہت ہی کم ہیں

یہ پیشگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۂ یٰسین میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ

ان میں سے اکثر پر فرمودہ (خدا) پورا ہو چکا ہے تو یہ (کسی طرح) ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کے علم میں عذاب کے مستحق ٹھیر چکے ہیں اور خدا جان چکا ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

دوسری آیت سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا

اور اگر وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور (لفظ) اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا کہکر خطاب کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی سیدھی ہوتی مگر ان پر تو ان کے کفر کی وجہ سے خدا کی پھٹکار ہے پس ان میں سے بہت ہی) تھوڑے لوگ ایمان لانیوالے ہیں۔

تیسری آیت سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا	پس ان (یہود) کے قول توڑنے کی وجہ اور احکام الٰہی کے نہ ماننے کی وجہ سے اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرنے کی وجہ سے (ہم نے بھی ان کو پھٹکار دیا) اور (نیز) اُن کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں (کسی کی نصیحت ہم پر اثر نہیں کرتی محفوظ نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے خدا نے اُن (کے دلوں) پر مہر کر دی ہے پس معدودے چند کے سوا (اکثر) ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

چوتھی آیت سورۂ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم ۚ مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ	اور اگر اہل کتاب (بھی سب کے سب) ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا (مگر) اُن میں سے تھوڑے ایمان لائے اور ان میں اکثر نافرمان ہیں۔

ف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صرف عبداللہ بن سلام وغیرہ چند یہودی اور دو تین چند عیسائیوں نے اسلام قبول کیا تھا باقی سب کے سب اپنے ہی مذہب پر قایم رہے اور حجاز کے اہل کتاب یہود و نصاریٰ میں سے تو کوئی بھی مسلمان نہیں ہوا۔

پیشگوئی

(۱۳۶)

کچھ بھی ہو مشرکین مکہ سیدھے نہ ہوں گے

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا۔

اور اگر کوئی قرآن (ایسا بھی نازل ہوا) ہوتا جس (کی برکت) سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس (کی برکت سے) زمین کی مسافت (بآسانی) طے کیجا سکتی یا اس (کی برکت) سے مردوں کے ساتھ گفتگو ہو سکتی (تو بھی یہ لوگ راہ راست اختیار کرنیوالے نہیں تھے) بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) سارا اختیار اللہ ہی کو ہے۔

ف

ایسا ہی ہوا کہ مشرکین مکہ جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے مخالف بنے ہوئے تھے نہ ان پر کسی نصیحت کا کچھ اثر ہوا۔ نہ قرآن کے اعجاز بلاغت نے انہیں نرم کیا نہ ان میں رحم تھا نہ برادری وغیرہ کا کچھ پاس تھا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور آپ کے معجزات باہرہ سے متاثر ہوتے صرف پیغمبر خدا کو چڑانے

اور سوا ان کی راہ سے واہی تباہی معجزات کی فرمایش کیا کرتے تھے اور انہیں فرمائیشوں کا اس آیت میں مذکور ہے کہ اگر قرآن میں یہ تاثیر بھی ہوتی کہ اس کی برکت سے پہاڑ چلنے لگتے یا زمین کی مسافت جلدی سے طے کر سکتے یا مردوں سے گفتگو کر سکتے تو بھی یہ مشرکین مسلمان نہ ہوتے اور اسی طرح اسلام کے مٹانے اور مسلمانوں کی دل آزاری میں لگے رہتے۔

آخر مسلمانوں کو مکہ سے ہجرت ہی کرنی پڑی اور مجبور ہو کر انھوں نے کفار کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی بہت سے قتل ہوئے۔ بہت سے قیدی ہو کر اسلام کے مطیع ہوئے اور بعض مال و دولت کے لالچ سے مسلمان ہو گئے۔ جن میں سے ایک ابو سفیان بن حرب تھا۔

پیشنگوئی

(۱۳۷)

قرآن دنیا بھر کیلئے نصیحت ہے

جیسا کہ سورہ ص میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ	یہ قرآن دنیا جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے اور بس اور کچھ دنوں کے بعد تم لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی

ف

سورہ صٓ بتماہا مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور اسوقت اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن دنیا بھر کے لوگوں کی نصیحت کیلئے اتارا گیا ہے اور اگرچہ تم کفار اس بات کو اب کھیل اور ایک آن ہونی بات سمجھ رہے ہو مگر آگے چل کر ضرور حقیقت کھل جائیگی کہ جیسا قرآن نے دعویٰ کیا تھا ویسا ہو کر رہا مشاہدہ کیلئے ثبوت و حوالہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دنیا دیکھتی ہے کہ قرآن نے اطراف عالم میں پھیلکر اپنی منادی پوری کردی۔ دنیا کی کوئی قوم کوئی مذہب ایسا نہیں جس کے افراد اسلام کے دامن سے تلے نہ آئے ہوں۔

پیشگوئی

(۱۳۸)

اللہ بتوں کو منہدم اور نیست و نابود کریگا

جیسا کہ سورۃ الشوریٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ۔	اللہ اپنے کلام سے بتوں کو مٹا دیگا اور حق کو جما دے گا۔

ف

باطل کے لغوی معنی عبث اور جھوٹ کے ہیں۔ قرآن میں اس کا اطلاق

بتوں پر ہوا ہے اس لئے کہ وہ کفار کے بنائے ہوئے جھوٹے معبود تھے جیسا کہ سورۃ الحج میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے۔

ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ

یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ ہی برحق ہے اور جن معبودوں کو یہ (کفار و منکرین) خدا کے سوا (اپنی حاجت برآری کیلئے) پکارا کرتے ہیں (سرتاسر) لغو ہیں اور (نیز) اس سبب سے کہ اللہ ہی عالیشان (اور سب سے) بڑا ہے۔

بخاری ونسائی وغیرہ محدثین نے روایات صحیحہ بیان کیا ہے کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلعم کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں تین سو ساٹھ بت خانہ کعبہ کے اردگرد آراستہ کئے ہوئے تھے آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی آپ اس لکڑی سے ہر بت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (قرآن کی یہ آیت) پڑھتے تھے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا۔ (یعنی کہو کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والی ہی چیز ہے۔) اور بت خود بخود اوندھے سیدھے گرتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ تمام بت گر گئے اور کعبۃ اللہ ہمیشہ کیلئے اس گندگی سے پاک ہو گیا۔

بلاشک ہم ایسا ہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول خدا صلعم نے آیت پڑھتے ہوئے لکڑی سے اشارہ کیا اور اس کے اثر سے بت منہدم ہو کر گر گئے۔ یہ آپ کا اعجاز تھا۔ روح القدس کی تائید تھی اور آپ کی روحانی طاقت کا اثر تھا اور ایسا ہونا عقلاً بھی ممتنع نہیں ہے کیا ادنیٰ مسمریزم والے اپنی روحانی قوت سے عجیب وغریب کرشمے نہیں دکھاتے؟

بہرحال اتنی بات ماننے بغیر تو چارہ کار نہیں کہ مکہ فتح ہوا۔ کعبہ کے تمام بتوں کو منہدم کرکے کعبہ کو اس گندگی سے صاف کردیا گیا۔ یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم آیت پڑھتے ہوئے لکڑی سے بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے ہوں اور لوگ بتوں کو گراتے جاتے ہوں۔

بتوں کے منہدم ہونے اور بیت اللہ سے بتوں کے نیست و نابود ہونیکی پیشینگوئی فتح مکہ کے دن پوری ہوگئی۔ بعض بت جو بہت بلندی پر تھے ان کو علی مرتضی نے پیغمبر خدا کے شانے پر چڑھ کر توڑا غرض کعبہ کا ان [illegible] کے مصنوعی معبودوں کا بالکل صفایا ہوگیا۔

الفاظ آیت پر نظر کرتے ہوئے اگر اس کا مفہوم عام لیا جائے [illegible] کہ بت پرستی دنیا سے محو کردیجائیگی تو یہ پیشینگوئی صحیح اتری ہے بلکہ اس کا درجہ

[illegible]

زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے علوم و فنون کی روشنی جہالت کی ظلمت کو دنیا سے مٹاتی جاتی ہے اور یہ روشنی جوں جوں ترقی کرتی جائے گی بت پرستی کا انحطاط ہوتا جائے گا خود ہندوستان میں دیکھو کہ پتھر [illegible] کے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش ہندوؤں کا ایمان تھا اب وہی ہندو ہیں کہ علم کی روشنی سے مستفید ہوکر اس عبادت کو عین جہالت قرار دیتے ہیں اور اکثر جو بہ سبب جہل یا نادانی کے، اپنے قدیم عقیدہ پر جمے ہوئے ہیں اُن پر بھی اتنا اثر ضرور ہے کہ عقلمندوں کی مجلس میں بت پرستی اور بتوں کی خدائی کا ذکر کرتے ہوئے شرماتے ہیں اب کرۂ عالم میں کم خطے ایسے ہیں جہاں بتوں کو ذرا ماننے والے

[illegible]

یا شریک الوہیت سمجھنے والے پائے جاتے ہیں اور نہ عالم اس عقیدہ سے خالی ہوتا جاتا ہے اور بتوں کی خدائی دنیا سے اٹھتی جاتی ہے۔ اور بالآخر ایک اور قرآن کی پیشینگوئی من جمیع الوجوہ پوری ہوگئی۔

پیشینگوئی

(۱۳۹)

اللہ پیغمبر پر اپنی نعمت پوری اور انکی زبردست مدد کریگا

جیسا کہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا۔

(اے پیغمبر) حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرادی تاکہ (تم اس فتح کے شکریہ میں دین حق کی ترقی کے لئے اور زیادہ کوشش کرو اور) خدا (اس کے صلے میں) تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے اور تم کو (دین کے) بہت سیدھے رستہ پر چلائے (اور کوئی تمنا نا تمام و نافرجام نہ ہو) اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔

ف

اس آیت میں کئی دلچسپ بحثیں ہیں۔

پہلی بحث

فتح سے کونسی فتح مراد ہے؟ اس میں مفسرین کی مختلف رائیں ہیں بعض کہتے ہیں کہ فتح سے فتح مکہ مراد ہے جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے بھی ظاہر ہے بعض کہتے ہیں اس فتح سے صلح حدیبیہ مقصود ہے بعض کہتے ہیں کہ فتح روم و فارس وغیرہ مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے عام فتح و ظفر مراد ہے کہ اسلام کو دوسرے ادیان پر حجت و برہان اور سیف و سنان کا غلبہ ہوگا وَقَدْ فَعَلَہُ اللّٰہُ تعالیٰ ان سب مذاہب میں پہلا مسلک صحیح ہے۔

دوسری بحث

معترض کہتا ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتح (مکہ) کو مغفرت کا سبب قرار دیا ہے حالانکہ فتح مالک میں مغفرت کا سبب بننے کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے

پہلا جواب

آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کو محض مغفرت کا سبب قرار نہیں دیا۔ بلکہ یہ فرمایا۔ کہ فتح مکہ سبب ہے ان چار امور مذکورہ کے اجتماع کا۔ جب آپ فتح پائیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی خطاؤں کو معاف کر دے گا۔ اپنی نعمت کو پورا کر دے گا۔ منزل مقصود تک پہنچا دے گا اور زبردست

مدد کرے گا اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ سب امور فتح مکہ کے بعد ہی مجتمع ہوئے۔

دوسرا جواب

مکہ کا فتح ہونا اس امر کا سبب ہوا کہ بیت اللہ بتوں کی گندگی سے پاک ہوگیا اور چونکہ محمد مصطفیٰ فاتح تھے اس لیے تطہیر بیت اللہ سے تطہیر محمد بھی لازم آگی۔

تیسرا جواب

مشرکین مکہ پیغمبر اور یاران پیغمبر کو حج بیت اللہ نہیں کرنے دیتے تھے فتح مکہ ہونے سے فریضۂ حج کا ادا کرنا آسان ہوگیا چونکہ حج، ارکان اسلام میں سے رکن اعظم اور اس کا بجا لانا باعث مغفرت ہے اس لیے فتح مکہ کا بھی سبب مغفرت ہونا لازم آیا۔

چوتھا جواب

واقعۂ اصحاب فیل کے بعد لوگوں کے دلوں میں عام طور پر یہ عقیدہ جمگیا تھا کہ مکہ پر کوئی مشہور ظالم اور دشمنِ خدا قابو نہیں پا سکتا بلکہ اس پر [illegible] ہی متصرف ہو سکتا ہے جو مغفور اور خدا کا دوست ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کھلم کھلا تمہاری (یعنی محمد کی) فتح کرا دی تاکہ لوگوں کو تمہارا معصوم و مغفور ہونا معلوم ہو جائے کیونکہ ان کے پندار میں ایسا ہی شخص فاتح مکہ ہو سکتا ہے۔ محض فتح مکہ کا باعث مغفرت ہونا

کوئی معنی نہیں رکھتا۔

تیسری بحث

معترض کہتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد محمد مصطفےٰ کے اگلے پچھلے گناہوں کا بخشا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ گناہوں سے معصوم و مصئون نہیں تھے۔

پہلا جواب

آیت میں صاف خطاب اگرچہ خود پیغمبر سے ہے لیکن مراد امت محمد سے ہے گویا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بشارت دیتا ہے کہ ہم نے جو کھلم کھلا تمہاری فتح کرا دی اس سے غرض یہ ہے کہ اب تم آسانی سے حج کرو اور وہ تمہاری بخشایش کا سبب ہو فتح مکہ سے اللہ کی نعمت تم پر پوری ہو اور تمہاری فرمانبرداری کے صلہ میں خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمان خدا پر ایمان لانے کی پاداش میں اپنے وطن مکہ سے نکال باہر کئے گئے پھر ان مفلوک غریب الوطن مسلمانوں نے محض اللہ کی خوشنودی کے لیے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھکر سرکش کافروں کا مقابلہ کیا اور نہایت جانبازی سے مکہ کو فتح کر کے اللہ کے گھر کو بتوں سے صاف کیا اس جانبازی و فرمانبرداری کے صلہ میں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اگلے گناہوں کو معاف کر دینے کا وعدہ فرمایا۔ فتح ہو چکنے کے بعد حج و مناسک حج کا بجا لانا ان پر سہل ہو گیا پس مراسم حج وغیرہ کی بجا آوری ان کے پچھلے گناہوں کے

معاف ہونے کا سبب ہوگی۔

قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ مخاطب پیغمبر ہے اور حکم امت کو دیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ الطلاق میں فرمایا ہے:

یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْھُنَّ لِعِدَّتِھِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے پیغمبر! (مسلمانوں سے کہو کہ) جب تم اپنی بی بیوں کو طلاق دینی چاہو تو ان کو انکی عدت کے شروع میں طلاق دو اور (طلاق کے بعد ہی سے) عدت گننے لگو۔

اس آیت میں تخاطب پیغمبر خدا سے ہے لیکن احکام جو دئے گئے ہیں وہ صرف امت سے متعلق ہیں جیسا کہ ترجمہ میں کھول کر بتا دیا گیا ہے اور اس بات کا قرینہ یہ ہے کہ طلاق کے احکام عام افراد امت ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی اپنی بی بیونکو طلاق نہیں دیا کرتا کیونکہ جو عورت ایک مرتبہ پیغمبر کی زوجیت میں آگئی پھر اس سے کوئی امتی نکاح نہیں کر سکتا پیغمبر کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں جو قرآن میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے کہ پیغمبر کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں پس وہ ان پر ہمیشہ کیلئے حرام ہیں۔

بڑی بات یہ ہے کہ ظاہر الفاظ آیت پر نظر کر کے اگر رسول ہی کو مراد لیا جائے اور آپ ہی کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت سمجھی جائے تو یَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا کے کیا معنی ہوں گے؟ معنی الفاظ تو یہ ہیں کہ "ہم نے فتح مبین اس لئے کرا دی تا اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کرے اور تم پر اپنی نعمت کو پوری کرے اور تم کو سیدھا رستہ دکھائے" فتح مکہ کے بعد سیدھا رستہ دکھانے کا یہ مطلب کہ اس سے پہلے آپ سیدھے رستے پر نہ تھے حالانکہ یہ بدیہی البطلان اور نصوص قرآن مجید کی آیات صریحہ کے خلاف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو خود سیدھے رستہ پر نہ ہو وہ

دوسروں کو سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتا۔ غرض ان وجوہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں مخاطب پیغمبر ہیں اور بشارت مسلمانوں کو ہے۔

دوسرا جواب

اگر [illegible] مان لیا جائے کہ آیت میں [illegible] تخاطب پیغمبر سے ہے اور احکام بھی آپ ہی سے متعلق ہیں تو گناہ سے ترک افضل مراد [illegible] اور ترک افضل سے عصمت پر کوئی قدح وارد [illegible]۔

تیسرا جواب

انبیاء سے گناہ کبیرہ کا سرزد ہونا عقلاً ممتنع ہے مثلاً جھوٹ، [illegible]، چوری، خیانت وغیرہ مگر صغیرہ گناہوں کا اُن سے سرزد ہونا ممکن ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ایک عمدہ توجیہ ہے [illegible] نبی کا ہر قول ہر فعل تابع وحی ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے سیدنا نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اب اگر کوئی ناسمجھ یہ اعتراض کرے کہ جب نبی کا ہر قول ہر فعل تابع وحی ہوتا ہے تو پھر اس سے چھوٹی غلطی بھی کیوں سرزد ہوتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کی غلطی بھی تابع وحی ہے یعنی وہ، وحی کے اثر سے ایک غلطی کرتا ہے اور پھر اس پر نمایاں تنبیہ ہوتی ہے تا اس طرح امت کی تعلیم مکمل ہو۔

چوتھا جواب

آیت کریمہ کا صاف مقصد یہ ہے کہ "ہم نے تمہاری نمایاں فتح کرا دی تاکہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے" اور یہ ارشاد وقوع کا مستلزم نہیں ہے مطلب اتنا ہے کہ اگر تمہارا کوئی گناہ ہوگا تو اللہ اس کو معاف کر دیگا پیار و الفت کا یہ ایک تسکین بخش جملہ ہے جو بڑا اپنے سے چھوٹے کا دل بڑھانے کے لئے یا محبت کے اظہار کے لئے استعمال کیا کرتا ہے اور ایسا انداز زبان میں دائر و سائر ہے بہرکیف اس آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم عصمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ کاوش کیجائے تو شاید آپ سے صغیرہ گناہوں یا خطاؤں کا سرزد ہونا مستنبط ہو جائے اور اس سے عصمت و رسالت پر کوئی رد و قدح نہیں ہو سکتی۔ مطول بحث علم کلام و تفسیر میں موجود ہے۔

چوتھی بحث

نعمت کے پوری کرنے سے یہ مراد ہے کہ دشمنان اسلام میں ہر طرف اسلام کی دھاک بیٹھ جائیگی پیغمبر کی ہیبت و جبروت قائم ہوگی۔ اور یہ کہ دشمنوں سے سرزمین عرب خالی ہو جائے گی چنانچہ یہ پیشنگوئی پوری ہوگئی۔ مکہ کے فتح ہو جانیکے بعد اسلام کا ایسا رعب چھایا کہ پھر سرکشان عرب کو سر اٹھانے اور مسلمانوں کو چھیڑنے کی جرأت نہیں ہوئی بلکہ ہر گوشہ سے لوگ جوق جوق آکر اسلام میں داخل ہونے لگے۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلعم کا کوئی ذی اقتدار و با اثر دشمن باقی نہیں رہا۔ بہت سارے جنگ بدر میں قتل و غارت ہوئے اور بقیہ یا تو مسلمان ہو گئے یا ان کا استیصال ہو گیا۔

--- ---

زبردست مدد کرنے سے یہ مطلب کہ فتح مکہ کے بعد اسلام مقہور نہیں ہوگا پیغمبر کو
کافروں سے کسی طرح دبنا نہیں پڑے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ فتح مکہ کے بعد نہ پیغمبر کو
کبھی شکست ہوئی نہ آپ کسی بات میں کافروں سے دبے یا پیچھے ہٹے اور نفس
اسلام تو آجتک کسی زمانہ میں نہ مغلوب ومقہور رہا نہ انشاء اللہ تعالیٰ کبھی ہوگا ۔

پیشگوئی

(۱۴۰)

اصحاب محمدؐ رفتہ رفتہ ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہنچینگے

جیساکہ سورۃ الفتح میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ

محمد اللہ کے بھیجے ہوئے (پیغمبر) ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں (ان کی ایذاؤں سے بچنے کیلئے) بڑے سخت ہیں (مگر) آپس میں رحمدل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو دیکھیگا کہ (کبھی) رکوع

وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ
مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ
فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي
الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ
شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ
فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ
بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ
مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

رکوع کر رہے ہیں (اور کبھی) سجدہ کر رہے
ہیں (اور) خدا کے فضل اور خوشنودی کی
طلبگاری میں لگے ہیں - ان کی شناخت
یہ ہے کہ سجدے کے گٹے اُن کی پیشانیوں
پر ہیں یہی اوصاف ان کے توراۃ میں
(بھی مذکور) ہیں اور یہی اوصاف اُن کے
انجیل میں بھی ہیں (اور وہ روز بروز اس طرح
ترقی کرتے جائیں گے) جیسے کھیتی کہ اُس نے
(پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے
(غذا کے ذرات کو ہوا و مٹی سے جذب کر کے
اپنی) اس سوئی کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ
موٹی ہوئی (یہاں تک کہ) آخرکار کھیتی اپنی
نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اور اپنی سرسبزی سے)
لگی کسانوں کو خوش کرنے (اور خدا نے انکو
روز افزوں ترقی) اس لئے (دی) کہ ان کی
ترقی سے کافروں کو جلائے ان میں سے
جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن سے
خدا نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرما لیا ہے

بحث اول

آیت میں صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار کے فضائل و مناقب کا بیان ہے کہ وہ محمد رسول اللہ کے رفیق و ساتھی ہیں۔ اسلام کے دشمنوں کے حق میں بہت سخت ہیں۔ اپنے آپس میں مہربان و رحم دل ہیں۔ خشوع و خضوع سے عبادت الٰہی کو بجا لانے والے ہیں۔ خدا کی مرضی و خوشنودی پر چلنے والے ہیں اور کثرت سجود سے اون کی مقدس پیشانیوں پر سجدے کے گٹے پڑ گئے ہیں جو ان کے متقی ہونیکی شناخت ہے۔ ان اوصاف میں کا ہر وصف ایک فضل عظیم ہے۔ ان آیات کو پڑھ کر کون مسلمان صحابہ کی فضیلت و احترام سے انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ تراجم و سیر کی کتابیں اصحاب محمد صلعم کے مناقب سے پُر ہیں۔

بحث دوم:۔ اصحاب محمد صلعم کے یہ اوصاف، توریت و انجیل میں بھی مذکور ہیں حکیم محمد احسن ازہوی۔ نواب صدیق حسن خاں علیہ الرحمہ اور ہمارے استاد علامہ عنایت رسول چریاکوٹی نے اپنی معرکہ آرا کتاب ''البشریٰ'' میں بہت مفصل اور محققانہ بحث کرتے ہوئے ثابت کر دیا ہے کہ کتب قدیمہ میں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں پیشنگوئی اور آپکے صحابہؓ کے اوصاف موجود ہیں۔ یہ کتاب ان مباحث مبسوط کے لئے موزوں نہیں ہے

بحث سوم:۔ توصیف صحابہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیشنگوئی فرمائی کہ جس طرح کھیتی رفتہ رفتہ ترقی کرتی اور اپنی سرسبزی سے کسانوں کو خوش کرنے لگتی ہے اسی طرح پیغمبر اسلام کے یہ رفقا، جو اسوقت بالکل بیچارگی و ضعف کی حالت میں، منازل ترقی کو طے کرتے ہوئے تمام عالم پر چھا جائیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ پیشنگوئی اسی تشبیہ کیساتھ پوری ہوئی۔

بحث چہارم: یہ پیشینگوئی اگرچہ تمام مہاجرین و انصار سے متعلق ہے اور سب کے حق میں پوری ہوئی مگر خلفائے راشدین کو اس میں خاص امتیاز حاصل ہے کیونکہ اشاعت اسلام اور فتوحات اسلام کے بانی وہی نفوس عالیہ ہوئے۔

آیت میں کھیتی کی چار حالتیں بیان کی ہیں (۱) پہلے زمین سے سوئی کا نکلنا (۲) پھر جذب غذائے نباتی کے بعد اس کا مضبوط ہونا (۳) پھر موٹا ہونا (۴) پھر اپنی نال پر سیدھے کھڑا ہو جانا۔

اب دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جناب صدیق اکبرؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ نے پہلے مرتدین عرب کا استیصال کیا۔ اس کے بعد فتوحات اسلام کا سلسلہ جاری کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ کو اور مضبوط کر کے اسلام کی جڑ کو خوب قوی کر دیا اور آپ کے عہد مبارک میں فتح اسلام کا سیلاب بہت تیزی سے بڑھتا رہا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں استغلاظ کا وقوع ہوا۔ حضرت علیؓ کے وقت میں یہ ترقی رک کر حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں مستقیم ہو گئی گویا اب اسلام کی کھیتی اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اسلام کی ہیبت تمام عالم پر چھا گئی اور اس کی شوکت قایم ہو گئی۔

پس جناب صدیق اکبر نے اسلام کی کھیتی کی سوئی نکالی۔ فاروق اعظم نے اس کو قوی کیا۔ عثمان غنی کے عہد میں موٹی اور امیر معاویہ کے عہد میں اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔

بہرحال آیت کا مقصود یہ ہے کہ کھیتی کی طرح مسلمان پہلے کمزور رہیں گے پھر درجہ بدرجہ بڑھتے بڑھتے ترقی کریں گے، مضبوط ہوں گے اور دنیا پر ہر طرف پھیل پڑیں گے۔

بحث پنجم :۔ آخر سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ سچے مسلمانوں اور نیک عمل والوں سے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے مغفرت کا وعدہ بعد الموت پورا ہوگا اور اجر عظیم کا وعدہ دنیا میں پورا ہوگیا۔

لطیفہ

محمد رسول اللہ سے لیکر اَجْرًا عَظِیْمًا تک میں حروف معجم تمام آگئے ہیں۔ گویا اس اشارہ میں یہ بشارت ہے کہ اجتماع امر کے ساتھ صحابہ کو فتح اور نصرت تمام خوبیوں سے سرفراز فرمایا جائے گا۔ بشارت تصریحی کیساتھ یہ بشارت تلویحی ہے۔

پیشگوئی

(۱۴۱)

ہم کفّار کو آہستہ آہستہ عذاب کیطرف لیجا رہے ہیں

جیسا کہ سورۃ القلم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ تو (اے پیغمبر!)

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ	ہم کو اور ان لوگوں کو جو (ہمارے) اس کلام کو جھٹلاتے ہیں (اپنے اپنے حال پر) رہنے دو (ہم ان سے بھگت لیں گے) کہ ہم ایسی طرح پر کہ ان کو خبر بھی نہ ہو آہستہ آہستہ ان کو گھسیٹتے اور ان کو ڈھیل دیتے چلے جا رہے ہیں بیشک ہمارا داؤ پکا ہے۔

ف

یہ پوری سورۃ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی
اگلی آیت میں مسلمانوں کے رفتہ رفتہ ترقی کرنے کی پیشنگوئی تھی۔
یہ آیت اس کے مقابل کی ہے جس میں کفار کو آہستہ آہستہ عذاب کیطرف
لیجانیکی پیشنگوئی ہے اور ایساہی ہوا کہ دشمنان اسلام اپنی حفاظت سے
بیخبر مسلمانوں کی بیخکنی ہی کی فکر میں لگے رہے اور آہستہ آہستہ آپ برباد اور
مبتلائے عذاب ہوے۔

پیشنگوئی

(۱۴۲)

عنقریب کفار کو معلوم ہو گا کہ خبط کس کو ہے

جیسا کہ سورۃ القلم میں ہے جہاں اللہ تعالی فرماتا ہے:۔ سو (اے پیغمبر) عنقریب

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ	تم (بھی) دیکھ لوگے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کس کو خبط ہے۔

ف

مشرکین مکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مخبوط الحواس اور آپ کی
باتوں کو خبط کہا کرتے تھے اون کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ

گھبراؤ نہیں، عنقریب ظاہر ہو جائے گا کہ دراصل خبط کس کو ہے اب اس امر کی صراحت کی ضرورت نہیں ہے کہ کفار کا خبط عالم پر کس طرح آشکار ہوا؟!

پیشگوئی

(۱۴۳)

دشمنوں کو جلد معلوم ہو گا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے

جیسا کہ سورۃ الجن میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَّأَقَلُّ عَدَدًا	تو عنقریب ان (کافروں) کو معلوم ہو جائیگا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور (کس کا) جتھا (شمار میں) کم ہے۔

ف

یہ پوری سورۃ مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔

کفار و مشرکین اپنی قوت، اور اپنے مددگاروں کی کثرت کے گھمنڈ پر مسلمانوں کو دق کرتے تھے۔ ان کے ساتھ مسخرا پن کرتے تھے پیغمبر خدا کی ہنسی اڑاتے تھے کہ دیکھو، یہ شخص اکیلا تمام اہل دنیا کی اصلاح کرنے آیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صبر کرو، کوئی دن

جاتا ہے کہ تمہاری اس نخوت کی قلعی کھلتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ فریقین میں سے کس کے مددگار ہو دے اور کس کا جتھا شمار میں کم ہے۔ آخر انہیں مشرکین کے جتھے والے کثرت سے مسلمان ہوے اور انہیں نومسلموں نے بڑی بول بولنے والے مخالفین کے پرخچے اڑا دئے جس کا جوتا اسی کا سر

مسلمانوں کا جتھا بڑھتے بڑھتے تمام جزیرہ نمائے عرب پر چھا گیا اور ہنسی اڑانیوالوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ وہ بڑی قوت اور بڑے جتھے والے کدھر گئے۔

ہجرت سے پہلے، قبل از وقت بے بسی کی حالت میں اس پیشینگوئی کا مشتہر کرنا اور اس کا پورا ہونا واقعی پیشینگوئی کرنے والے کی مافوق البشریت طاقت کا عمدہ ثبوت ہے۔

پیشینگوئی

(۱۴۴)

ہم تم (محمدؐ) کو اسطرح قرآن پڑھا دیں گے کہ پھر نہ بھولو گے

جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (اے پیغمبر!) ہم تم کو قرآن ایسی اچھی طرح پڑھا دیں گے کہ تم اس کو کبھی نہ بھولو گے مگر کسی آیت کو خدا ہی بھلا دینا چاہے (تو وہ دوسری بات ہے)

ف

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ وحی کا کوئی لفظ وہاں سے اُتر جائے، جلدی کرکے الفاظ قرآنی کو بیچ بیچ میں دُہرانے لگتے۔ اس سے وحی میں گول مال ہو جانے کا احتمال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو پڑھنے اور سیکھنے کا ادب تعلیم فرمایا کہ پہلے بات پوری سُن لو تب اس کو دُہراؤ۔ وحی کا یاد رکھنا تمہارا کام نہیں ہے۔ ہم اس کو ایسا تمہارے ذہن نشین کر دیں گے کہ پھر تم بھولو گے ہی نہیں۔ یہ مضمون قرآن شریف میں اور دو جگہ آیا ہے۔ ایک سورۃ طٰہٰ میں جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ	اے پیغمبر تمہاری طرف قرآن جو وحی کیا جاتا ہے) وحی کے تمام ہونے سے پہلے قرآن (کے پڑھنے) میں جلدی نہ کیا کرو

دوسری آیت سورۃ القیامۃ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ	(اے پیغمبر!) وحی کے (یاد کرنے کے) لئے اپنی زبان نہ چلانے لگا کرو تاکہ تم کو وحی جلدی سے یاد ہو جائے۔ (تم کو قرآن کا یاد کرا دینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے تو جب ہم قرآن پڑھ چکا کریں تو (اس کے بعد تم بھی) اس کے پڑھنے کی پیروی کیا کرو پھر اس کا سمجھا دینا (بھی) ہمارا ہی کام ہے (غرض تم کو جلدی کرنی نہیں چاہیئے۔

ف

ان آیات کریمہ میں دو معجزوں کا بیان ہے۔

اول:۔ یہ کہ رسول خدا صلعم کو قرآن کے دُھرانے میں جلدی نہ کرنی چاہیے اس خوف سے کہ کہیں بھول نہ جائے کیونکہ اللہ نے خود ذمہ لیلیا ہے کہ وہ اپنے رسول کو پورا قرآن اس طرح پڑھا کر یاد کرا دے گا کہ پھر وہ کبھی بھولنے نہ پائیں گے۔

یہ سب آیات مذکورہ مکہ معظمہ میں ہجرت سے پہلے اوائل زمانۂ نبوت میں نازل ہوئیں اور حالت یہ تھی کہ قرآن کی آیتیں جب جب نازل ہوتیں آپ صحابہ کو سنا دیتے اور لوگ کھجور کے پتوں پر چھالوں پر اور پتلے چمڑوں پہ لکھ لیا کرتے تھے۔ صحابہ میں کمتر لوگ ایسے تھے جن کو عہد نبوت میں پورا قرآن یاد تھا۔ جناب رسول خدا صلعم نے اپنی وفات سے پہلے اگرچہ قرآن کو مکمل طور پر مرتب کر دیا تھا اور صحابہ کو یاد کرا دیا تھا جیسا کہ آلان ہمارے سامنے ہے۔ مگر بین الدفتین جس صورت میں اب ہے یعنی کتاب کی صورت میں ایک جگہ مرتب نہیں تھا بلکہ سینوں میں ایک جگہ محفوظ تھا اور چھالوں وغیرہ پر متفرق۔ ایسی حالت میں قرآنی پیشنگوئی کا پورا اُترنا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن یاد رہنا اور اس کا بین الناس محفوظ رہنا اعجاز کا بہترین نمونہ ہے۔

دوم:۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرد اُمّی محض تھے۔ لکھنا پڑھنا مطلق نہیں جانتے تھے۔ باوجود اس کے قرآن جیسی مطول اور عظیم الشان کتاب کا یاد رہنا اور اس کے تمام معارف و مطالب کیساتھ ایک جملہ ایک حرف کا لوح حافظہ سے نہ مٹنا واقعی عجیب و غریب معجزہ ہے۔

سوم:۔ پہلی آیت میں اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ جو فرمایا گیا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ پیغمبر خدا کو کچھ آیتیں یا جملے بھول بھی گئے۔ وہ وقوع ضرور نہیں ہے

مطلب یہ ہے کہ خدا پیغمبر کو قرآن اسطرح پڑھا دیگا کہ پھر وہ نہ بھولیں گے لیکن خدا خود اگر کسی آیت کو بھلوا دینا چاہے تو ضرور بھلا دیگا اور پیغمبر بھول جائیں گے۔ غرض اللہ ہر امر پر قادر ہے۔ رسول کا بھولنا ثابت نہیں ہوتا نہ آیت کا یہ منشاء ہے بلکہ قرآن کی بیشمار آیتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ قرآن مجید کا محافظ خود اللہ ہے اور وہ اس کا ایک شوشہ بھی گھٹنے نہ دیگا۔

قرآن مجید جیسا کہ پیغمبر خدا کے اوپر نازل ہوا، ویسا ہی بلا ایک حرف کی کمی بیشی کے اسوقت بھی ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اخبار، آثار، تاریخ اور تواتر سے ایسا ہی ثابت و متیقن ہے اور اس کا انکار جہل مرکب ہے

یہ بحث ہم دوسری پیشینگوئی کے تحت میں کر آئے ہیں اور مقدمہ کتاب میں خود علمائے نصاریٰ کی شہادتوں سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید جس طرح محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، بلا کسی کمی و بیشی کے اسوقت بھی ویسا ہی مسلمانوں کے ہاتھوں اور سینوں میں موجود ہے۔

پیشینگوئی

(۱۴۵)

قرآن بھاری یعنے باقی رہنے والی چیز ہے

جیسا کہ سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (اے پیغمبر!)

إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا	ہم عنقریب تمپر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے۔

ف

یہ سورۃ المزمل مکی ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن جس کے کچھ اجزاء نازل ہو چکے ہیں بعد تکمیل ایک مکمل اور بھاری حکم ہوگا ثقیل چیز کی شان یہ ہے کہ ایک ہی جگہ پر باقی رہے اور اس کو زوال نہ آئے۔ پس آیت میں اشارۃً اس امر کی پیشینگوئی ہے کہ قرآن مجید دنیا میں قیام قیامت تک باقی رہے گا اور اس کو کچھ زوال نہ ہوگا۔ دوسری پیشینگوئی میں تم پڑھ آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے محفوظ رکھنے کا وعدہ کیا اور خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اب اِن دونوں پیشگوئیوں کو ملانے سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن میں کسی قسم کی کمی بیشی ہوی نہ ہوگی اور وہ اسی شان سے قیامت تک پردۂ دنیا پر باقی رہے گا۔ یہ عظمت اور یہ شان دنیا کی کس آسمانی یا غیر آسمانی کتاب کو نصیب ہے؟ کسی کو بھی نہیں۔

پیشنگوئی

(۱۴۶)

رسول کی پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر ہوگی

جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۔	اور اے پیغمبر۔ البتہ تمہاری پچھلی حالت* تمہارے لئے اگلی حالت سے بہتر ہوگی۔

یہ پوری سورۃ مکی ہے جو مکہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوی

* امام فخرالدین رازی رح نے اسی معنیٰ کو اختیار کیا ہے اور یہی معنی صحیح۔ دیکھو تفسیر کبیر جلد ہشتم ۱۲

واقعی جیسا خدا نے وعدہ فرمایا ویسا ہی کر دکھایا کہ ہر نوعیت سے پیغمبر کی پچھلی حالت پہلی حالت سے بدرجہا بہتر ہو گئی اگرچہ آپ نے کبھی دنیا کی دولت سے زائد از ضرورت بشری کوئی تمتع نہیں اٹھایا مگر خدا نے آپ کی غربت و عسرت کو دولت و فراغت سے بدل دیا۔ پہلے آپ بالکل بے یار و مددگار تھے آخر میں سب سے زیادہ اور زبردست جتھے والے ہو گئے۔ اوائل زمانۂ نبوت میں آپ دشمنان اسلام سے مغلوب تھے آخر اللہ نے انھیں لوگوں پر غالب کر دیا۔ جبتک آپ مکہ معظمہ میں رہے محکومانہ زندگی بسر کرتے تھے اور دبے رہتے تھے یہاں تک کہ مجبور ہو کر مکہ کو چھوڑنا پڑا لیکن پھر کیا ہوا؟ خدا کے فضل سے وہی مجبور و بے بس تمام عرب کا فرمانروا بن بیٹھا۔ غرض جس صورت کو لو آپ کی ہر پچھلی حالت اگلی حالت سے بہتر نظر آئے گی۔ یہ ایک ایسی صریح اور پرعظمت پیشینگوئی ہے کہ متعصب سے متعصب دشمن بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کر سکتا۔

پیشینگوئی

(۱۴۷)

رسولؐ کو وہ چیز ملیگی جس سے وہ خوش ہو جائیں گے

جیسا کہ سورۃ الضحیٰ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ (اے پیغمبر! ہمکو)

وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی	چاشت (کے وقت) کی قسم اور رات کی قسم جب (وہ سب چیزوں کو) ڈھانک لے کہ تمھارا

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی	پروردگار نہ تو تم سے دست بردار ہوا اور نہ (کسیطرح) ناخوش ہوا اور البتہ تمھاری پچھلی حالت تمھارے لئے اگلی (حالت) سے کہیں بہتر ہے اور تمھارا پروردگار آگے چل کر تم کو اتنا کچھ دے گا کہ تم (بھی) خوش ہو جاؤ گے۔

ف

وحی کے آنے میں چند روز کی دیر ہو گئی تو مکہ کے کافروں نے چھیڑنا شروع کیا کہ محمدؐ کو اس کے خدا نے چھوڑ دیا۔ یہ سورت اُسی چھیڑ خانی کا جواب ہے (مولوی نذیر احمد دہلوی برحاشیہ ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کس چیز کی عنایت کرنے کا وعدہ کیا ہے جو ان کی خوشی و رضا مندی کا موجب ہوگا۔ اس امر میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض فتح مکہ کو مراد لیتے ہیں۔ بعض تسخیر عرب کو بتاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کثرت اعوان و مومنین کا وعدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں عام نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ ان تفاسیر میں سے کوئی سی تفسیر بھی تشفی بخش نہیں ہے نہ کسی سے معنی کی پوری تعئین ہوتی۔

پہلے ہمکو یہ دیکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود کس بات کی زیادہ خواہش تھی اور وہ اللہ سے کیا تمنا رکھتے تھے جس کے لئے آخر میں وعدہ کیا گیا کہ اب اللہ تم کو وہ چیز عطا کر دے گا جس کی تمھیں خواہش و تمنا تھی اور جس سے تم خوش اور راضی ہو جاؤ گے

قرآن مجید میں تفحص اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم

اہل مکہ اور قریش کے مسلمان ہو جانے کی بہت خواہش رکھتے تھے بلکہ ان کے ایمان لانے کی آپ کو حرص اور ضرورت سے زیادہ تمنا ہو گئی تھی اگرچہ اس بارہ میں بیشمار آیات کریمہ وارد ہیں مگر ہم اس مقام پر صرف پانچ آیتیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی آیت سورۃ التوبہ کے آخر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

(لوگو!) تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ تمھاری تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے (اور) ان کو تمھاری بھبود کی حرص ہے اور وہ مسلمانوں پر نہایت درجہ شفیق (اور) مہربان ہیں۔

سورۃ التوبہ کی آخری دو آیتیں مکی ہیں اور باقی کل سورۃ مدنی ہے۔

دوسری آیت سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔

(اے پیغمبر!) اگر تم کو ان لوگوں کے راہ راست پر آجانے کی حرص ہے تو (اس خیال کو چھوڑ دو کیونکہ) خدا جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کو ہدایت نہیں دیا کرتا اور کوئی ایسے لوگوں کی مدد کو بھی نہیں کھڑا ہوتا۔

تیسری آیت سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا

تو (اے پیغمبر!) اگر (یہ لوگ) اس بات کو نہ مانیں تو شاید تم مارے افسوس کے ان کے پیچھے اپنی جان ہلاک کر ڈالو گے۔

چوتھی آیت سورۃ الشعراء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۔	یہ (سورت بھی) اُسی کتاب (قرآن) کی (چند) آیتیں ہیں جن کا مطلب صاف ہے (اے پیغمبر!) شاید تم خودکشی کر بیٹھو گے کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے

پانچویں آیت سورۃ الفاطر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ	بات یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے تو (اے پیغمبر!) ان لوگوں (کے حال) پر افسوس کر کر کے (کہیں) تمھاری جان نہ جاتی رہے (تم صبر کئے بیٹھے رہو کیونکہ) جیسے جیسے عمل یہ لوگ کر رہے ہیں اللہ ان سے واقف ہے۔

ف

قرآن مجید ہی سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش یا اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی بڑی تمنا اور بڑی حرص تھی تو آیت زیر تفسیر کے معنی صاف اور متعین ہوگئے یعنے اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو بشارت دیتا ہے کہ تم کو جو اہل مکہ کے ایمان لانے کی اتنی حرص و آرزو ہے تو ہم اس آرزو کو بھی پوری کر کے رہیں گے تاکہ تم خوش اور راضی ہو جاؤ سو عنقریب، اون کینہ ور دشمنان اسلام کے سوا جن کا دوزخ میں پڑنا علم الٰہی میں مقدر ہو چکا ہے سب اہل مکہ مسلمان ہوں گے۔

سب جانتے ہیں کہ قرآن کی یہ پیشنگوئی پوری ہو کر رہی یعنی اہل مکہ مسلمان ہو گئے اور وہ انشاء اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک مسلمان ہی رہیں گے۔

پیشنگوئی

(۱۴۸)
قریش سب مسلمان ہو جائیں گے

جیسا کہ سورۃ القریش میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ

چونکہ (خدا نے) قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگا دی ہے تو اون کو چاہیئے کہ اسی چاٹ کے لگا دینے کی وجہ سے اس خانۂ (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے اون کو بھوک میں (بے جوتے ہوئے) کھانے کو دیا اور (لوٹ کھسوٹ کے) خوف سے اون کو امن میں رکھا۔

ف

مکہ کی سرزمین میں کچھ پیداوار نہیں ہوتی اور خدا کی شان ہے کہ سب طرح کا غلہ اور میوہ دوسرے شہروں سے وہاں جاتا ہے اور ضرورت کی سب چیزیں میسر آتی ہیں۔

قریش عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے یہ لوگ خانۂ کعبہ کے مجاور تھے تمام جزیرہ عرب ان کا بڑا ادب کرتا تھا ملک میں چاروں طرف لوٹ مار رہتی مگر خانۂ کعبہ کے ادب کی وجہ سے مکہ میں ہر طرح کا امن رہتا قریش کے لوگ جاڑے میں یمن کی طرف اور گرمی میں شام کی طرف تجارت کیلئے سفر کو جاتے اور کوئی ان کا مانع اور مزاحم نہ ہوتا بلکہ مجاور بیت اللہ سمجھ کر ان کی خدمتیں کرتے جیسا کہ اب بھی عرب والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس سورت میں خدا نے اپنی یہ نعمتیں جتا کر قریش کو سمجھایا کہ ان نعمتوں کا شکر یہ چاہتا ہے کہ جس گھر کے طفیل میں تم کو یہ نعمتیں حاصل ہیں اس گھر کے مالک یعنی خدا کا احسان مانو، اور شرک وبت پرستی کو چھوڑ کر خالص اسی کی عبادت کرو اور ویسا ہی ہوا کہ قریش سب مسلمان ہوگئے اور آج کروروں قریشیوں میں سے ایک متنفس بھی غیر مسلمان نظر نہیں آتا۔

پیشگوئی

(۱۴۹)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی

جیسا کہ سورۃ النصر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ

(اے پیغمبر!) جب کہ خدا کی مدد آپہونچی اور مکہ فتح ہوگیا۔

وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔

اور تم نے لوگوں کو (بچشم خود) دیکھ لیا کہ دین خدا (یعنی اسلام) میں جوق جوق داخل ہو رہے ہیں تو (اب) اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ (اس کی تسبیح و تقدیس) میں مشغول ہو جاؤ اور اس سے گناہوں کی معافی مانگو بیشک وہ بڑا توبہ کا قبول کرنیوالا ہے۔

ف

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو صاف ایما فرما دیا کہ مکہ کا فتح ہونا اور لوگوں کا جوق جوق اسلام لانا اس بات کا نشان ہے کہ تم نے اپنا فرض رسالت پورا کیا تو اب آخرت کی اپنی تیاری کرو یہ سورت منیٰ میں حجۃ الوداع کے وسط ایام تشریق میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اب وقت سفر آخرت قریب ہے آپ نے جناب فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ بیٹی میں تم کو اپنے مرنے کی خبر دیتا ہوں امام احمد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب سورۃ النصر نازل ہوئی تو پیغمبر خدا نے اسی وقت ارشاد فرمایا کہ میں ملنے والا ہوں ... اور میں اس سال دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

آیت کریمہ میں چند ایسی صریح باتیں ہیں جس سے رسول خدا کی موت کی خبر معلوم ہو جاتی ہے۔ مثلاً رسول خدا کو نصرت و فتح کا ملنا عامۃ الناس کا جوق جوق اسلام میں داخل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ امر نبوت اپنے تمام و کمال کو پہونچ گیا اور

ے بیہقی عن ابن عباس ۱۲

کمال کے بعد پھر زوال لازم ہے اور وہ موت رسول ہے ؎

اذا تم شیٔ دنا نقصہ ۔۔۔ توقع زوالاً اذا قیل تم

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت اور لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کی خبر دینے کے بعد رسول کو ہدایت فرمائی کہ تم اللہ کی تسبیح میں مشغول ہو اور استغفار کرو۔ یہ ہدایت اس امر کی طرف اشارہ صریح تھا کہ تم اپنا منصب و فرض پورا کر چکے اب چلنے کی تیاری کرو اور خدا ہی کیطرف لو لگاؤ۔

تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو استغفار کا حکم دیا اور معلوم ہے کہ استغفار آخر عمر اور چل چلاؤ کیوقت ہوتا ہے۔

چوتھے یہ کہ جب اسلام مؤید من اللہ ہو گیا مکہ فتح ہو گیا کافروں کا استیصال ہو گیا اور لوگ عام طور سے دائرۂ اسلام میں خوشی خوشی جوق جوق داخل ہونے لگے تو تو ثابت ہو گیا کہ رسول نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا۔ ورجب منصب نبوت پورا ہو گیا رسول جس غرض کے لئے بھیجا گیا تھا وہ کمال کو پہونچ گیا تو رسول کے رہنے کی ضرورت باقی نہ رہی یہی وجہ تھے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو ابو بکر۔ عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت ملول ہوئے اوران سب کو معلوم ہو گیا کہ اب رسول خدا کا وقت رحلت قریب آ گیا۔

لطیفہ

جناب فاروق اعظم حضرت عبداللہ بن عباس کو باوجود کم عمر ہونے کے شیوخ بدر کے ساتھ بیٹھایا کرتے تھے اس پر لوگوں کو رشک ہوا چنانچہ بعض بزرگوں نے کہا بھی آپ اس بچہ کو ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو

جوان کے ہمسر ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے آپ نے فرمایا' یہ وہ شخص ہے جسکی قابلیت تم کو بھی معلوم ہے ایک دن اصحاب بدر مجلس میں جمع تھے حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کرکے پوچھا کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ الخ سے کیا مراد ہے بعضوں نے کہا خدا نے حکم دیا ہے کہ جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجالائیں بعض بالکل چپ رہے۔ حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا انھوں نے کہا اس آیت میں رسول اللہ کی وفات کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محمد جب فتح و نصرت آچکی تو یہ تیرے دنیا سے اٹھنے کی علامت ہے اس لئے تو خدا کی حمد کر۔ اور گناہ کی معافی مانگ بے شبہ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے۔عہ

غرض اس سورۃ کے نزول کے بعد رسول خدا صلعم بہت زیادہ تسبیح و تقدیس و استغفار میں مشغول رہنے لگے گویا اٹھتے بیٹھتے آپ کا یہی کام تھا یہاں تک کہ نزول سورۃ کے ساٹھ یا اسی دن کے بعد آپ نے دنیا سے فانی سے انتقال فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ النصر کے نازل ہونے کے کتنے دنوں کے بعد رسول خدا نے انتقال فرمایا؟ اس بارہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں صحیح تریں قول تو وہی ہے جو نواب صدیق الحسن خان قنوجی نے فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ یہ سورۃ منیٰ میں حجۃ الوداع کیوقت نازل ہوئی۔ پھر آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہوئی اور اس کے بعد رسول خدا اسیٰ دن زندہ رہے۔ پھر آیت کلالہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول اللہ پچاس روز

عہ۔ بخاری ۱۲۔ عہ صحیح بخاری تفسیر اذا جاء ۱۲۔ ۵ فتح الرحمٰن از علامہ صدیق الحسن خان ۱۲۔

زندہ رہے پھر آیت وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ نازل ہوئی جس کے بعد
آپ کل اکیس (۲۱) دن یا سات دن زندہ رہ کر ترسٹھ برس کی عمر میں رہگزائے عالم بقا ہوئے
بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سورۃ النصر کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ
ایک سال زندہ رہے اور بعضوں نے لکھا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔

بہر حال نزول سورۃ النصر کے بعد آپ کم سے کم ساٹھ دن یا زیادہ سے زیادہ
دو سال زندہ رہے وفات کے وقت آپکی عمر (۶۳) سال کی تھی داڑھی اور سر کے
صرف چند بال سپید ہوئے تھے قوائے جسمانی میں کوئی فرق نمایاں نہیں ہوا تھا
اور یہ حالت ایسی نہ تھی جو یہ کہا جا سکے کہ آپ کے مرنے کے دن ہی سے تھے
اور ضعف اور بڑھاپے پر نظر کرتے ہوئے ایسی پیشینگوئی حیرت ناک نہیں تھی۔

پیشینگوئی

(۱۵۰)

قرآن کے متعلق عجیب و غریب خبریں

جیسا کہ سورۃ حٰم السجدہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ

اور یہ (قرآن) تو غالب بے نظیر کتاب ہے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے (ہی کی طرف) سے اس کے پاس پھٹکنے پاتا اور نہ اس کے

هٰذِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۔	پیچھے (کی طرف) سے (کیونکہ) وہ حکمت والے سزاوار حمد (و ثنا یعنی خدا) کی اتاری ہوئی (کتاب) ہے ۔

ف

اگرچہ یہ لحاظ آیت ہم نے ایک پیشنگوئی قرار دی ہے لیکن درحقیقت اس عجیب و غریب کلام میں چھ پیشنگوئیاں ہیں

پہلی پیشنگوئی

عزیز کے معنی ہیں غالب وقاہر خدا نے قرآن مجید کو غالب وقاہر فرمایا اور ویسا ہی ہوا کہ اس نے نازل ہوتے ہی تمام اہل عرب کو اپنی حجت و برہان سے مغلوب ومقہور کردیا اور اپنی بے نظیر فصاحت وبلاغت سے تمام فصحاء عرب کے چھکے چھڑا دئے صرف یہی نہیں کہ قرآن نے اس بارہ میں عرب کو ہی ساکت کردیا بلکہ اس نے اپنے تمام مخالفین کو جو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے مغلوب وعاجز کردیا اس نے عام دعوی کیا کہ میں اللہ کی کتاب ہوں اور لاجواب کلام معجز ہوں پھر اس نے قیامت تک کیلئے دنیا بھر کے لوگوں کو چیلنج دیا کہ اگر کسی کو شک ہو تو وہ میری جیسی ایک ہی سورۃ جس میں کم سے کم تین آیتیں ہوں بنا کر پیش کردے ۔ مگر تیرہ سو برس گذر گئے آجتک کوئی ایک سورۃ بھی ویسی بنا کر پیش نہ کرسکا۔ گویا زبان حال ومقال سے سب نے اپنی عاجزی کا اعتراف کرلیا اور قرآن کے غلبہ کا بدیہی ثبوت دیدیا ۔

دوسری پیشنگوئی

عزیز کے دو معنی ہیں - ایک وہ جو ابھی بیان کیا گیا - اور دوسرے معنی ہیں عدیم النظیر یعنی وہ چیز جس کی نظیر و مثال نہ پائی جائے اس پیشنگوئی کے صحیح اترنے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ؟ عیاں راچہ بیان مشہور ضرب المثل ہے اولین و آخرین سب اس کے معارضہ سے عاجز رہے اور اس میدان میں کوئی بھی مردانہ وار قایم نہ رہ سکا - فصاحت میں بلاغت میں - حجت و بیان میں - اخلاق و عرفان میں اپنے احکام کی عمدگی و سادگی میں اور تمام اصلاحات دینی و دنیاوی پر حاوی و مکمل ہونے میں غرض کسی بات میں کوئی کتاب نہ اس کا مقابلہ کر سکی نہ آیندہ اس جیسی کوئی کتاب وجود میں آئے گی -

ایک لفظ میں دو پیشنگوئیاں ! یہ کمال بلاغت ہے -

تیسری پیشنگوئی

یہ ہے کہ باطل قرآن کے آگے کی طرف سے اس کے پاس نہیں پھٹک سکتا یعنی قرآن جیسا ہے ویسا ہی رہے گا اس میں سے کچھ کم نہیں ہو سکتا -

چوتھی پیشنگوئی

یہ ہے کہ قرآن کے پیچھے کی طرف سے بھی اس تک باطل کا گذر نہیں ہوگا یعنی جتنا نازل کیا گیا ہے اتنا ہی رہے گا اس میں کوئی ایک شوشہ بھی اضافہ

نہیں کرسکتا۔

یہ دونوں پیشینگوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور قیامت تک صحیح ثابت ہوتی رہیں گی۔ قرآن کا کمی وبیشی سے محفوظ رہنا ایسی بدیہی اور متواتر دلائل وشواہد سے ثابت ہے جس سے بجز مجنون اور اندھے متعصب کے کوئی سمجھدار انکار نہیں کرسکتا یہانتک کہ تسلیم کے سوا چارہ کار نہ پاکر متعصب سے متعصب عیسائیوں کے پادریوں، علماء یورپ اور ہنود (دیکھو نزہتہ الناظرین) وغیرہ نے بھی صاف صاف الفاظ میں اقرار کردیا کہ قرآن جس طرح محمد مصطفےٰ پر نازل ہوا۔ بعینہ اسی طرح بغیر کسی کمی بیشی کے اسوقت بھی موجود ہے۔

اس بحث کو ہم نے دیباچہ کتاب اور دوسری پیشینگوئی کے تحت میں بہت تفصیل سے لکھا ہے۔

پانچویں پیشینگوئی

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ جھوٹ نہ تو قرآن کے آگے کی طرف سے اس کے پاس پھٹک سکتا نہ پیچھے کی طرف سے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن نے جس چیز پر حق کا حکم لگا یا وہ باطل نہ ہوگی اور جس چیز کو باطل قرار دیا وہ کبھی حق نہ ہوگی۔

قرآن کے اکثر احکام کو علمی دنیا والوں نے درست مان لیا ہے اور جن بعض امور سے بعض کجرائی پہلے انکار کرتے تھے ان کو زمانہ کی روشن ترقی نے خود چار وناچار منوایا بعض باتیں اب بھی ایسی ہیں جنکو علماء یورپ خلاف حکمت ومصلحت سمجھتے ہیں یا یہ کہکر کہ ایسے احکام دنیا کے ہر حصہ میں

ہمہ وقت نافذ نہیں ہو سکتے حکم الٰہی باور نہیں کرتے لیکن یہ ان کی کج فہمی کا عقدہ ہم دوسری جلد کے باب اوامر و نواہی میں کھولیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

چھٹویں پیشگوئی

یہ بھی مستنبط ہوتی ہے کہ کوئی ایسی کتاب جو قرآن کے مقابل یا معارض ہو سکے نہ اس (زمانہ پیغمبر کے) وقت موجود ہے نہ آیندہ ہوگی پس آیت بین یدیہ - (اس کے سامنے) سے زمانہ وجود مراد ہے اور من خلفہ (پیچھے) سے زمانہ آیندہ جیسا کہ ظاہر ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ (کوئی) باطل جو قرآن کے دعوے کو غلط کر سکے نہ تو اس کے سامنے سے اس کے پاس پھٹک سکتا۔ (یعنی) نہ اسوقت موجود ہے کہ کوئی معارضہ کر سکے، نہ آئندہ اس کے پیچھے سے) کوئی باطل ایسا ظاہر ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ آجتک کوئی ایسی کتاب جو قرآن کے مقابل میں کبھی جا سکے باوجود کوششوں کے غیر اسلامی دنیا پیش نہ کر سکی۔

پیشگوئی

(۱۵۱)

اسلام اور اسلامی حکومت مشرق و مغرب میں خوب پھیلیگی

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں چار مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ المعارج میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ

تو ہم کو مشرقوں اور مغربوں کے مالک یعنی اپنی ذات پاک کی قسم ہے کہ ہم اس بات پر (بھی) قادر ہیں کہ (دنیا میں) ان سے بہتر (مخلوق) ان کے بدلے لا بسائیں اور (ایسا کرنا چاہیں تو) کوئی ہمارے حکم سے باہر نہیں ہو سکتا۔

موسم کے ساتھ سورج اور چاند اور ستاروں کے طلوع و غروب ہونیکی جگہ بدلتی رہتی ہے اس لحاظ سے مشارق اور مغارب جمع کے صیغے فرمائے۔

ف

اس آیت میں چونکہ اللہ تعالیٰ مشارق و مغارب کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ ہم ان کافروں کے بدلے دوسری مخلوق لا بسانے پر قادر ہیں اس لئے گنا یتہ یہ پیشنگوئی بھی نکلی کہ خدا مشرق و مغرب میں اسلام کو پھیلا دے گا چنانچہ ایسا واقع بھی ہو گیا۔

دوسری آیت سورۃ المزمل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔

(وہ اللہ) مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو اسی کو (اپنا) کارساز سمجھو۔

تیسری آیت سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ	اور اللہ ہی کا پورب اور پچھم تو جہاں کہیں منہ کرلو ادھر ہی کو اللہ کا سامنا ہے۔

چوتھی آیت بھی اسی سورہ میں اس کے بعد ہے جہاں اللہ تعالے فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔	(اے پیغمبر! تم کافروں سے) کہدو کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے (دین کا) سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

ف

یہ پیشینگوئی اگرچہ بطور چیستان کے واقع ہوئی ہے مگر غور کے بعد عجیب و غریب پیشینگوئی ثابت ہوتی ہے سمت چار ہیں۔ مشرق۔ مغرب۔ جنوب شمال۔ پھر کیا وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب دو ہی سمتوں کی قسم کھائی اور دو ہی سمتوں کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔

جن لوگوں کی نظریں علم تاریخ و جغرافیہ میں وسیع ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلامی سلطنت زیادہ تر مشرق اور مغرب ہی میں پھیلی۔ انہیں سمتوں میں اسلام زیادہ چمکا اور شمال و جنوب میں مسلمانوں کا قدم بہت کم آگے بڑھا۔ پس یہی رمز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کیا اور اس ابلغ طریقہ میں یہ عجیب پیشینگوئی فرمائی کہ مشرق اور مغرب دو ہی سمتوں میں اسلام کی حکومت زیادہ ہوگی۔

مزید توضیح کے لئے ناظرین اس نقشہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

پیشگوئی

(۱۵۲)

یہود عرب دنیا میں ذلیل ہونگے

جیسا کہ سورۃ البقرہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ۔

تو (اے یہود!) کیا کتاب (الہٰی) کی بعض باتوں کو تم مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے تو جو لوگ تم میں سے ایسا کریں اس کے سوا اُن کا اور کیا بدلہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں (اُن کی) رسوائی ہو۔ اور (آخر کار) قیامت کے دن (دوزخ کے) بڑے سخت عذاب کی طرف لوٹا دئے جائیں

ف

پیشگوئی سلسلہ تمام دنیا کے یہود سے متعلق ہے اور یہ پیشگوئی صرف یہودیان عرب کے بارہ میں کی گئی ہے۔ مار کھانا۔ قتل ہونا۔ مال و دولت کا چھن جانا۔ لونڈی غلام بننا۔ گھروں سے نکال باہر کیا جانا غرض انسان کی جسقدر رسوائی ممکن ہے عرب کے یہودیوں نے سب آنکھوں دیکھا اور اس کی تفصیل

کچھ پہلے صفحات میں گذر چکی ہے۔

پیشنگوئی

(۱۵۳)

عذاب الٰہی پر ٹھٹھا کرنیوالوں کو عنقریب معلوم ہوگا

جیسا کہ سورۃ الشعراء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ

یہ سورہ مکی ہے۔

اور لوگوں کا دستور ہے کہ جب کبھی (خدائے) رحمان کی طرف سے ان کے پاس کوئی نصیحت (کی نئی بات) آتی ہے تو اس سے منہ پھیرے بغیر نہیں رہتے سو (خیر) انھوں نے جھٹلایا تو ہے مگر عنقریب ان کو اس (عذاب) کی حقیقت معلوم ہوگی جس پر ٹھٹھا مارا کرتے تھے۔

ف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمنان اسلام کو اسلام کی دعوت دیتے

اور سمجھاتے تھے کہ اگر تم اسلام اختیار نہ کروگے اور اپنے فسادوں سے
باز نہ آوگے تو دنیا ہی میں تم پر آفت و عذاب نازل ہوگا اور مابعد الموت کا عذاب
تو اس کے علاوہ ہے کفار اس پند و نصیحت پر مضحکہ اُڑاتے تھے اور بار بار
چڑانے کو پوچھتے تھے۔ کہ وہ عذاب کب نازل ہوگا۔ آخر مسلمانوں نے
قوت پکڑی اور اُن نالائقوں کو دھر دبایا۔ جس عذاب کی ہنسی اڑاتے پھرتے
تھے اس کو آنکھو دیکھا اور خدا کی پیشنگوئی پوری اتری

پیشنگوئی

(۱۵۴)

پادریوں اور مسیحی عالموں کا خصیصہ

جیساکہ سورۃ الحدید میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ
بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً
وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا
مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآ

پھر ان کے پیچھے ان ہی کے قدم بقدم ہم نے
اپنے (اور) رسول بھیجے اور (ان کے) پیچھے
مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور اُن کو انجیل
عنایت فرمائی اور جو لوگ اُن کے پیرو ہوئے
ان کے دلوں میں رحم اور ترس ڈالدیا اور
دنیا کا چھوڑ بیٹھنا جس کو انھوں نے از خود ایجاد
کیا تھا ہم نے (وہ طریقہ) ان پر فرض نہیں کیا تھا

رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ۔

مگر (ہاں انھوں نے اسکو) خدا (ہی) کی خوشنودی حاصل کرنیکیلئے (ایجاد کر لیا تھا) لیکن جیسا کہ ان کو نباہنا چاہئے تھا وہ نہ نباہ سکے تو جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے اُن کے اجر عنایت فرمائے اور ان میں سے بھتیرے تو نافرمان ہیں۔

ف

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پادریوں اور مسیحی عالموں کا خصیصہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں رحم اور نرم دلی ڈالدی ہے یعنی رافت و رحمت اُن کے خصائلِ میں سے ہے۔ رہی رہبانیت یا ترک دنیا وہ خدا نے ان پر واجب نہیں گردانا۔ بلکہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے انھوں نے خود ترک دنیا داری اپنے اوپر لازم کر لی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں اور اس سے کوئی فرد بشر انکار نہیں کر سکتا کہ رحم و نرم دلی پادریوں۔ اور علمائے نصاریٰ کا خاصہ ہے جو دنیا کی کسی قوم کسی مذہب کے عام پیشواؤں میں نہیں ہے۔

پادریوں اور مسیحی واعظوں کے ساتھ دوسرے مذاہب کے عوام بلکہ بعض خواص بھی ہر چند بدزبانی کرتے ہیں گالی دیتے ہیں طرح طرح کی توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ طرح طرح سے ستاتے ہیں بلکہ بعض اوقات مار پیٹ سے بھی باز نہیں رہتے مگر ان پادریوں کے دل و جگر کو دیکھو کہ اُف تک نہیں کرتے بدلہ لینا تو بڑی بات ہے یہ سب ذلت ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے ہیں الٹا کر کسی کو برا بھلا

نہیں کھیٹھتے گالی نہیں دیتے ۔ حالت میں چارہ جوئی نہیں کرتے ۔ بلکہ ان سب رسوائیوں اور عوام کالانعام کی زیادتیوں کو برداشت کرتے ہوئے اُسی کشادہ پیشانی کے ساتھ اپنے منصب کو پورا کرتے اور میدان اشاعت مذہب میں سرگرم چلے جاتے ہیں جو زیادتیاں پادریوں کے ساتھ کیجاتی ہیں اگر اس کا دسواں حصہ بھی کسی دوسرے مذہب کے عالموں کیساتھ کیا جائے تو کشت و خون کا بازار گرم دکھائی دے یہ پیشگوئی نہیں ہے ۔ علمائے نصاریٰ کا خصیصہ بیان کیا گیا ہے مگر کسی قوم کا ایسا خصیصہ بیان کرنا جو ہمیشہ یا صدیوں تک باقی رہنے والا ہو اور اس گروہ کے خصائص میں سے ہو جائے کسی بشر کا کام نہیں ہے ۔

پیشگوئی

(۱۵۵)

اہل اسلام اور محمدیوں کا خصیصہ

جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ـ	لوگوں (کی رہنمائی) کیلئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں ان میں تم (مسلمان) سب سے بہتر ہو کہ اچھے کام (کرنے) کو کہتے ہو اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو ۔

ف

یہ مسلمانوں کا خصیصہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں سے اچھا کام کرنے کو کہتے اور برائی سے روکتے ہیں اور بلاشبہ یہ ایک ایسی بہترین خصوصیت اور برترین خصلت ہے جو سوا مسلمانوں کے دنیا کی کسی قوم و مذہب میں نہیں پائی جاتی ہے دنیا کی کسی قوم کو اور کسی کو نہ دیکھوگے کہ ایک آدمی کو برا کام کرتے دیکھیں اور روک دیں اور بھلائی کی طرف بلائیں بخلاف اس کے مسلمان کبھی صبر نہیں کر سکتا وہ اگر کسی کو برا کام کرتے دیکھیگا ضرور دخل در معقولات کر کے منع کرے گا۔ یا کم از کم ٹوک دے گا۔ وہ یہ سمجھکر کہ ہمیں دخل دینے سے کیا مطلب ؟ کبھی خاموش نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صفت کو مسلمانوں ہی کی فطرت و جبلت میں رکھا ہے ممکن ہے کہ بعض نفوس اسلام اس سے مستثنیٰ بھی ہوں مگر کلیہ ہمیشہ اکثر پر قایم ہوتا ہے اور بعض سے ضابطہ نہیں ٹوٹتا۔

پیشینگوئی

(۱۵۶)

یاجوج ماجوج تمام دنیا پر چھا جائینگے

یہ پیشینگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الکہف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ
قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ
ذِكْرًا اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ
وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓى اِذَا
بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ
وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓى
اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ
وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى
قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ
مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا
ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓى
اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ
وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا
لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ
قَوْلًا قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ
اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ
مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ

اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال
دریافت کرتے ہیں تم (ان سے) کہو کہ میں تمکو
اس کا تھوڑا سا تذکرہ پڑھکر سناتا ہوں (خدا فرماتا ہے
کہ) ہم نے اس کو روئے زمین پر بڑی قدرت دی
تھی اور ہم نے اس کو ہر طرح کے ساز و سامان
دے رکھے تھے چنانچہ وہ ایک سامان کے
پیچھے پڑا (سفر مغرب کی تیاری کرنے لگا) یہانتک
کہ جب (چلتے چلتے) آفتاب کے غروب ہونیکے مقام پر پہنچا
تو اسکو آفتاب ایسا دکھائی دیا کہ (جیسے) وہ کالی کالی
کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا ہے اور دیکھا کہ اس (کنڈ) ۱۲
کے قریب ایک قوم (بھی آباد) ہے [illegible]
پھر وہ ایک اور سامان کے پیچھے پڑا (یعنی سفر مشرق
کی تیاری کرنے لگا) یہانتک کہ جب (چلتے چلتے) آفتاب کے
نکلنے کی جگہ پہنچا تو اس کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کچھ لوگوں
پر طلوع کرتا ہے جن کے لئے ہم نے آفتاب کے ادھر کوئی
آڑ نہیں رکھی پھر وہ ایک اور سامان (سفر) کے پیچھے پڑا
یہانتک کہ جب (چلتے چلتے) ایک پہاڑی کی گھاٹی
کے) دو کناروں کے بیچ میں پہنچا تو دیکھا کہ کناروں کے
ادھر ایک قوم (آباد) ہے (اور وہ ایسے وحشی ہیں
کہ بات سمجھنے کے پاس تک نہیں پھٹکتے ان لوگوں نے
(اپنی بولی میں) عرض کیا کہ اے ذوالقرنین (اس گھاٹی

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ

ادھر) یاجوج اور ماجوج (کی قوم ہے وہ لوگ ہمارے)
ملک میں (آکر) فساد کرتے ہیں (آپ کی مرضی ہو تو
ہم آپ کے لیے چندہ جمع کر دیں بشرطیکہ آپ ہمارے
اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں ذوالقرنین نے
کہا کہ وہ مال جس میں میرے پروردگار نے مجھے اختیار دیا ہے بہتر
کافی ہے (چندہ کی ضرورت نہیں مگر ایسی ہی مدد کرنی ہے تو
(ہاتھ پاؤں کے) زور سے میری مدد کرو میں تم لوگوں میں
اور ان لوگوں میں ایک دیوار کھینچ دونگا (اچھا تو) لوہے
کی سلیں ہم کو لا دو (چنانچہ وہ سلیں لائے اور ضروری
کارروائی ہوتی رہی) یہاں تک کہ جب ذوالقرنین نے
دونوں کگاروں کے بیچ (کی کشادگی) کو (پاٹ کر)
برابر کر دیا تو حکم دیا کہ (اب اس کو) دھونکو یہاں تک
جب دیوار کو (دہکا کر) لال انگارا کر دیا تو کہا کہ اب ہم کو تانبا لا دو
کہ اسکو پگھلا کر اس دیوار پر انڈیل دیں۔ غرض (اس تدبیر سے)
ایسی اونچی اور مضبوط دیوار تیار ہو گئی کہ یاجوج ماجوج
نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے
اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے (ذوالقرنین
نے اس دیوار آہنی کو دیکھکر) کہا یہ میرے رب کی مہربانی
ہے لیکن جب میرے پروردگار کا وعدہ آموجود ہوگا
تو اسکو ڈھا کر برابر کر دیگا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے
اور (اے پیغمبر) ہم اس دن حال کر دینگے کہ (دریا کی) لہروں کی طرح
(سب) ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائیں گے

ف

آیت کریمہ میں چند دلچسپ مباحث قابل تصریح ہیں۔

پہلی بحث

مغرب الشمس سے کیا مراد ہے! اس لئے کہ آفتاب کے غروب ہونیکی جگہ تک نہ انسان کا پہنچنا کسی طرح ممکن ہے اور نہ آفتاب دراصل کسی مقام میں ڈوبتا ہے

جواب

مغرب الشمس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ ذوالقرنین درحقیقت وہاں تک جا پہنچا جہاں آفتاب ڈوبتا ہے کیونکہ آفتاب فقط ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں ڈوب رہا ہے اصل میں وہ کسی گڑھے یا مقام میں غروب نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ اسوقت پچھم طرف جہانتک رسائی ہوسکتی تھی وہاں تک ذوالقرنین جا پہنچا اور یہی مطلب مطلع الشمس کا بھی ہے۔

دوسری بحث

اس کے کیا معنی کہ آفتاب کالے کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا تھا کیونکہ آفتاب یقیناً کسی کنڈ میں نہیں ڈوبتا نہ یہ امر ممکن ہے۔

جواب

اس کا ابطال خود اسی آیت میں موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ یعنی ذوالقرنین نے آفتاب یا اس کالے کیچڑ کے کنڈ کے پاس ایک قوم کو پایا ایک بے وقوف سے بے وقوف بھی سمجھ سکتا ہے کہ آفتاب کے پاس یا جس کنڈ میں آفتاب دوبتا ہو اس کے نزدیک انسانی آبادی کا وجود محال ہے پھر ایک سمجھدار کیونکر ایسی بات کہہ سکتا ہے

بات یہ ہے کہ ذوالقرنین سمندر اور غالباً بحر اسود کے کنارہ پر تھا۔ اس لئے آفتاب اس کو پانی میں ڈوبتا نظر آیا اور سمندر خصوصاً بحر اسود کا پانی ہوتا بھی کالا ہے۔ تو سورج کا کنڈ میں ڈوبنا واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ ذوالقرنین کی رویت کی کیفیت کا بیان ہے۔ جس طرح ہم لوگوں کو شام کے وقت آفتاب درختوں میں یا زمین میں یا پہاڑ کے نیچے ڈوبتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور ایسا ہی کہنے میں بھی آتا ہے کہ دیکھو وہ آفتاب درختوں میں ڈوب رہا ہے یا پہاڑ کے نیچے جا رہا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سکندر کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب کیچڑ کے کنڈ میں ڈوب رہا ہے یہ نہیں فرمایا کہ آفتاب کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا تھا۔

نظام بطلیموسی والے آفتاب کی گردش کے قائل تھے اور ان کے نزدیک رات دن آفتاب ہی کی گردش کا اثر ہے نظام فیثا غورث اس کے خلاف ہے اور آج یورپ اسی مسلک پر ہے اب دیکھو کہ اہل یورپ باوجود اس کے کہ آفتاب کو سیارہ نہیں مانتے گردش آفتاب کے قائل نہیں ہیں۔ دن و رات کا سبب حرکت ارض کو قرار دیتے ہیں مگر لٹریچر میں آفتاب کے غروب ہونے اور

طلوع ہونے کا محاورہ ان کے پاس بھی دائر و سائر ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسے محاورات میں واقعیت کا اظہار نہیں مقصود ہوا کرتا بلکہ اپنی رویت کی کیفیت کا بیان کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

زمین کے مغرب جانب جہاں تک چلے جاؤ اکثر قطعات ارض کو سمندر سے محیط پاؤ گے اور یہ بحار غربیہ بہ نسبت دوسرے سمندروں کے بہت گرم اور سیاہ ہوتے ہیں چونکہ ذوالقرنین جانب مغرب کا سفر کر رہا تھا اور غالباً بحر اسود کے کنارہ پر تھا اس لئے شام کے وقت اس کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب گویا (بحر اسود کی) کالے کیچڑ میں ڈوب رہا ہے۔

تیسری بحث

[illegible] السدین یعنی پہاڑی کی گھاٹی کے دو کگاروں کے بیچ سے مراد [illegible] دونوں پہاڑ ہیں جن کے بیچ میں سد ذوالقرنین واقع ہے غالباً یہ آذربیجان اور ارمینیہ کے دو پہاڑ ہوں گے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ دو پہاڑ آخر شمال میں ہیں جہاں ارض ترک منقطع ہوتی ہے بعض مفسرین کا بیان ہے کہ سد ذوالقرنین بحر روم [illegible] ادھر ہے اور بعضوں نے انواح ارمینیہ بتایا ہے

چوتھی بحث

[illegible] بنا کر یاجوج ماجوج کو بند کر دیا قرآن میں [illegible] کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس بارہ میں بالکل سکوت ہے۔ البتہ علماء و مورخین نے اس تحقیق میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے ہیں پھر بھی کوئی تسلی بخش بات نہیں نکلتی اس مقام پہ اس بحث کا چھیڑنا ہمارے منصب میں داخل نہیں ہے کتاب "الخضر" میں ہم نے اس کے تفصیلی مباحث کئے ہیں۔

دوسری آیت سورۃ الانبیاء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَمَاجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۔

اور جس بستی کو ہم نے (اُن کی نافرمانی کے باعث) ہلاک کر دیا ہو ممکن نہیں کہ وہ لوگ (قیامت کو) ہمارے حضور میں لوٹ کر نہ آئیں ہاں اتنا توقف ضرور ہوگا کہ یاجوج و ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوئے چلے آئیں۔

پانچویں بحث

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ قرب قیامت میں ہر بلندی پر سے ڈھلکتے چلے آئینگے اس ارشاد سے مفسرین نے یہ استنباط کیا کہ یاجوج ماجوج کوئی جانداروں کا گروہ اسوقت پردۂ دنیا میں موجود ہے انکو قیدیوں کی طرح گھیرا ہوا ہے جو قیامت کے قریب کھولیا جائیگا اور وہ اسوقت اپنی احاطے سے رہا ہو کر تمام دنیا پر چھا جائینگے سدِ ذوالقرنین اسوقت ادھر کے بسنے والوں میں اور یاجوج ماجوج میں حائل ہے قیامت کے قریب یاجوج ماجوج اس سد کو توڑ کر ادھر کے رہنے والوں پر ٹوٹ پڑینگے اور سب گڈ مڈ ہو جائینگے

حدیثوں میں بیانِ ع کیا گیا ہے کہ یاجوج ماجوج بہت کثرت سے ہوں گے کہ جس تالاب پر سے گذریں گے ان کے پانی پینے سے وہ خشک ہو جائیگا

اعتراض

کیا جاتا ہے کہ دنیا محدود جگہ ہے اس کے اطراف معلوم ہیں علمائے جغرافیہ نے زمین کا چپہ چپہ ناپ ڈالا ہے مگر یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین کا کہیں نام ونشان نہیں ملا نہ ملتا اور یہ صاف امر، قرآن کے بیان کو غلط ثابت کرنے میں عمدہ دلیل ہے۔

پہلا جواب

اگر علم جغرافیہ مکمل ہو تو البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا مگر وہ ہنوز ناقص ہے بڑے بڑے سلسلہ جبال اور ریگستان کے اندرونی حالات قطبین بحر منجمد اور دریا کے اکثر حصوں کا حال بالکل مجہول ہے اس لئے بالفعل جغرافیہ سے ایسا استدلال ناقابل قبول ہے تو ایسی حالت میں یہ دعوی کرنا کہ اہل جغرافیہ کے دریافت پر ساری دنیا کا انحصار ہے کیسے قابل پذیرائی ہو سکتا ہے۔

ممکن ہے کہ جس طرح امریکا اور آسٹریلیا وغیرہ کا حال مدتوں مخفی رہا اسیطرح اب بھی ایسی زمینیں پردہ دنیا میں مستور ہوں جہانتک الی الآن مہذب دنیا والوں کی

ع دیکھو صحیح مسلم ۱۲

رسائی نہ ہوئی ہو۔

لطیفہ

کلمبس کو جو امریکا کا دریافت کرنے والا کہا جاتا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ کلمبس کو نہ تو امریکا کا علم تھا۔ نہ وہ اس کے دریافت کرنے کیلئے نکلا تھا وہ ہندوستان کے ارادہ سے جہاز پر سوار ہوا۔ ہندوستان کو آرہا تھا راہ میں جہاز راہ بھٹک کر امریکا کی طرف جا نکلا اور اسوقت معلوم ہوا کہ معلوم شدہ آبادی کے سوا، امریکا بھی ایک بر اعظم ہے دریافت کرنے اور دریافت ہوجانے میں فرق کرنا چاہیئے۔ البتہ یہ کہ سکتے ہیں کہ امریکا کلمبس کیوجہ سے دریافت ہو گیا۔ اس کے علاوہ بعض محققین نے تو دریافت امریکا کا سہرا مسلمانوں کے سر پر باندھا ہے چنانچہ وکتور لتیتیز نے سنین الاسلام میں لکھا ہے کہ مورخان یورپ کی ایک جماعت اس امر کی تصدیق کرتی ہے کہ اندلس اور اسپین کے عرب جو تجارت کے بڑے دلدادہ اور دنیا کے تمام ممالک میں بحر و بر کے ذریعہ سے آتے جاتے تھے اُنھوں نے کلمبس سے بہت پہلے ۱۱۵۰ء؁ میں امریکا (نیکی ونبا) کا پتا لگا لیا تھا اور اس نئی سرزمیں کو دیکھ چکے تھے البتہ اس دریافت سے وہ کوئی فائدہ نہ اٹھانے پائے۔

محقق چریاکوٹی علامہ عنایت رسول عباسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (   ) میں اس کے عجیب و غریب ثبوت دئے ہیں اور اس کے وجوہ بھی بتلائے ہیں کہ باوصف عربوں کے دریافت کرلینے کے دریافت امریکا کا سہرا کلمبس کے سر پر کس لئے باندھا گیا۔

دوسرا جواب

امام رازیؒ نے مفاتیح الغیب میں لکھا ہے کہ سد ذوالقرنین شمال کی طرف ہے سیبیریا کے بعد شمال کی طرف بہت سے برفانی پہاڑ ہیں جو بارھوں مہینے برف سے ڈھکے رہتے ہیں ممکن ہے کہ ان برفانی پہاڑوں کے سہارے ہیں کوئی پست زمین ما بے برف یا کم برف کی ایسی ہو کہ آدمی ہاں رہ سکے۔

تیسرا جواب

بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ سے معلوم ہوتا ہے کہ یاجوج ماجوج پہاڑوں کے اندر رہنے والی قوم ہے اور ان کے آنے جانے کا صرف ایک ہی رستہ دو پہاڑوں کے درمیان تھا اور ان دونوں پہاڑوں کے درمیان مضبوط آہنی سد بنا دینے سے ان کا رستہ مسدود ہوگیا۔ پس مرور زمانہ اور انقلابات دہری سے ممکن ہے کہ وہ سدّ آہنی مٹی میں دب گیا ہوا اور بلند ہوتے ہوتے پہاڑ کی برفانی چوٹیوں سے جا ملا ہو اور پھر کسی وقت زلزلہ یا کسی حادثہ سے وہ سد منہدم ہو جائے اور رستہ کھل جائے تا آنکہ یاجوج ماجوج ترقی یاب ہو کر وقت معہود پر اس آہنی سد کو توڑ کر باہر نکل آئیں۔

چوتھا جواب

اللہ کی زمین وسیع ہے اگرچہ کل طور پر تمام خشکی کو جغرافیہ والوں نے معلوم کرلیا ہے مگر ممکن ہے کہ آئندہ سمندر میں بڑے بڑے جزیرے برآمد ہوں اور یہ اقوام یاجوج ماجوج انہیں جزائر کی قومیں ہوں۔ برفستانی حصہ، برفستانی پہاڑ اور دور دراز سمندر کے نامعلوم جزائر بھی اسی میں شمار کیے جا سکتے ہیں۔

پانچواں جواب

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یاجوج ماجوج ایسی قوم جو تمام دنیا پر چھا جانے والی ہو اس وقت دنیا میں کہیں نہیں ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آئندہ ہزاروں لاکھوں برس میں بھی پیدا نہ ہو سکیں کیونکہ قرآن مجید نے ہم کو یہ نہیں بتایا ہے کہ یاجوج ماجوج کون لوگ ہیں اور کس قوم و قبیلہ کے ہیں!

یہ سب تاویلات اس وقت ہیں جب کہ عجائب پسند مفسرین اور ترجمہ نویسوں کے مسلک کو صحیح تسلیم کیا جائے کہ یاجوج ماجوج ایک عجیب و غریب بالشتی قوم یا تاڑ کے قد برابر والی قوم ہے اور سد کے اندر بند ہے اور قیامت سے کچھ پہلے سد توڑ کر باہر نکل پڑے گی پھر سد، اور یاجوج ماجوج اور ذوالقرنین سب کو مجہول و نامعلوم سمجھ لیا جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

سر سید احمد خان نے ایک حد تک اس بارہ میں معقول بات لکھی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ: عـه

یاجوج ماجوج جوگاگ میگاگ کا معرب ہے دراصل تاتاری ترک کی

عـه ازالۃ الغین عن ذی القرنین ۱۲۔

قوم ہے جو اب تک موجود ہے اور تمام ملک تاتار اور چینی تاتار میں آباد ہے
اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس سد کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ وہی دیوار
ہے جو چین اور تاتار یا ستھیا کی سرحد پر بنائی گئی ہے اور جس کو چی وانگ تی
مغفور چین نے درمیان سنہ ۲۴۰ و ۲۳۵ قبل مسیح میں بنایا تھا۔

یہ دیوار ہانگ ہو دریا کی غربی موڑ سے جو ایک پہاڑ کے قریب ۳۷ درجہ
۱۵ دقیقہ عرض بلد اور ۱۰۷ درجہ طول بلد پر واقع ہے بننی شروع ہوئی اور پھر اس
دریا کی دوسری موڑ کو کاٹ کر اونچاں پہاڑوں کے جنوبی سلسلے کے نیچے
ہو کر خلیج لیولونگ کے کنارہ پر ٹھیک چالیس درجہ عرض بلد اور ایک سو بیس
درجہ طول بلد پر ختم ہوئی ہے طول اس دیوار کا [illegible] سو سے پندرہ سو میل تک
بیان ہوا ہے۔

سر سید صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں چی وانگ تی فغفور چین
کو ذوالقرنین کہا گیا ہے اور یاجوج ماجوج نسل تاتاری سے تھے جو قدیم ستھیا کے
رہنے والے غارتگری اور لٹیرے پن میں مشہور آفاق تھے جب ان تاتاریوں
نے بار بار یورش کر کے ختائیوں کو سخت عاجز کیا اور کوئی تدبیر ان کو ضعیف کرنے کی
نہ سوجھی تب اس دیوار کی بنا کی گئی۔ اور پانچ برس میں وہ تیار ہوئی اور سرحد
ختا و تاتار پر واقع ہے اور حال اس کا یہ ہے کہ نہ پہاڑ نہ دریا کوئی اس کی
ساخت کا مزاحم نہ ہوا۔ اور آٹھ سو کوس تک سب کو قطع کرتی ہوئی یہ دیوار اپنی
منزل مقصود تک پہونچی ہے کئی مقام [illegible] کوس کے اونچے پہاڑ کی چوٹی
پر سے یہ دیوار کھنچی ہوئی ہے اور بعض [illegible] بڑے [illegible] دریا [illegible] پہاڑوں کے
اوپر سے بھگتی ہے سمندر کے بیچ [illegible] اس طرح [illegible]
پتھروں سے لدے ہوئے ڈبا [illegible] ہے اور اس پر اس کی بنیاد قائم ہوئی

اور آٹھ سو کوس تک ہیں گز اونچی اور اسقدر چوڑی ہے کہ چھ سوار پہلو بہ پہلو فراغت سے اس پر گھوڑا دوڑا سکتے ہیں ع۵

اگر سر سید کی یہ ہوئی تفسیر صحیح مان لی جائے اور تاتاریوں کو ہی یاجوج ماجوج تسلیم کیا جائے تو قرآن کی پیشینگوئی کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔

ختائیوں نے اپنی بے مثل کاریگری سے دیوار چین بنا کر وحشی تاتاریوں کو اسوقت تو ضرور روک دیا اور ان کی لوٹ مار سے محفوظ ہو گئے مگر تاتاری زیادہ دن تک بند نہ رہ سکے آخر انھوں نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور اپنی وحشیانہ خونخواریوں سے ایک عالم کو تہ و بالا کر ڈالا اور جسطرف گذرے زمین کو ہلا ہلا ڈالا خلافت عباسیہ جو چھ سو برس سے دنیائے اسلام پر داد فرمانروائی دے رہی تھی ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کی مدد سے انہیں تاتاریوں کے ظلم وستم کی بھینٹ چڑھ گئی اور اس خلافت کی بربادی سے عرب خصوصاً اسلام کو ایسا سخت صدمہ پہنچا جو اسوقت تک اس کو نہ پہنچا تھا۔

مگر قرآن مجید کے الفاظ "وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ" سے یہ صراحت نکلتی ہے کہ یاجوج ماجوج ہر بلندی سے ڈھلک پڑیں گے اور تمام دنیا پر چھا جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وحشی تاتاری تمام دنیا پر نہیں پھیلے تھے بلکہ ان کے جولانگاہ غارتگری یہی ایشیائے کوچک اور عراق وغیرہ رہے اور ان امور پر گہری نظر کرتے ہوئے سر سید کی تفسیر کچھ زیادہ وقیع ثابت نہیں ہوتی۔

ع۵ سر سید نے اس مقام پر مسٹر جیمس کارکرن کی تاریخ سے اخذ کر کے اس دیوار کے عجیب حالات لکھے ہیں۔

سرسید کا شاہ چین کو ذوالقرنین قرار دینا شبہ سے خالی نہیں ہے ذوالقرنین
عربی لفظ ہے اور سرسید نے اسکی کوئی دلنشین وجہ نہیں بتائی کہ چی وانگ ٹی
فغفور چین کا لقب ذوالقرنین کیوں ہوا۔ اگر یہ نام یا لقب عربوں نے اس کو
دیا تو چاہیے کہ وہ شاہ چین سے واقف ہوں حالانکہ تاریخ اسکی شہادت
نہیں دیتی۔ نہ یہ کسی طرح بھی ثابت ہے کہ شاہ چین کا کوئی اثر کبھی ملک عرب
پر رہا ہے اگر یہ کہا جائے کہ ذوالقرنین کے مماثل چینی زبان میں کوئی لقب
اس کا تھا جس کا ترجمہ ذوالقرنین ہے تو اس کے لئے کافی شہادت درکار ہے
واہمہ لڑانے سے کام نہیں چلتا اور پھر اس حالت میں بھی یہ بتانا ضرور ہوگا کہ ذوالقرنین
اس کا لقب ہوا کیوں۔

سرسید نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ:۔

چی وانگ ٹی جو سد کا بانی ہے جب بادشاہ ہوا اور اس کا پہلا قرن
یا پہلا زمانہ، ساز و سامان اور اسباب قوت اور سطوت سلطنت کے جمع
کرنے کا ختم ہو گیا اور اس کی سلطنت کا دوسرا قرن یا دوسرا زمانہ شروع
ہوا تو اس نے ملک میں فتوحات شروع کیں اس وجہ سے اس کا نام
ذوالقرنین پڑا۔

سرسید نے یہ ایک ایسی بھونڈی تاویل کی ہے جو کسی طرح چسپاں ہو ہی
نہیں سکتی۔

اولاً:۔ اس وجہ سے کہ ذوالقرنین کی یہ وجہ تسمیہ کسی تاریخ میں درج نہیں
نہ کہیں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

ثانیاً:۔ اس وجہ سے کہ جب ایسے ہی من گھڑت تاویلات ماننے پر
ہم مجبور ہیں تو علمائے مفسرین کی تاویلات کو نہ ماننے کی کیا وجہ؟ سرسید نے

تو محض دل سے گڑھ کر ایک وجہ بنالی اور اُن بیچاروں نے تو حوالوں اور لوگوں کے بیانات سے بھی کام لیا تھا پھر انھوں نے کیا ایسا قصور کیا تھا کہ سید صاحب باوجود دعویٰ تہذیب ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئے اور لگے بے نقط سنانے۔

ثالثاً:- اس وجہ سے کہ سرسید نے جو وجہ تسمیہ ایجاد کر کے بیان کی ہے کہ شاہ چین کا عہد حکومت دو قرنوں یا دو زمانوں پر منقسم تھا، ایک قرن میں اس نے ساز و سامان سطوت جمع کیا اور دوسرے میں فتوحات کرنے لگا اس لئے اس کا لقب ذوالقرنین ہوا۔ بالکل دوراز کار اور مہمل وجہ ہے شاہ چین "چی وانگ ٹی" کی کیا خصوصیت ہے؟ یہ بات تو دنیا کے سیکڑوں ہزاروں سلاطین میں بتائی جا سکتی ہے جنہوں نے ایک زمانہ میں ساز و سامان مہیا کر کے دوسرے یعنی آخر زمانہ میں فتوحات کا سلسلہ قایم کر دیا، پھر جس پر چاہو ذوالقرنین کا لقب چسپاں کر دو ان وجوہ البطال کے علاوہ خود قرآن مجید میں بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ کے صاف الفاظ ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سد ذوالقرنین دو پہاڑوں کی کگاروں کے بیچ میں ہے دیوار چین میں یہ بات کہاں ہے وہ تو تیرہ پندرہ سو میل کی لمبی دیوار ہے جو شیطان کی آنت کی طرح پہاڑوں اور دریاؤں کو پھاندتی ہوئی چلی گئی ہے۔ غرض سرسید کی یہ تفسیر بالکل لائق اعتنا نہیں ہے

بارہویں صدی کے مشاہیر علمائے ہندوستان میں سے علامہ حکیم محمد حسن امروہوی ایک بے مثل فلسفی اور علوم عقلی و نقلی کے بڑے جید فاضل گزرے ہیں وہ سرسید علیہ الرحمہ کے ہمعصر تھے علوم عربیہ کے سوا زبان عبری کے مستند عالم تھے سنسکرت کے ماہر تھے ایران قدیم کی زبان

قدیم السنہ اور شمار یات کے استاد تھے اور انگریزی اچھی جانتے تھے انھوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں ذوالقرنین اسکی سد اور یاجوج ماجوج کی تحقیقات پر ہر پہلو سے نہایت دلچسپ اور محققانہ مباحث کئے ہیں اور بحث کو تواریخ قدیمہ اناجیل شریفہ، توریت مقدس، صحف انبیا، وید و کتب ہنود اور علم جغرافیہ سے مطابق و مدلل کر کے ایسا صاف کر دیا ہے کہ پھر متعلق شبہ کی گنجایش باقی نہیں رہتی۔ فاضل امروہوی کی اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اس کا اردو ترجمہ چھپ گیا ہے ناظرین مفصل مباحث اصل کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں ہم اس مقام پر صرف اپنے مطلب بھر اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

یاجوج و ماجوج کی تحقیق

یاجوج، جیسا کہ فصل (۵) تاریخ ایام اول مندرجہ مجموعہ توریت میں ہے یاجوج بن سمعیاہ بن اسرائیل بن روبن بن یعقوب کا نام ہے۔ یاجوج کا بیٹا سمعی، سمعی کا بیٹا ریایار، ریایار کا بیٹا بعل اور بعل سے بیئرہ، ییئیل اور ذکریا وغیرہ کی نسل چلی۔ یہ لوگ ملک روس میں آباد ہوئے اور حضرت حزقیل نبی کے زمانہ میں مملکت روس پر مسلط تھے۔ مشرق فرات تک ان کی حکومت تھی اور ہر طرف ان کی قوت و زبردستی کا ڈنکا بجتا تھا۔

فصل (۳۸) حزقیل میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے۔

(۱) خداوند کا کلام مجھکو پہنچا اور اس نے کہا۔ (۲) کہ اے آدم زاد تو یاجوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روس اور مسک اور توبل کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر۔ (۳) اور کہہ کہ خداوند

یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے **یاجوج روس** وتمسک وتوبل کے سردار میں تیرا مخالف ہوں (۴) اور میں تجھے پھراؤنگا اور تجھے اور تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو سب کے سب فاخرہ پوشاک پہنے اور سپریں لئے ہوئے ہیں اور سب کے سب تلوار پکڑنیوالے ہیں انہیں کھینچ نکالوں گا۔

اسی طرح فصل (۳۹) حزقیل میں ہے :-

(۱) اس لئے تو اے آدم زاد یاجوج کے برخلاف خبر دے اور کہہ کہ خداوند یہوداہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ میں تیرا مخالف ہوں اے یاجوج روس وتمسک وتوبل کے سردار (۲) اور میں تجھے پلٹ دونگا اور تجھکو لئے پھروں گا اور ایسا کروں گا کہ تو شمال کی اطراف سے چڑھ آئے اور تجھے اسرائیل کے پہاڑوں پر لاؤں۔ (۶) اور ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں بے پروائی سے سکونت کرتے ہیں ایک آگ بھیجوں گا اور وہ جانیں گے کہ میں خداوند ہوں۔

ان تصریحات سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ کتب قدیمہ اور صحف انبیاء میں **روس والوں کو یاجوج** کہا گیا ہے اور چونکہ حضرت حزقیل نبی کے عہد میں یہ لوگ وہاں کی حکومت پر مسلط تھے اس لئے "والی روس اور کہیں روس وتمسک وتوبل کے سردار" کے لقب سے بھی ملقب ہوئے۔

ماجوج کی تحقیق

قدیم اہل فارس یافث بن نوح کو جی افرام کہتے تھے چونکہ یافث کے

معنی سورج کے ہیں اس لئے اولاد یافث سورج بنسی مشہور ہوئی اور علی ہذالقیاس اولاد سام کو چندر بنسی کا نام ملا اور حام کی اولاد اگنی کنڈی کے نام سے مخاطب ہوئی۔ توریت میں مصرح ہے کہ یافث بن نوح کے ساتھ بیٹے ہوئے ایک گومر یعنی کیومرث کلیوشاہ جس کا بیٹا اسکنز اہل سکندستان کا جد اکبر ہوا جو فارس اور بلوچستان کے بیچ میں واقع ہے۔ دوسرا بیٹا (گومر کا) ریفث یعنی فارس ایران میں بسا۔ تیسرا بیٹا تجرمہ آرمینیہ جس سے جرمن نکلے اور ان کی نسبت فصل (۳۸) حزقیل میں صاف لکھا ہے کہ وہ روس کے سردار کا ساتھی ہوگا یافث بن نوح کا دوسرا بیٹا **ماغوغ** جس کو یونان والے اکوگ اور عربی میں ماجوج کہتے ہیں ان کی اصل مملکت ستھیا یعنی گیلان ہے ان کی بہت ساری قوموں میں سے دو قومیں بہت عظیم الشان ہوئیں ایک گال جو ملک گیلان کے اہل ستھیا تھے۔ دوسرے گاتھ جن کی دو شاخیں ولیسی اور سترو ہوئیں۔ علامہ ابن خلدون مورخ نے طارق اندلسی کے حریف اسپینی شاہ اسپین اور اس کی قوم کو بھی نسل ماجوج سے لکھا ہے۔

نسل ماجوج سے کچھ لوگ زمانہ آبادی یاجوج میں ملک ستھیا سے یورپ کی طرف گئے اور بقیہ زبردست یاجوج کے ساتھ ملک تاتار وغیرہ میں فساد پھیلاتے رہے۔

یافث کا تیسرا بیٹا **مادی** جس کی بادشاہت ہمدان سے گیلان تک تھی۔

یافث کا چھوٹا بیٹا یونان بن یافث تھا یہ لوگ پیتل کا ... اور پیتل کا کام کرتے تھے اور چونکہ پیتل زرد ہوتا ہے ... زرد کا نام پڑ گیا۔

یونان سے کے چار بیٹے تھے۔ ایک الیشا۔ جو خاص اہل امریکا کا جد اعلیٰ تھا۔ دوسرا تارسیس بن یونان جس کی اولاد صور فلسطین میں آباد ہوئی۔ تیسرا بیٹا کتیم بن یونان جس سے جزیرۂ قبرس آباد ہوا۔ اور غالباً کارتھیج والے اسی کی نسل سے ہیں چوتھا وڈونہ بن یونان بن یافث کہ یونان میں اسی کے نام کا ایک شہر اب تک موجود ہے یافث کا پانچواں بیٹا توبل جو تبت والوں کا ابوالنوع تھا اور شہر تبت جو منتہا سے شمال میں مشہور شہر ہے اسی کا آباد کیا ہوا ہے اور اس کی حکومت ارض خطا، ترکستان، کوہ یورال، نہر توبال، تاتار اور کوہ ہمالہ کے گوشۂ غربی و شمالی کے حدود میں پھیلی ہوئی تھی۔

یافث کا چھٹواں بیٹا تمسک جد تسین وچین ہے اس کے نام کا ایک شہر سپیریا سے روس میں توبل سے مشرق وجنوب کی طرف واقع ہے حضرت حزقیل نبی کے زمانہ میں یہ دونوں شہر یاجوج کے قبضہ میں تھے اور اسی وجہ سے فصل ۳۸ و ۳۹ ، حزقیل میں یاجوج کو روس اور تمسک اور توبل کا والی و سردار کہا گیا ہے۔

یافث کا ساتواں بیٹا تارہ ہوا۔ جس کے نام کا شہر اب تک نہر توبل کے جنوب میں اور کوہ یورال کے مشرق میں واقع ہے تارہ کی اولاد تاتار کے نام سے مشہور ہوئی۔

سنہ ۔ قبل مسیح میں تلگت [illegible] نے یاجوج جمعیا کی اولاد کو [illegible] کے مملکت ماجوج کے [illegible] [illegible] کی متصل آباد کیا جہاں اس وقت کثرت سے [illegible] بستے تھے ان ماجوج گیلانی میں سے گیل گا تھ۔ اور گال، گیلان سے [illegible] سویڈن [illegible] مملکت جرمن [illegible] اور فرانس وغیرہ میں پھیل گئے اور یاجوج کی [illegible]

ملک روس۔ توبل اور تمسک وغیرہ میں مسلط رہی۔

اصل توریت عبری میں یاجوج وماجوج کو **غوغ وماغوغ** کہا گیا ہے سکندر کے وزیر کے بیٹے بطلیموس دوم نے جب اس کا ترجمہ یونانی میں کرایا تو غوغ ماغوغ کو گوگ وماگوگ لکھا گیا جس کو انگریزی کتابوں میں ایگاگ و میگاگ لکھنے لگے پھر جب اریہ مملکت کیشیا نے اس کو سنسکرت میں لیا تو اپنی زبان میں ڈھالکر گوگ وماگوگ کو کوک دوکوک لکھدیا چنانچہ رگ وید میں ایسا ہی ہے

غرض ماجوج، ممالک ستھیا گیلان میں بستا تھا کہ ۸۰۰ قبل مسیحی میں تلگت تلناصر اور اس کے باپ، پول کردی نے ہئیر وغیرہ نسل ماجوج پر فتح پائی اور بعض ان کو نہر جوران کے متصل ملک گیلان کے پاس آباد کیا اور اسی وجہ سے ماجوج، گیلی اور گال کے ناموں سے مشہور ہوئے جن میں گاتھ بڑی زبردست قوم یورپ میں ہوگذری ہے ملک گیلان (مملکت یاجوج) میں آباد ہونے کے بعد نسل ماجوج کا بڑا حصہ شمال جرمن، نارمنڈے اور فرانس وغیرہ میں پہنچا اور یاجوج کی اولاد بعض اولاد ماجوج کے ساتھ، ممالک شمال کوہ قاف میں داغستان والان اور کشیا ہوتے ہوئے سویڈن ناروے اور ڈنمارک سے گذر کر روس، توبل اور تمسک پر قبضہ کر بیٹھے اور تاتار کو گھر د[illegible] اد[illegible] کی گھاٹی پر سے اترتے اور ان کے ملک میں ہر طرف تاخت و تاراج کرتے پھرتے تھے اور انہیں تاتاریوں کی مخافظت کے لئے ذوالقرنین نے سد بنائی تھی پس اس سے صاف [illegible] ہے کہ یاجوج وماجوج دو فردوں کے نام نہیں ہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے

لکھا ہے بلکہ یاجوج اہل روس ہیں اور ماجوج اقوام یورپ جو اسوقت تمام دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔

ذوالقرنین کی تحقیق

ذوالقرنین دنیا کے کئی بادشاہوں کا لقب ہوا ہے۔ ایک بادشاہ ذی القرنین حمیری دوسرے ذوالقرنین سکندر یونانی۔ تیسرے کیقباد اور چوتھے انگریز لیکن قرآن مجید میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے وہ کیقباد فاتح فارس ہے۔

یہ ذوالقرنین مادی بن یافث بن نوح کی نسل سے ہے۔ اس کا نام کیقباد احشویروش بن اول ہے اور کورش اول ع اور سائرس کبیر کے لقب سے مشہور ہوا۔

دانیال فصل (۸) میں حضرت دانیال کا ایک خواب لکھا ہے کہ :۔

(۱) مجھکو ہاں مجھ دانیال کو ایک خواب نظر آیا جو شروع میں نظر آیا تھا (۲) اور میں نے عالم رویا میں دیکھا اور جسوقت میں نے دیکھا ایسا معلوم ہوا کہ میں سوسن کے قصر میں ہوں جو صوبہ ایلام میں ہے پھر میں نے دیکھا کہ اولائی کی ندی کے کنارہ پر ہوں۔ (۳) تب میں نے آنکھیں اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے آگے **ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں** اور دونوں سینگ اونچے ہیں۔

ع فصل (۸) دانیال و (۲۱) یسعیا ۱۲

(۴) میں نے اس مینڈھے کو دیکھا کہ پچھم - اتر - دکھن ہر طرف سینگ مارتا تھا یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا وہ جو چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ بہت بڑا ہو گیا - (۱۵) اور ایسا ہوا کہ جب میں دانیال نے یہ خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کی تلاش کرتا تھا تو دیکھا کہ میرے سامنے کوئی کھڑا ہے جس کی صورت آدمی کی سی ہے (۱۶) اور میں نے ایک آواز آدمی کی سی سنی کہ اے جبرئیل اس شخص کو اس خواب کے معنی سمجھا دے (۱۷) چنانچہ جہاں میں کھڑا تھا وہاں وہ میرے نزدیک آیا اور جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو میں ڈر کر اوندھے منہ گرا پھر اس نے مجھ سے کہا کہ اے آدم زاد سمجھ کیونکہ یہ روایت انجام کو پہنچیگی - (۱۹) اور کہا کہ دیکھ میں تجھے سمجھاؤں گا کہ قہر کے آخر میں کیا ہوگا کیونکہ مقرر وقت پر تمام ہوگی (۲۰) وہ مینڈھا جس کو تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو وہ مادی فارس کا بادشاہ ہے۔

حضرت دانیال علیہ السلام نے

خواب میں دیکھا کہ دریا کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں اور وہ ان دونوں سینگوں کو ہر طرف مارتا پھرتا ہے اس خواب کی تعبیر یہ بتائی گئی کہ کورش اول اخشویروش کیقباد جو حضرت دانیال کا ہمعصر تھا فارس و شیرہ کا زبردست بادشاہ ہوگا اور ہر طرف اس کی فتوحات پھیل جائیگی۔

یہ تعبیر پوری ہوئی کہ کورش کیقباد فارس پر فتحیاب ہو کر اس کے دونوں طرف کا بادشاہ ہوا اور ہر طرف اس کی سطوت وجبروت کا شاندار علم لہرانے لگا۔

چونکہ حضرت دانیال نے خواب میں مینڈھے کو دو سینگوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ جس سے کیقباد و اخشویروش کی زبردست سلطنت کی پیشینگوئی مستنبط ہو کر واقع ہو گئی چنانچہ پہلے ہمدان و موصل کا بادشاہ ہوا پھر فارس کے دونوں طرف کا فاتح و قابض ہو کر دنیا کا سب سے بڑا زبردست شہنشاہ فاتح ثابت ہوا، اس مناسبت سے اس کا لقب **ذوالقرنین** پڑا یعنی دو سینگوں والا بادشاہ اور دو سینگوں سے وہی مینڈھے کی دو سینگیں مراد ہیں جو دانیال نے خواب میں دیکھی تھیں۔

سنہ ۶۰۶ قبل مسیحی میں بخت نصر بابلی نے بیت المقدس کو فتح کیا اور یہویقیم کو بادشاہ بنا کر واپس گیا پھر سنہ ۵۹۹ قبل مسیحی میں یہویکین یہودی کو تاج حکومت پہنایا۔ وہ کمعمری کی وجہ سے امور مملکت کا بار نہ اٹھا سکا تو تین مہینے کے بعد صدقیا کو تاج بخشی کی صدقیا حضرت یرمیا نبی کی نصیحت نہ مان کر بخت نصر کا مخالف ہو گیا بخت نصر نے غضبناک ہو کر سنہ ۵۸۸ قبل مسیحی میں یہود اور بیت المقدس دونوں کو تخس نخس کر ڈالا اور ہزاروں یہود بنی اسرائیل کے [illegible] حضرت دانیال کو بھی گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالدیا۔

سنہ ۵۶۳ قبل مسیحی میں بخت نصر کے وجود سے دنیا خالی ہوئی۔ اور [illegible] اس کی جگہ اس کے بیٹے اویل مرودک نے لی۔ مرودک کے بعد [illegible] ہوا [illegible] کے بعد لاسواسوار اور لاسواسوار کے بعد بخت نصر کا [illegible] بیٹا بادشاہ ہوا۔

کورش [illegible] ذوالقرنین بہتر برس کی عمر میں بائیس سال کی سلطنت کے [illegible] فتحیاب ہوا۔ اور مظلوم یہودیوں کو قید [illegible] المقدس میں آباد کیا۔

وہ فتح و نصرت کے پرچم اڑاتا ہوا مقام **عین الشمس** پر گیا جہاں پہلے مصر کی آبادی تھی[ؔ] اور جہاں (عین الشمس کے متصل) ایک مکان بیت الشمس کے نام سے مشہور تھا۔ ذوالقرنین نے شام کے وقت آفتاب کو اسی عین الشمس میں ڈوبتا ہوا دیکھا تھا جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ۔ یعنی (شام کیوقت) ذوالقرنین کو ایسا معلوم ہوا کہ آفتاب گرم پانی کے چشمہ میں ڈوب رہا ہے۔ غرض مقام عین الشمس کے پاس قوم ناسک سے جنگ ہوئی اور ان کو نیچا دکھا کر جنوبی مصر (سوڈان) میں آیا اور ہو دانیوں کو زیر و زبر کرتا ہوا اسیبیریا سے روس کے شہر تمسک میں پہنچا۔ تمسک سے واپس ہوکر شمال سیبیریا میں شہر توبل تک آیا جہاں سبزی کا تو کیا ذکر پہاڑ و درخت کا سایہ تک[ؔ] نہ تھا یہاں سے لوٹ کر ملک تاتارستان تاتارہ میں آکر ٹھیرا تاتار ہ تاتارہ کے مغرب میں کوہ یورال کا آخر حصہ ہے۔ چونکہ یہ مقام ذوالقرنین کے وطن سے قریب تھا اس لئے قرب کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کی بولی اس نے کسی طرح کچھ کچھ سمجھ[ؔ] لی اور اس پر کارروائی کی۔

ؔ دانیال فصل (۸)

ؔ دانیال فصل (۸)

ؔ قرآن کی سورہ کہف کی آیت لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا کے یہی معنی ہیں کہ وہاں چٹیل میدان میں سوائے آفتاب کے کچھ نہ تھا جس میں کوئی پناہ لیتا۔

ؔ۔ قرآن کی سورہ کہف کی آیت قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا کا یہی مطلب ہے کہ وہ ذوالقرنین کی بولی اور ذوالقرنین انکی بولی بہ تکلف سمجھتے تھے۔

تاتاری لوگ یعنی تارہ بن یافث بن نوح کی اولاد، اورن برگ سے متصل، کوہ یورال کے پورب طرف آباد تھے۔ زبردست وحشی روسی یاجوج اور (بقیہ) گیلانی رعایا ماجوج کو لیکر اورن برگ کی گھاٹی سے اُترکر ان کو لوٹتے۔ تکلیف دیتے، ہر طرف تاخت وتاراج کرتے پھرتے اور ملک کو تباہ کرکے چلے جاتے تھے مظلوم تاتاری ان کا کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جب ذوالقرنین کا اُدھر گزر ہوا تو اس کو با جبروت اور صاحب قوت شہنشاہ دیکھ کر تاتاریوں نے حاضر ہو کر فریاد کی کہ روس والے یاجوج، ستھیائے گیلان کے ماجوج کے ساتھ آکر ہر سال ہم کو ستاتے ہیں، اگر آپ کسی ترکیب سے ہمارے اور اُن کے درمیان میں کوئی ایسی روک بنا دیجئے کہ ہم کو یاجوج وماجوج سے پناہ مل جائے تو ہم چندہ جمع کرکے آپ کو مالی امداد بھی دے سکتے ہیں۔ ذوالقرنین نے اُن سے مالی امداد کا لینا گوارا نہیں کیا۔ البتہ اُن کے زور بازو اور اُن کی محنت ومشقت سے مدد لیکر کوہ یورال کے پورب طرف اورن برگ کی گھاٹی کے پاس تیس میل کی لمبی ایک نہایت مضبوط سد (دیوار) کھینچ دی جس سے روسی یاجوج اور گیلانی ماجوج کا ادھر آنا مسدود ہو گیا اور تاتاریوں کو اُن کے شر سے بالکل پناہ مل گئی۔

یاجوج وماجوج اور ذوالقرنین کی تحقیق اور سد یاجوج وماجوج کی تعیین وتعیین ہو چکی تو اب واضح ہو کہ قرآن مجید کی آیات مذکورہ عنوان زیر بحث میں تین عمدہ پیشین گوئیاں ہیں۔

پہلی پیشین گوئی

سد ذوالقرنین کا ٹوٹنا ہے۔

ےہ انگریزی جغرافیہ اورن برگ

بعض مفسرین نے جو یہہ لکھا ہے کہ سد قیامت سے پہلے لوٹیگی اور اب تک نہین لوٹی ہے بالکل مہمل بات ہے۔

اولاً۔ اس وجہ سے کہ قران و حدیث مین کہین اس کا کوئی اثر نہین ہے۔

ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ ابتک نہ لوٹنے کا دعوی تو عدم تاریخ دانی کی دلیل ہے۔ رہی یہہ بات کہ قیامت سے پہلے لوٹیگی یہہ صحیح ہے چنانچہ اب قیامت سے پہلے ہی لوٹ چکی ہے۔

ثالثاً۔ اس وجہ سے کہ قران مجید مین صاف فرمایا گیا ہے۔ فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَہٗ دَکَّاءَ (یعنے جب میرے پروردگار کا وعدہ آجائے گا تو وہ سد کو ڈھا کر برابر کر دیگا) اس ایت مین کہین وقت کی تعیین نہیں کی گئی ہے کہ فلان وقت سد لوٹیگی بلکہ صرف ایک پیشین گوئی ہے کہ آیندہ کسی وقت مین سد لوٹ جائیگی چنانچہ وہ لوٹی اور اب لوٹی ہوئی سیاحوں کو نظر آتی ہے۔

رابعاً۔ اس وجہ سے کہ مفسرین کا یہہ دعوی ایک نہایت صحیح اور صریح حدیث قدسی کے بالکل خلاف ہے چنانچہ صحیح بخاری مین حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے:۔

کہا امام بخاری نے کہ

حدثنا ابو الیمان اخبرنا شعیب	حدیث بیان کی ہم سے ابو الیمان نے کہا
عن الزهری ح وحدثنی اسمعیل	انھون نے کہ خبر دی ہم کو شعیب نے زہری سے
حدثنی اخی عن سلیمان عن محمد بن ابی	ح۔ اور حدیث بیان کی مجھ سے اسمعیل نے
عتیق عن ابن شہاب عن عروة بن	کہا انھون نے حدیث بیان کی مجھ سے میرے
الزبیر ان زینب بنت ابی سلمة	بھائی نے سلیمان سے انھون نے محمد ابی عتیق سے
حدثته عن ام حبیبة بنت ابی سفیان	انھون نے ابن شہاب سے انھون نے عروہ بن
عن زینب بنت جحش ان رسول اللہ صلعم	زبیر سے کہ زینب بنت ابی سلمہ نے ان سے

دخل علیہا یومًا فزعًا یقول
لا الہ الا اللہ ویل للعرب من
شر قد اقترب فتح الیوم من
یاجوج وماجوج مثل ھذہ

حدیث بیان کی ام حبیبہ بنت ابو سفیان سے اُنھوں نے
زینب بنت جحش سے کہ البتہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ایک روز ان کے پاس آئے (خدا کی)
پناہ مانگتے ہوئے در آنحالیکہ فرماتے تھے لا الہ
الا اللہ افسوس ہے عرب کے لیے اُس شر سے کہ
جو قریب آگیا کہ آج یاجوج و ماجوج کی سد
اس (انگلی) کی طرح ٹوٹ گئی

اب اس حدیث نبوی نے صاف طور پر کھلے الفاظ مین صراحت کر دی کہ سد
ذو القرنین یا سد یاجوج و ماجوج خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد
بارک مین ٹوٹ چکی تھی جس کی خبر اس وقت تک کیا معنی ایک زمانہ دراز
تک اہل عرب کو نہ معلوم ہوئی اور ابتک مفسرین کا ایک گروہ یہی کہتا چلا جاتا
کہ سد ذو القرنین نہین ٹوٹی بلکہ قیامت سے چند سال پہلے ٹوٹیگی حالانکہ پیغمبر نے
اپنے مکاشفہ اور روحانی قوت سے معلوم کرکے اُسی وقت خبر دیدی کہ اُسی وقت
وہ سد ٹوٹ گئی یعنی تاتاریوں کا مادہ تاتار وغیرہ روس کے پورب طرف واقع ہے
اور [illegible] اسکے بیچ میں کوہ یورال حائل ہے۔ کوہ یورال کی آخری سرحد پر
[illegible] سے جرا [illegible] لگ گیا ہے اور [illegible] ہوا کی رو سے ہولنا
روسی یاجوج اور ماجوج تاتاریوں کے ملک میں آتے جاتے تھے۔ ذو القرنین
نے تاتاریوں پر رحم کھا کر اسی [illegible] کی ایک آہنی
دیوار اور نہایت مضبوط سد [illegible] روسیوں کا آنا قطعًا موقوف ہوگیا
کیونکہ اب تاتاریوں کے ملک مین آنے کے لیے کوئی رستہ باقی نہ رہا تھا۔
اگرچہ قرآن و حدیث کی پیشینگوئی [illegible] رہ سد تو ٹوٹ گئی مگر اس کے

آثار بھی موجود باقی ہیں اور اب تک کوہ دیوال کے شمال میں جہاں منزلوں تین تین میل کے فاصلہ پر ٹوٹے ہوئے قلعہ اور سد کے منہدم آثار موجود دیکھنا ہیں۔* جو سیاح اور طالب کے سامنے رسول خدا صلعم کی پیشن گوئی کی صداقت کو پیش کئے بغیر نہیں رہتے

توضیح بیان کے لئے ایک اجمالی نقشہ ناظرین کے سامنے ہے۔

دوسری پیشین گوئی

یاجوج و ماجوج کا تمام دنیا پر پھیل پڑنا۔

ہم یاجوج و ماجوج کی تحقیق میں ثابت کر چکے ہیں کہ یاجوج اہل روس ہیں اور ماجوج اہل یورپ ہیں ماجوج میں سے کچھ لوگ تو (زمانہ آبادی یاجوج میں) ستھیا و گیلان میں رہ گئے اور کچھ لوگ جو جرمن و اسپین وغیرہ ممالک یورپ میں جا کر آباد ہوئے ان میں سے گال اور گاتھ دو قومیں بہت زبردست گذری ہیں چنانچہ مورخ ابن خلدون نے طارق اموی کے حریف اسپینیوں کو صاف نسل ماجوج سے لکھا ہے۔ قرآن مجید یاجوج و ماجوج کے بارہ میں پیشینگوئی کرتا ہے۔ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ یعنے یاجوج و ماجوج کھل کر ہر بلندی سے ڈھلک پڑینگے اور عالم پر پھیل جائینگے۔

اب دیکھو کہ قرآن کی یہ پیشینگوئی کس طرح ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہے کہ یورپ کی قومیں تمام دنیا پر ٹڈی کی طرح چھا رہی ہیں۔ کل کرہ عالم کی حکومت کی باگ اُن کے زبردست ہاتھوں میں ہے۔ جدھر نقشہ ارض پر نظر دوڑاؤ یہی دیکھو گے کہ گویا وہ ہر بلندی پر سے ڈھلکتے ہوئے چلے آرہے ہیں

* انگریزی جغرافیہ اودن برگ ۔ ۱۲

کیا مسیحی مشنریان من کل حدب ینسلون کی پوری پوری مصداق نہیں ہیں؟

صحیح ترمذی کی ایک حدیث اس پیشینگوئی کو اور زیادہ صاف کر دیتی ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفتح یاجوج وماجوج فیخرجون کما قال اللہ تعالیٰ وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ فیعمون الارض وینحاز منھم المسلمون حتی تصیر بقیۃ المسلمین فی مدائنھم وحصونھم ویضمون الیھم مواشیھم

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہا انھوں نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یاجوج اور ماجوج کھولے جائینگے پس وہ نکل پڑینگے جیسا کہ کہا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ (یاجوج و ماجوج) ہر بلندی سے ڈھلک پڑینگے پس وہ زمین پر عام ہو جاینگے یعنے پھیل جائینگے۔ و رپیچھے ہو جائینگے اُن سے مسلمان یہانتک کہ ہو جائینگے بقیہ مسلمان اُن کے شہروں میں اور اُن کے قلعوں میں اور سونپ دینگے اُن کو اپنے مویشی

کیا روسی یاجوج اور یورپین ماجوج دنیا میں عام نہین ہیں؟ کیا وہ تمام کرہ ارض پر پھیلے ہوئے نہیں ہیں؟ کیا اہل اسلام بہ حیثیت قوت وشوکت اُن یاجوج وماجوج سے مغلوب نہیں ہیں؟ کیا ان روسی اور یورپین یاجوج و ماجوج کی شہروں میں اور قلعون مین مسلمان آباد مقہور نہیں ہیں؟ کیا مسلمانون کی مویشی اور جان ومال کے وہ مالک نہیں ہیں؟۔

ان سب سوالوں کے جواب ہم کو اثبات میں ملتے ہیں یعنے ایسا ہی ہے اور قرآن وحدیث یہہ ایک ایسی کھلی ہوئی پیشین گوئی ہے کہ اس کی صحت کے ثابت کرنے کے لئے نہ کسی بینہ کی ضرورت ہے نہ کسی دلیل کی حاجت مشاہدہ ثبوت کا محتاج نہیں ہوا کرتا۔

تیسری پیشینگوئی

بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِىْ بَعْضٍ۔ یعنی یاجوج و ماجوج لہروں کی طرح ایک میں ایک گڈمڈ ہو جائینگے۔

اخبار۔ تاریخ اور مشاہدہ تینوں اس پیشینگوئی کے سچے اُترنے کے سچے شاہد اور ایسے بدیہی ثبوت ہیں جن کو ماننے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔

اگرچہ اقوام یورپ سب ایک میں ایک گڈمڈ ہیں جیسا کہ ظاہر و مشاہد ہے مگر ان میں بھی روسی یاجوج اور فرانس و انگلستان کے ماجوج کا گڈمڈ ہونا خاص طور پر قابل تماشا ہے۔

قرآن مجید کی یہہ دو پیشینگوئیاں ہزار برس کے بعد پوری ہونے شروع ہوئیاں اور ہم اس وقت اچھی طرح ان کو پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ کوئی بشری طاقت ایسا عجیب معجزہ دکھلا سکے؟ ہرگز نہیں۔

پیشین گوئی

(۱۵۷)

ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ تعلم کے زور سے مسافت ارض باسانی طے ہوگی اور مردوں سے گفتگو ہوگی

جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ	اور اگر قرآن (میں یہہ اثر بھی) ہوتا کہ اُس (کی برکت) سے پہاڑ چلنے لگتے یا اُس (کی برکت) سے زمین (کی مسافت) آسانی

بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۔	طے کیجا سکتی یا اُس (کی برکت سے مردوں کیساتھ گفتگو ہوسکتی (تو بھی کفار راہ راست پر نہ آتے)

ف

اگرچہ آیت میں اس پیشینگوئی کی صراحت نہیں ہے بلکہ الفاظ و معانی پر غور کرنے کے بعد بہ تکلف پیشینگوئی نکلتی ہے لیکن سمجھ میں آجانے کے بعد ایک عجیب و غریب پیشینگوئی ثابت ہوتی ہے۔

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے فرمائش کی[*] کہ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور خدا کے پیغمبر ہو تو مکہ کے اِن پہاڑوں کو ہمارے سامنے چلا دو یا ہوا کو ہمارے تابع کر دو کہ جہاں چاہیں اُڑتے پھریں۔ جیساکہ سلیمان پیغمبر کی حکومت ہوا پر تھی یا ہمارے مرے ہوئے لوگوں کو زندہ کرو کہ ہم اُن سے باتیں کریں۔

اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہہ آیت نازل فرمائی کہ اگر پیغمبر اس فرمائش کو پوری بھی کر دے اور قرآن میں یہہ اثر ہو بھی جائے کہ اسکی برکت سے پہاڑ چلنے لگیں یا زمین کی مسافت منٹوں میں طے ہونے لگے یا زندہ مردوں سے باتیں کرنے لگیں تو بھی یہہ کفار ایمان نہ لائینگے اور بالفرض محال وہ ایمان لائیں بھی تو اِن فرمائشوں کا پورا ہو جانا نبوت کی دلیل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہہ اُمور کچھ مافوق العادت اور بشری طاقت سے باہر نہیں ہیں۔

اگر ہم اس مقام پر فکر سلیم سے کام لیں تو صاف کھل جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اِن فرمائشوں کے پورا کرنے سے انکار کرنا ہی ایک پیشینگوئی ہے۔

اب دیکھو کہ علم کے زور سے ریل۔ موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ کیسی کیسی

---

* دیکھو در المنثور للسیوطی و ابن کثیر ۱۲

چیزیں ایجاد ہوئیں جن کے ذریعہ برسوں کی مسافت مہینوں میں اور مہینوں کی مسافت گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہوتی ہے روحانیات اور محاضرات نے وہ ترقی کی کہ مردوں سے دوبدو باتیں ہونے لگیں چنانچہ حال ہی میں یورپ کے ایک روحانی محقق ڈاکٹر جان لوب نے اس بارہ میں ایک عجیب و غریب کتاب ٹاکس وِتھ دی ڈیڈ عہ لکھی ہے جس نے بہت سے معرکۃ الآراء مسائل حل ہی نہیں بلکہ منکشف کر دیے۔ ڈاکٹر موصوف مردوں کی روحوں سے صرف بات ہی نہیں کرتا بلکہ مع اجسام ان ارواح کو بلاتا ہے اور ان کے فوٹو بھی لیتا ہے۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں۔ پہچاننے والے پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کی روح ہے پھر ان ارواح سے ہر کوئی بات بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور میں بہت سی روحوں یا مردوں کے فوٹو دیے ہیں جن کو طلب کر کے اس نے فوٹو لیا ہے ڈاکٹر موصوف نے بہت سی روحوں سے بات کر کے فوائد اٹھایا اور معلومات حاصل کیے جن کو اس نے اپنی کتاب میں شرح و بسط کے ... انتہی لکھا ہے۔

تمہیں بتاؤ کہ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی فرمائش پر بڑی بڑی مسافتوں کو چند منٹوں میں طے کر دیتے یا مردوں سے گفتگو کرا دیتے تو یہ باتیں نبوت و رسالت کی دلیل کیونکر ہو سکتی تھیں۔ ممکن تھا کہ اس وقت کے محدود الخیال لوگ انہیں اس صورت سے آپ کو رسول دینی مان لیتے مگر ہزار برس کے بعد آج موجدان یورپ اور ڈاکٹر جان لوب میں اور (محمدؐ) رسول اللہ میں کیا فرق رہ جاتا ؟۔

اللہ اور اس کے رسول برحق کو یہ باتیں معلوم تھیں۔ اس لئے انہوں نے

عہ Talks with the dead

ایسے واہی تباہی افتراحات کے پورا کرنے سے انکار کر دیا اور بالمعنی یہ پیشنگوئی فرمائی کہ جن امور کو تم لوگ خرق عادت اور معجزہ سمجھتے ہو وہ ایک زمانہ میں ہو کر رہیں گے۔

پیشنگوئی

(۱۵۸)

سمندر پاٹے جائینگے

جیسا کہ سورۃ التکویر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ	جسوقت آفتاب (کے نور کی چادر) کو لپیٹ لیا جائے
وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ	اور جس وقت تارے جھڑ پڑیں۔ اور جسوقت پہاڑ
وَاِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ	(اپنی جگہ سے) چلائے جائیں۔ اور جس وقت
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ	دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی چھٹی پھریں اور
وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ	جس وقت وحشی جانور (مارے ڈر کے بستیوں میں) آ گھریں
وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ	اور جس وقت دریا پاٹ دئے جائیں اور جسوقت
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ	روحوں کو (ان کے جسموں سے) ملایا جائے
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ	اور جسوقت لڑکی سے جو زندہ در گور کر دی گئی تھی
بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ	پوچھا جائے کہ کس قصور کے بدلے ماری گئی اور
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ	جسوقت (لوگوں کے) نامۂ اعمال کھولے جائیں

وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ	اور جسوقت آسمان کی کھال کھینچی جاسے اور جسوقت
وَاِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ	دوزخ کی آگ پکائی جائے اور جس وقت
وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ	بہشت قریب لائی جاسے (اسوقت) ہرشخص
عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ	جان لیگا کہ وہ کیا (زاد آخرت) حاضر لایا ہے)

ف

ان آیات کریمہ میں بارہ پیشینگوئیاں ہیں جو آئندہ اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی رہیں گی۔

اول:۔ آفتاب کا بے نور ہوجانا۔

دوسرے:۔ تاروں کا جھڑ پڑنا۔ فلسفۂ حال سے ثابت کیا ہے کہ تمام اجرام میں ایک کشش اور قوت جذب وانجذاب ہے ہر ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشاکشی بلکہ کشش کی بدولت سب اپنے اپنے مرکز ومحور پر پڑے چکر کھا رہے ہیں جب یہ نظام درہم برہم ہونے کو ہوگا تو کشش رفتہ رفتہ کم ہوتے ہوتے یا ایک دم کسی ناگہانی اثر سے سلب ہوجائے گی اور سب اجرام یا کچھ ایک دوسرے سے ٹکر کھا کر زیر وزبر ہوجائیں گے اس صورت میں تاروں کا جھڑ پڑنا اور سورج کا بے نور ہوجانا عجب نہیں ہے۔

تیسرے:۔ پہاڑوں کا اپنی جگہ پر سے ہٹ جانا۔ ظاہر ہے کہ جب زمین دوسرے اجرام سے ٹکرا کر بگڑ جائیگی تو پہاڑ اپنی حالت پر کیسے قائم رہ سکیں گے۔

چوتھے:۔ گابھن اونٹنیوں کا چھٹی چھٹی پھرنا۔ عرب کے لوگ دس مہینے کی گابھن اونٹنی کو بہت عزیز رکھتے ہیں کیونکہ وہ عنقریب بچہ

دینے والی ہوتی ہے اور وہی ان کا راس المال ہوتا ہے۔ جیسے ہندوؤں میں گائے فرق اتنا ہے کہ ہندو، اس حیوان (گائے) کو اوتار سمجھتے اور مقدس و متبرک جانکر عزیز رکھتے ہیں اور اہل عرب صرف مال ہونیکی وجہ سے۔ ہندو، اس ترقی و روشنی کے زمانہ میں بھی گائے کے پیشاب و گوبر کو لذیذ غذا کی طرح ثواب سمجھکر کھاتے پیتے ہیں اور عرب اس جاہلیت اور اجڈ پنے میں بھی ان نجاستوں سے محترز رہتے تھے۔

آیت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ قیامت کا دن ایسا ہیبت ناک اور نفسی نفسی کا دن ہوگا کہ دس مہینے کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ ہوگا۔

پانچویں:۔ وحشی جانوروں کا بستی میں آبھرنا۔ اگرچہ وحشی جانوروں کا آبادی میں آنا وحشت کے خلاف ہے مگر روز قیامت ایسا ہولناک ہوگا کہ وحشیوں کو وحشت بھولجائیگی اور وہ آبادیوں میں جہاں موقع ملیگا گھس پڑیں گے۔

چھٹویں:۔ روحوں کا جسموں سے ملایا جانا یعنی سب جاندار زندہ کردئے جائیں گے۔ تا سب کا حساب و کتاب ہوکر بقدر اعمال نیک و بد جزا و سزا دیجائے۔

ساتویں:۔ زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جانا۔

آٹھویں:۔ نامۂ اعمال کا کھولا جانا۔

نویں:۔ آسمان کی کھال کا کھینچا جانا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسوقت آسمان نیلا نیلا دکھلائی دیتا ہے قیامت کے دن دڑاڑیں پڑکر اندر سے اس کی رنگت لال لال نکل آئیگی جیسے کھال کھینچی ہوئی بکری۔ *

* حاشیہ مولوی نذیر احمد دہلوی بر ترجمہ قرآن ۱۲

معلوم نہیں مولوی نذیر احمد کے اس فائدہ کا ماخذ کیا ہے۔ آسمان کی کھال کھینچی جانے پر تو ہمارا ایمان ہے مگر وہ کھال کیونکر کھینچی جائیگی! اس کی کیفیت مجہول ہے

دسویں:۔ دوزخ کا دہکایا جانا۔

گیارہویں:۔ جنت کا قریب لایا جانا۔

بارہویں:۔ سمندروں کا پاٹ دیا جانا اس کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو جب قیامت کا سخت بھونچال آئیگا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر گر جائیں گے جیسا کہ بڑے بڑے زلزلوں میں عمارات کا منہدم ہونا دیکھا جاتا ہے۔ دریاؤں کا پانی اچھلکر کسی طرف کو بہہ جائے گا۔ زمین کے نشیب و فراز سب ایک ساں ہوجائیں گے دریاؤں میں ادہر ادہر کا ملبہ آبھرے گا جس سے وہ سب پٹ جائیں گے۔

یہ سب پیشنگوئیاں علامات قیامت کی ہیں مگر بارہویں پیشنگوئی، سمندروں کے پاٹ دیئے جانیکی، ایک گونہ پوری بھی ہوگئی ہے۔

بمبئی - ایک جزیزہ کی صورت پر بحر عرب کے کنارہ ہندوستان کے مغرب جانب واقع ہے۔ یہ جزیرہ پہلے شاہ پرتگال کے قبضہ میں تھا (۲۸) اگست ۱۶۶۱ء میں جب شاہ چارلس ثانی بادشاہ انگلستان کی شادی، انفنٹا کیتھارئنا شاہزادی پرتگال سے ہوئی تو والی پرتگال نے جزیرہ بمبئی کو بیٹی کے جہیز میں دیدیا اور ۱۶۶۴ء سے اسپر انگریز قابض ہوگئے اسوقت سے اس شہر کو روز افزوں ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ اب ہندوستان کا سب سے عظیم الشان

ــــــــــــ

ـــہ انسائکلوپیڈیا برٹنیکا-۱۲-

اور دولتمند شہر وہی ہے اس شہر میں سب سے عجیب کام یہ ہوا کہ سرکار کی طرف سے قریب ڈیڑھ دو میل کے سمندر کو بالکل پاٹ کر شہر و آبادی میں ملا دیا ۔ سمندر کے پاٹے جانیکی ، غالباً دنیا میں یہ پہلی مثال ہے۔

پیشنگوئی

(۱۵۹)

ایک جانور بات کرنیوالا پیدا ہوگا یعنے

دابۃ الارض

جیساکہ سورۃ النحل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ
أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً
مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ
أَنَّ النَّاسَ كَانُوا
بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ

اور جب (خدا کا) وعدہ (قیامت) ان لوگوں پر پورا (ہونے کو) ہوگا تو ہم زمین سے ان کیلئے ایک جانور نکال کھڑا کریں گے کہ وہ ان سے بول دیگا کہ فلاں فلاں آدمی ہماری باتوں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

[illegible] آف لنڈن مصنفہ ڈاکٹر جیمس ڈگلاس صاحب پی۔

ف

قیامت کے آثار میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ مکہ کے کوہ صفا پہاڑ سے ایک جانور نکلیگا۔ سلیمانؑ کی مہر موسیٰ کا عصا اس کے پاس ہوگا اور وہ ایک نشان خاص سے مسلمانوں اور کافروں کو جدا کردے گا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ پہچان پڑیں گے۔ یہ ایک ایسی پیشینگوئی ہے کہ اس کی تصدیق اس کے وقوع ہی سے ہو سکتی ہے دابۃ الارض کے خروج کے بارہ میں بہت سی صحیح حدیثیں بھی وارد ہیں چنانچہ۔

مسلم عن حذیفۃ بن اسید الغفاری قال اطّلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم علینا ونحنُ نتذاکر فقال ما تذکرون قالوا نذکر الساعۃ قال انھا لن تقوم حتی ترو قبلھا عشر ایاتٍ فذکر الدخان والدجال والدابۃ وطلوع الشمس من مغربھا ونزول عیسیٰ بن مریم ویاجوج وماجوج

امام مسلم نے حذیفہ بن اسید غفاری سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ آپس میں کچھ ذکر کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے پوچھا تم لوگ کیا ذکر کر رہے ہو، لوگوں نے عرض کیا، ہم قیامت کے متعلق باتیں کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔ قیامت برپا نہ ہو گی جب تک اس سے پہلے دس نشانیاں ظاہر نہ ہولیں پھر ذکر کیا آپ نے دھوئیں کا اور دجال کا اور دابۃ الارض کا اور آفتاب کے مغرب سے نکلنے کا اور عیسیٰ بن مریم کے نزول کرنے کا۔ اور یاجوج ماجوج کا اور۔

سنن ابن ماجہ و ابن کثیر ۱۲۔

وثلاثة خسوف خسف بالمشرق وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب وآخر ذالك نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم۔

تین جگہ زمین کے دھنس جانیکا ذکر ہے ایک خسف مشرق میں ہوگا۔ دوسرا خسف مغرب میں ہوگا۔ تیسرا خسف جزیرۂ عرب میں ہوگا اور سب سے آخر نشانی ایک آگ ہوگی جو یمن سے نکلکر لوگوں کو مقام حشر تک ہانک لیجائیگی۔

ف

حدیث شریف میں قیامت کی دس علامتیں بتائی گئیں جن میں سے اس مقام پر صرف آٹھ ہی نشانیوں کو فرمایا۔

اول:۔ دھواں۔ اس کی حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر دوسری حدیثوں اور آثار صحابہ اور اقوال مفسرین سے جو کچھ پتہ چلتا ہے وہ اسقدر ہے کہ یہ دھواں ایک مصیبت خیز دھواں ہوگا جو تمام عالم پر چھا جائے گا۔

دوسری نشانی:۔ دجال کا خروج ہے اور اس کا ذکر اس کتاب کے دوسرے حصہ میں بالتفصیل آئے گا۔

تیسری نشانی:۔ آفتاب کا مغرب سے نکلنا ہے اور یہ ممکن او توی ہے

اولاً:۔ اس وجہ سے کہ اللہ جلشانہ صانع مختار ہے اور وہ اسپنے مصنوع پر ہر طرح قادر ہے۔

ثانیاً :- اسوجہ سے کہ فلسفۂ قدیم وجدید دونوں رو سے، اس کا امتناع عقلی ثابت نہیں ہے۔

فلسفۂ قدیم میں آفتاب فلک کے اندر ہے اور فلک کی حرکت مشرق سے مغرب کی طرف ارادی ہے جب قیامت آنیوالی ہوگی، اور موجودہ نظام کی برہمی کا وقت آجائیگا تو بقدرت الٰہی، حرکت فلک مغرب سے مشرق کی طرف ہوجائیگی اور اسطرح طلوع آفتاب مغرب سے ہوگا۔

ثالثاً :- اسوجہ سے کہ فلسفہ قدیم میں ثابت و مسلم ہوچکا ہے کہ آسمان میں نفوس ہیں اور اس کی حرکت ارادی ہے اور جب وہ اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے تو ممکن ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس کے بعد اپنی اس ارادی حرکت کو بدلدے اور دوسری حرکت اختیار کرے بجائے مشرق سے مغرب کو جانیکے مغرب سے مشرق کی طرف جانے لگے۔

اب اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آسمان میں نفوس نہیں، حرکت افلاک ارادی نہیں۔ نفوس بسیط ہیں۔ آفتاب اور ستارے آسمان کے اندر جڑے ہوئے نہیں تو پھر بھی طلوع، تبدیل ارادہ کی وجہ بتاؤ اور کیا اس سے تمام نظام برہم نہ ہوجائے گا۔

جواب

تبدیلی ارادہ کی وجہ کا بتانا ہمارا کام نہیں ہے وجہ تو جب بتائی جاسکتی ہے کہ ان تمام کروں اور عوالم کی سچی کیفیات و ماہیات یقینی طور پر معلوم ہوجائیں۔ ایسا تو نہیں ہے علم ظنی ہے اور ظنی باتوں کے لئے اتنا ہی جواب کافی ہے۔ جب تم اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ آسمان یا آفتاب

اور اس کی حرکت ارادی ہو تو یہ صاحب اختیار کی شان ہے کہ وہ اپنی ارادی حرکت کو بدل دے اور تبدیل ارادہ کی کوئی وجہ ہوگی جو اہل عالم کو نہیں معلوم رہی یہ بات کہ تبدیل ارادہ سے نظام برہم ہو جائے گا یہ سچ ہے اور اسی برہمی نظام کا نام قیامت ہے۔

رابعاً:۔ اس وجہ سے کہ فلسفہ جدید میں زمین اپنی محور پر حرکت کرتی ہوئی آفتاب کے گرد گھومتی ہے حرکت مغرب سے مشرق کی طرف ہے پس جب برہمی عالم کا وقت آجائے گا اور جذب انجذاب کی قوتیں کمزور ہو جائیں گی یا مختل ہو جائینگی تو زمین اپنے محور پر مشرق سے مغرب کو حرکت کرنے لگے گی۔

ان اختلاف حرکات سے برہمی عالم لازم آتی ہے اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ قیامت یعنی برہمی عالم کے وقت ایسا ہوگا۔

چوتھی نشانی:۔ حضرت عیسی بن مریم کا اسمان سے نزول فرمانا مسلمانوں کے ایک گروہ کا یہ عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام زمین سے آسمان پر زندہ اٹھا لئے گئے وہ آسمان پر اسی دنیاوی جسد کے ساتھ زندہ ہیں قیامت کے قریب جب مسلمانوں پر دنیا تنگ ہو جائیگی تو زمین پر اتریں گے اور امام مہدی کیساتھ ملکر شیوع اسلام میں کوشش کریں گے اور ایک زمانہ کے بعد پھر انکا باضابطہ انتقال ہوگا۔

اگرچہ آسمانوں پر دنیاوی جسد کے ساتھ جانا اور زمانہ دراز تک زندہ رہکر پھر نزول کرنا عقلاً ممتنع نہیں ہے۔

پانچویں نشانی:۔ یاجوج ماجوج کا نکلنا۔ اور اس کی بحث گذر چکی ہے۔

چھٹویں نشانی:۔ تین جگہ زمین کا دھس جانا۔ ایک مشرق میں دوسرے مغرب میں تیسرے جزیرۂ عرب میں۔

ساتویں نشانی:- یمن سے آگ کا ظاہر ہونا جس سے وڈر ڈر کر لوگ ایک طرف کو جمع ہو جائیں گے۔

آٹھویں نشانی:- دَابَّۃُ الْاَرْض ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ عنوان آیت میں تو ان امور کی صراحت نہیں ہے کہ دابۃ الارض، جانور کیسا ہوگا؟ کیونکر نکلیگا؟ کس شان سے ظہور کرے گا؟ موسیٰ کا عصا سلیمان کی مہر کس لئے اور کس طرح ساتھ رہے گا، کافروں اور مسلمانوں کو کیونکر اور کس شان سے جدا کرے گا، اور کیونکر بولیگا، البتہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ دَابَّۃُ الْاَرْض ساٹھ گز لمبا ہوگا۔ اس کا سر بیل کا سا ہوگا۔ آنکھیں سور کی سی ہوں گی۔ کان ہاتھی کے سے۔ سینگ جنگلی بکروں کی سی۔ سینہ شیر کا سا۔ کوکھ بلی کی سی دم بھیڑ کی سی۔ رنگ چیتے کا سا اور ہاتھ پاؤں اونٹ کے سے ہوں گے

اس دَابَّۃُ الارض کے ساتھ حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی وہ سونگھ کر مسلمانوں کو کافروں سے پہچان لے گا۔ انسان کی طرح کلام اور اسلام کی حقانیت کی تصدیق کرے گا۔

یہ چند سطور جو دابۃ الارض کی تعریف میں لکھے گئے ہیں غالباً ان سے وہ لوگ انکار کریں گے جو قانون فطرت کے دلدادہ ہیں پس اگرچہ یہ مقام ایسے مباحث کا نہیں ہے تاہم تبصرۃً للناس ہم یہاں کچھ حوالہ قلم کرتے ہیں۔

(ا) دابۃ الارض کا پیدا ہونا مستبعد نہیں ہے۔

اولاً - اس وجہ سے کہ ایسے جانور کے پیدا ہونے کے امتناع پر کوئی دلیل عقلی قائم نہیں ہے اور جب امتناع پر کوئی عقلی دلیل نہیں تو پیدا ہونا باوجود

میں آنا ممکن ہوا۔

دوسرے :۔ اس وجہ سے کہ علامہ ڈارون نے (جس کی تھیوری کو یورپ نے تسلیم کرلیا ہے) یہ بیان کیا ہے کہ انسان ایک کیڑا تھا جو ترقی کرتے کرتے بندر ہوا پھر بندر سے انسان ہوگیا۔ اور یہی حال دوسرے جانوروں کا ہے تو اس تھیوری پر کیوں یہ ممکن نہ ہو کہ کوئی جان دار پیکر بدلتے بدلتے اور ترقی کرتے کرتے دابۃ الارض کی شکل میں نمودار ہو۔

تیسرے :۔ اس وجہ سے کہ علم حیوانات میں محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ بہت سے جانور پہلے تھے اب نہیں ہیں اور بہت ایسے جانور موجود ہیں جو پہلے نہیں تھے اس قیاس پر ممکن ہے کہ آئندہ دَابَّۃُ الاَرض پیدا ہو۔

چوتھے :۔ اس وجہ سے کہ شرعی امور جہاں تک تعلیم سے متعلق ہیں وہ تو عقل کے تابع ہیں اور واقعات و اخبار کو پابند عقل ہونا ضرور نہیں ہے اس لئے کہ عقل، آئندہ امور پر حاکم نہیں ہے تو شارع صادق جب آئندہ امور کی خبر دے گو وہ عقل کے خلاف ہوں مگر ممتنع عقلی نہ ہوں تو اس کو تسلیم کر لینا واجب ہے۔

امر ثانی :۔ دابۃ الارض کا بولنا بھی مستبعد نہیں ہے۔

اولاً :۔ اس وجہ سے کہ محال عقلی ہونے پر کوئی قطعی دلیل قائم نہیں ہے ایسا نہ سننا اور نہ دیکھا جانا وجود آئندہ کے امتناع کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

دوسرے :۔ اس وجہ سے کہ حیوانات جن اصوات و اشارات میں اپنے مطالب کا اظہار کرتے ہیں، ممکن ہے کہ آئندہ اس کے لئے ایسے قواعد مدون ہوں جو اُن کے مطالب کے سمجھنے کے لئے ایسے ہی مفید ہوں جس طرح نطق انسانی مفید ہے چنانچہ چیونٹی کے متعلق ایک یورومین محقق نے ایک رسالہ لکھا ہے۔

امر ثالث :۔ پھر سونگھ کر مسلمانوں کو کافروں سے پہچان لینا بھی مستبعد نہیں ہے

اولاً :- اسوجہ سے کہ اس کے استحالہ عقلی پر کوئی برہان عقلی قایم نہیں ہے۔

دوسرے :- اسوجہ سے کہ ممکن ہے کہ دابتہ الارض کو اس قسم کا ادراک دیا گیا ہو اکثر حیوانات کو ایسے ادراکات متنوعہ دئے گئے ہیں جن کا مدار قوت شامہ ہی پر ہے۔

الحاصل اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ دابتہ الارض میں نطق انسانی نہ ہوگا تو یہ ممکن ہے کہ انہیں ایسا احساس ہو کہ مسلمان کو کافر سے تمیز کر لے۔ اور مسلمانوں کو تمیز کر لینا گویا یہی حقانیتِ اسلام کی شہادت ہے پھر ممکن ہے کہ مخصوص باتیں خاص اشارات میں اس طرح کرے کہ وہ سمجھ میں آ جائیں۔

ان دلائل کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ پیشینگوئی کرنیوالے نے پیشینگوئی کے ظہور کا جو وقت بتلایا ہے اس کا انتظار کرو۔ جو اس وقت موجود رہیگا سب کچھ آنکھوں دیکھ لیگا۔ وقت سے پہلے سوالات کرنے اور استبعاد کی دلیلیں قائم کرنی بے وقت ہے۔

پیشینگوئی

(۱۶۰)

یہود مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونگے

جیسا کہ سورۃ البقر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا | (یہی یہود لوگ) ہیں جنہوں نے آخرت (کی زندگی) کے

بدلہ میں دنیا کی زندگی مول لی سو نہ تو اُن سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ (کہیں سے) اُن کو مدد ہی پہونچیگی۔	بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔

ف

یہود بنی نضیر جنگ احد میں خلاف وعدہ کفار مکہ کے شریک ومددگار ہوئے اُن کو پیغمبر خدا صلعم نے یک لخت مدینہ سے نکال باہر کر دیا[ع] - یہود بنی قریظہ نے جنگ احزاب میں ابو سفیان اور سرداران مکہ کو مدد پہنچائی جاسوسی ومکاری کرتے رہے اور اسلام کے مٹانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا آخر یہ قبیلہ کا قبیلہ مارشل لا کے تحت میں آکر قتل ہوا[ع]۔ نہ سرداران مکہ ان کو آکر بچا سکے نہ عبداللہ بن ابی[ع] منافق ہی کچھ بنا سکا جس نے اسلام کے مقابلہ کے لئے ان دشمنوں کو بلایا تھا۔

پیشگوئی

(١٦١)

یہودیوں میں بادشاہت نہ رہیگی

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

کیا ان یہودیوں کے نصیب میں کچھ بادشاہت ہے	اَمْ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ

عـــہ لائف آف محمدؐ مصنف سر ولیم میور۔ عـــہ لائف آف محمدؐ۔ ملہ تاریخ ابن ہشام ١٢منہ

فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ	اور اس وجہ سے وہ لوگوں کو تل برابر بھی (اس میں سے) دنیا نہیں چاہتے یا خدا نے جو اپنے فضل سے لوگوں کو نعمت (قرآن) عطا فرمائی ہے اس پر جلے مرتے ہیں۔

ف

اس پیشنگوئی کی تصدیق پر کسی برہان و دلیل کے پیش کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے اس وقت تک نہ یہود کو بادشاہت ملی نہ انشاء اللہ آئندہ ملے گی وہ مسلمانوں کو تل برابر جگہ دینا پسند نہیں کرتے تھے سو مسلمانوں کو تو اللہ نے ملک و دولت سے ایسا نوازا کہ باید و شاید اور آج بھی اس کا اثر موجود ہے۔ البتہ یہ بدنصیبی و ذلت خود یہود یوں ہی پر پلٹ پڑی اور وہ ہمیشہ رہے گی۔

پیشنگوئی

(۱۶۲)

کفار عرب کا حال فرعونیوں کا سا ہوگا۔

بمضمون سورۃ الانفال میں سے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

[illegible]	کفار و! (تمہاری بھی وہی حالت ہوگی) جیسی گت فرعونیوں

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلٌّ كَانُوا ظَالِمِينَ۔

اور ان لوگوں کی ہوئی جو ان سے پہلے تھے کہ انھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے بدلے ہلاک کر مارا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور یہ سب کے سب سرکش تھے۔

ف

مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلے کفار اور فرعون والوں نے اپنے اپنے نبیوں کو جھٹلایا اور سب کے سب ہلاک اور فرعون والے غرق کر دیئے گئے اسی طرح کفار عرب بھی تباہ ہوں گے پر ہوں گے اور ان کا نشان تک باقی نہ رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو کفار اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور اسلام کی مخالفت میں کمر بستہ رہے آخر وہ سب ہلاک و برباد ہو گئے اور اسلام روز افزوں ترقی کرتا رہا۔

پیشگوئی

(۱۶۳)

کفار باوجود اپنی کثرت کے جنگ احزاب میں شکست کھائیں گے

جیسا کہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ

(اے اہل مکہ) تم جو فتح مانگتے تھے (کہ جو برسر حق ہو اسکی فتح ہو) تو (لو) فتح تمہارے سامنے آموجود ہوئی (کہ مسلمان غالب ہو گئے) اور اگر (آئندہ شرارت سے) باز رہو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا اور اگر تم پھر (شرارت) کرو گے تو ہم بھی پھر تمہیں پلٹ پڑینگے اور تمہارا جتھا کتنا ہی بہت ہو کچھ تمہارے کام نہ آئے گا۔ اور یہ (جانے رہو) کہ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے

ف

جنگ بدر میں ابوجہل وغیرہ سرداران قریش نے علی الاعلان فتح کی دعا مانگی تھی کہ خداوندا! ہم دو فریق میں سے جو حق پر ہو اس کی فتح ہو لڑائی میں مسلمان فتحیاب ہوئے اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں انہیں کفار کو مخاطب کیا گیا کہ فتح پر حق و ناحق کا مدار تھا تو مسلمانوں کی فتح ہونے کے بعد اب اطاعت میں کیا عذر ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو پیشینگوئی فرمائی۔

ؔ ۵ ۔ لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی ۱۲ ۔

پہلی پیشنگوئی

یہ کہ کفار مکہ اگرچہ بدر میں اپنے کئے کی سزا پا گئے مگر وہ پھر شرارت کریں گے (جیساکہ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ سے ظاہر ہے) اور ویسا ہی واقع ہوا یہود بنی نضیر کی شرارتوں سے تنگ آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا تھا اور وہ حجاز عرب سے نکل کر مختلف مقامات میں آباد ہوئے جن میں سے حی بن اخطب وغیرہ خیبر میں جا کر متوطن ہو گئے۔

سنہ ۵ ہجری میں حی بن اخطب وغیرہ نے مکہ آکر قریش کو پیغمبر اسلام کے ساتھ قتال کرنے پر برانگیختہ کیا اور حتمی وعدہ کیا کہ محمدؐ کے استیصال میں دامے درمے قدمے ہر طرح ہم تمہاری مدد کریں گے قریش تو آمادہ بیٹھے تھے، یہود پر ایک قسم کا احسان رکھکر لڑنے پر تیار ہو گئے قریش سے عہد و پیمان کر کے یہود قبیلہ غطفان کے پاس دوڑے آئے اور ان کو ترغیب دلا کر یہ پٹی پڑھائی کہ مقابلہ آسان ہے، اگر تم مسلمانوں سے جنگ کروگے تو فتح کے بعد ہم تمھیں ارض خیبر کا ایک سال کا سارا خرما بطور غنیمت کے دیدیں گے۔

قریش نے ایک لشکر جرار فراہم کیا جس میں تین سو گھوڑے ایک ہزار اونٹ تھے یہ لشکر ابو سفیان بن حرب کی سپہ سالاری میں مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوا راہ میں اور بہت سے قبائل عرب اسلم - اشجع - ابو مرہ - کنانہ - فزارہ غطفان وغیرہ قریش کے ساتھ ہوئے اور یہ سب ملکر دس ہزار سے زیادہ کی جمعیت ہو گئی[ع] -

---

ع سیرۃ ابن ہشام -

دوسری پیشینگوئی

یہ فرمائی کہ اگر کفار مکہ پھر اسلام کی مخالفت میں اٹھینگے تو خواہ ان کی کتنی ہی جمعیت و کثرت کیوں نہ ہو مسلمانوں سے شکست فاش کھائیں گے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ باوجود اس کے کہ قریش کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اور مسلمان کل تین ہزار تھے جن میں صرف چھتیس گنتی کے گھوڑے تھے شیران اسلام کے مقابلہ میں یہ کثرت جمعیت کچھ کام نہ آئی ساری قوت و شوکت بالائے طاق رہ گئی اور بہادران اسلام نے وہ روز بد دکھایا کہ سوائے بھاگنے کے کچھ بن نہ پڑا عسہ کفار کا مشہور پہلوان عبدود اسی جنگ میں شیر خدا علی بن ابی طالب کی تلوار کی نذر ہوا اور آخر قریش کی ساری طاقت تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر رہ گئی۔

پیشینگوئی

(۱۶۴)

یہودیوں کا کبھی کوئی مددگار نہ ہوگا

جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ	(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر نظر نہیں کی جن کو کتاب (آسمانی) سے حصہ دیا گیا

عسہ لائف آف محمد مصنفہ سر ولیم میور سے اس جنگ احزاب یا جنگ خندق کی تفصیلی کیفیت ہماری کتاب بانئ اسلام حصہ اول میں دیکھنی چاہیئے ۱۲

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا۔	وہ لگے بتوں کا اور شیطان کا کلمہ بھرنے اور (نیز) مشرکین کی نسبت کہنے لگے مسلمانوں سے تو یہی لوگ زیادہ روبراہ ہیں (اے پیغمبر!) یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے پھٹکار دیا ہے اور جس کو اللہ پھٹکار دے ممکن نہیں کہ تم کبھی کسی کو اس کا مددگار پاؤ۔

ف

جیسا کہ ہم اس سے پہلے کی پیشینگوئی میں تصریح کر چکے ہیں، یہود بنی نضیر میں سے حیّ بن اخطب اور کعب بن اشرف دو یہودی سردار، مدینہ سے مکہ گئے اس غرض سے کہ کفار مکہ کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر آمادہ کریں۔ ابو سفیان وغیرہ مشرکین مکہ نے ان سے پوچھا کہ بھلا حق بجانب کس کے ہے کیا ہم راہ راست پر ہیں یا محمد (صلعم) جنہوں نے سب سے نرالا ایک نیا دین بنا کھڑا کیا ہے۔ یہود کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت تو تھی ہی، مشرکین کی تسکین کو کہدیا کہ مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو، حالانکہ توریت و انجیل میں پیغمبر عرب کی بشارتیں صاف موجود تھیں[عہ] اور وہ خود بھی

عہ مولانا حکیم محمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ تفسیر غایۃ البرہان میں تمام صحف انبیاء توریت و انجیل و وید مقدس اور مذاہب بدھ وغیرہ کی کتابوں سے احمد محمد صلعم کی بشارات کو ثابت کر دکھلایا ہے کتاب قابل دید ہے۔

جانتے تھے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہی رسول برحق ہیں جن کی پیشینگوئیاں کتب قدیمہ میں صراحت کیساتھ کی گئی ہیں اور خاص کر موسیٰ بن عمران اور عیسیٰ بن مریم نے آپ کے آنیکی خبریں دی تھیں اور نشانیاں بتلائی تھیں مگر عداوت اور ضد و حسد کا برا ہو کہ وہ حق بات کہنے نہیں دیتی۔

آیت مذکور میں یہود کی اسی بیراہ روی کا بیان کر کے یہ پیشینگوئی فرمائی گئی ہے کہ یہود پر اللہ کی لعنت ہے وہ خدا کی رحمت سے دور ہیں اور اب کبھی کوئی ان کا حامی و مددگار نہ ہوگا۔

یہ صریح پیشینگوئی عہد نبوی سے اسوقت تک پوری ہوتی چلی جارہی ہے، پیغمبر عرب نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکال باہر کیا کسی نے ان کی حمایت کی جرأت نہ کی حالانکہ کفار مکہ ان کی دوستی و دستگیری کا دم بھرتے تھے یہ دبنی قریظہ کی دغابازی سے تنگ آکر آپ نے اسی جنگ خندق کے بعد ان کو جا گھیرا، اور سعد کے فیصلہ پر آٹھ سو یہودی قتل کر کے خندق میں پھینکدیئے گئے مگر کسی کو ان کی طرفداری میں ایک لفظ منہ سے نکالنے کی توفیق ہوئی نہ جرأت ہوئی حالانکہ انہیں کفار قریش کی ہمنوائی و دوستی میں قریظہ کو یہ برا دن دیکھنا پڑا پھر حضرت فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں بچے کھچے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے جلاوطن کر دیا اور عرب بلکہ تمام دنیا کا کوئی متنفس ان کا مددگار ثابت نہ ہوا اور یہود کی یہی ذلت و کس مپرسی اب تک مشاہد ہے دنیا میں جہاں جہاں آباد ہیں ہر جگہ ذلیل و رسوا ہوتے ہیں، مار کھاتے ہیں، نکالے جاتے ہیں، مگر نہ تو کوئی ان کی دستگیری پر آمادہ ہوتا نہ کسی طرف سے ان کی طرفداری و حمایت میں کوئی آواز ہی بلند ہوتی۔

واقعی یہ عجیب و غریب پیشینگوئی ہے۔

پیشنگوئی

(۱۶۵)

جنگ میں مسلمان اپنے سے دُگنے اور پنج گنے دشمنوں پر غالب ہونگے

جیساکہ سورۃ الانفال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَى الْقِتَالِ اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ اَلْاٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ

ائے پیغمبر! مسلمانوں کو کافروں کیساتھ لڑنے پر برانگیختہ کرو۔ کہ اگر تم (مسلمانوں) میں سے ثابت قدم رہنے والے بیس بھی ہوں گے تو وہ دوسو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم (مسلمانوں) میں سے (ایسے) سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب رہیں گے کیونکہ یہ (کافر) ایسے لوگ ہیں جو (اجر عاقبت کو) سمجھتے ہی نہیں (مسلمانو!) اب خدا نے تم پر سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اور اس نے دیکھا کہ

يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ـ

تم میں (ابھی) کمزوری ہے تو اگر تم میں سے ثابت قدم رہنے والے سو ہونگے تو وہ دو سو (کافروں) پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے (ایسے ایک) ہزار ہونگے تو وہ خدا کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر غالب رہینگے اور اللہ تو صبر کرنیوالوں کا ساتھی ہے

ف

اسلام نے جنگ وقتال میں کبھی سبقت نہیں کی پیغمبر خدا نے کامل دس برس مکہ میں اسلام کی منادی کی اور طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں جو کافروں سے پھونچیں نہایت صبر واستقلال کیساتھ برداشت کرتے رہے یہانتک کہ مشرکین آپ کے مار ڈالنے کے منصوبے کرنے لگے جب یقین ہوگیا کہ یہ سنگدل راہ راست پر نہ آئیں گے اور اب اُن کے ہاتھ سے جان کا بچانا مشکل ہے تو آپ پوشیدہ طور پر مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے آئے اسپر بھی مکہ والوں کو صبر نہ آیا اور اسلام کی بیخ کنی میں لگے رہے۔ آخر حجت تمام کرکے اعلان جنگ دیدیا گیا۔

آیت میں پہلے تو یہ فرمایا گیا کہ اگر ثابت قدم رہنے والے بیس مسلمان ہونگے تو وہ دو سو کافروں پر غالب ہوں گے اور ایک سو صابر مسلمان ایک ہزار دشمنوں کو بس کریں گے۔

مسلمانوں نے شرطیہ ہدایت کو حکم تصور کر لیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے رفع شک وتصریح سہولت کے لئے بعد والی آیت نازل فرمائی تا شروع کے مسلمان غلطی میں پڑکر اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنے لگیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ پہلا حکم شرطیہ ہے۔ اگر ثابت قدمی نبہ سکے لیکن چونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ تم شروع کے مسلمان

افلاس و فاقہ کشی وغیرہ کیوجہ سے کمزور ہو اور اس صورت میں ایسی ثابت قدمی موجب ہلاکت اور وبال جان ہوجائے گی اس لئے موجودہ صورتیں ایک مسلمان دو دشمن کے لئے بس ہے اور یہ ہدایت موجودہ حالت پر نظر کرتے ہوئے تخفیف رحمت کیلئے ہے ورنہ قوت و شوکت کیوقت تو ایک مسلمان، پانچ بلکہ دس کافروں کو کفایت کریگا یہ پیشینگوئی دونوں صورت میں پوری ہوگئی۔

ایسا تو سیکڑوں ہزاروں مرتبہ ہوا ہے کہ مسلمان اپنے سے دو نے تگنے لشکر پر غالب آگئے ہیں خود اسی جنگ احزاب میں تین سو مسلمانوں کا قلیل لشکر دس ہزار کفار پر ایسا غالب آیا کہ ان کو پورب پچھم نظر نہ آتا تھا بس وہی گر تھا کہ ایک مسلمان دس پر، سو، ہزار پر اور تین سو مسلمان دس کفار پر غالب رہے۔

روم۔مصر۔شام کی فتوحات میں ایسی بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مثالیں ملتی ہیں۔جنکو نہ صرف مسلمان مورخین بلکہ یورپ والے بھی حیرت کیساتھ لکھنے پر مجبور ہوتے ہیں یہ کتاب ان واقعات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ابن اثیر اور فتوح شام وغیرہ ان واقعات سے پر ہیں۔

مسلمانوں کی اُس تنگی، اُس کمزوری، قلت بضاعت اور اس بیمائگی کیحالتمیں اس پیشینگوئی کا کرنا کہ ایک کمزور مسلمان دو کافروں پر اور سو کا لشکر دو سو کے لشکر پر پھر ایک قوی ثابت قدم مسلمان پانچ اور دس کافروں پر اور، ایک سو ثابت قدم مسلمان ایک ہزار کافروں پر غالب ہوں گے اور اس پیشینگوئی کا ہُو بہُو پورا اترنا، کیا کم سے کم عجیب وغریب امر نہیں ہے۔

نوٹ۔اس بیان سے واضح ہوگا کہ مذکورہ دو آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ

لائف آف محمد سر ولیم میور ۱۲۔

نہیں ہے جیسا کہ بعض سطحی نظر والوں کا گمان ہے اور اس گمان کو مقصود قرآن سمجھکر آج کل کے متعصب مگر بے علم دشمنان اسلام اعتراض کرتے اور قرآن کے منہ آتے ہیں۔

یہ احکام ہر زمانہ کے لئے ہیں کہ جب اپنے میں قوت نہ ہو تو ضرورت سے زیادہ جوانمردی کر کے تھلکہ میں پڑنا نہیں چاہیئے۔ اور قوت و شوکت کیوقت زیادہ سے زیادہ ایک مسلمان، دس دشمنوں کا مقابلہ کر سکتا ہے پھر اگر یہ مقابلہ مجبوری درجہ کو کیا گیا ہے اور مذہبی حمایت پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ نیک نیت اور ثابت قدم مسلمانوں کو مظفر و منصور فرمائے گا اور ضرور فرمائے گا اور اسکی سیکڑوں ہزاروں نظائر سے تاریخی کتابیں لبریز ہیں اور انشاءاللہ تعالیٰ قیامت تک یہ زبردست پیشنگوئی اسی طرح پوری ہوتی رہے گی۔

پیشنگوئی

(۱۶۶)

جھوٹے مدعیان نبوت کا خروج

جیسا کہ سورۂ انعام میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ	اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا دعویٰ کرے کہ میری طرف

أُوْحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ

وحی آئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ آئی ہو اور (نیز) اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو دعوی کرے کہ (قرآن) جس کو (تمہاری پندار میں) اللہ نے اتارا ہے (کہو تو) ایسا ہی میں بھی اُتار دوں اور (اے پیغمبر) کاش تم (ان) ظالموں کو اسوقت دیکھو کہ موت کی بیہوشیوں میں (پڑے) ہیں اور فرشتے (جان نکالنے کیلئے) دست درازیاں کر رہے ہیں (اور کہتے جاتے ہیں) کہ اپنی جانیں نکالو اب تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دیجائیگی اس لئے کہ تم خدا پر ناحق جھوٹ بولتے تھے۔

ف

یہ آیت مکی ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہوئی اور جھوٹے نبیوں کے خروج کی پیشنگوئی رسول اللہ صلعم کی وفات سے کچھ پہلے سلہ ہ میں واقع ہوئی۔

سلہ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں تشریف لاسے تو مسیلمہ کذاب اسود عنسی عیس بن مذحج سجاح بنت حارث طلیحہ بن خویلد چار مفسدوں نے نبوت کا دعوی کرکے

علم بغاوت بلند کیا۔

ان میں سے مسیلمہ بن ثمامہ نے جو کذاب کے موزوں لقب سے مشہور ہوا، نبوت کا دعوی کرکے اپنے کو رحمان الیمامہ کے خطاب سے مشہور کرنا چاہا۔ اور مسلمانوں کے ڈر سے بھاگ کر یمامہ جا رہا جو اس کا مولد ومنشا تھا۔ جاہل ونا سمجھ اعراب کی ایک معتد جماعت مرتد ہو کر مسیلمہ کی ہمنوا ہو گئی۔ مسیلمہ نے اپنی امت پر شراب وزنا کو حلال قرار دیا۔ نماز فجر کو ساقط کر دیا اور قرآن مجید کے جواب میں چند واہی تباہی نامربوط سورتیں بھی بنائیں جن کو اہل علم نے ردی سمجھ کر قابل التفات بھی نہ سمجھا البتہ دل لگی کے طور پر لطف اٹھانے کے لئے ان کو کتابوں میں لکھدیا ہے رسول اللہ صلعم کے انتقال بعد، ایک لاکھ سے زیادہ آدمی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے آخر ابو بکر صدیقؓ نے اپنے عہد خلافت میں خالد بن ولید سیف اللہؓ کو ساٹھ ہزار مردان اسلام کے ساتھ اسکی سرکوبی کیلئے روانہ کیا مسیلمہ نے چالیس ہزار کے لشکر سے اسلام کا مقابلہ کیا اور جنگ عظیم کے بعد اس کو شکست فاش ملی۔ یہ عجیب بات ہے کہ وحشی قاتل حمزہؓ نے جس حربے سے ایام جاہلیت میں سید الشہدا حمزہؓ کو قتل کیا تھا اسی حربہ سے اس نے مسیلمہ کو جہنم واصل کیا[ع]۔ مسیلمہ کے قتل ہو جانے کے بعد اس کی امت نے ارتداد سے توبہ کیا اور یہیں یہ مذہب باطل بیخ وبنیاد سے اکھیڑ کر نیست ونابود ہو گیا۔ اسود عنسی کا نام عیس بن مذحج اور لقب ذی الخمار تھا فن کہانت میں استاد تھا میٹھی میٹھی باتوں میں عوام کو پھانس کر دام ضلالت پھیلایا اور آخر نبوت کا دعوی کر بیٹھا صنعا کے عام لوگ اسود کی نبوت کے قائل ہو کر مرتد ہو گئے۔

ع تاریخ کامل۔

شہر بن باذان ۔ کو رسول اللہ صلعم نے صنعاء کا حاکم کیا تھا۔ اسود عنسی نے جنگ کر کے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور ہر طرف ارتداد و فساد کی آگ مشتعل کر دی آخر رسول اللہ صلعم کی وفات سے ایک یا دو یا تین دن پہلے فیروز نے اسود عنسی کو حکمت عملی سے قتل کر دیا اور رسول خدا کی وفات کے بعد یہ خوشخبری مدینہ منورہ میں پہنچی اتباع اسود عنسی بہت تو مارے گئے اور جو باقی بچے تائب ہو کر مسلمان ہو گئے اور اس جھوٹے نبی کے مذہب کا نشان تک باقی نہ رہا۔ [ے]

سجاح بنت حارث قبیلہ بنو ربیع کی ایک تمیمیہ عورت تھی اس نے بنی تغلب میں دعوائے نبوت کیا جاہلوں کی ایک جماعت اس کے گرد ہو گئی یہ مسیلمہ کی ہم عصر تھی اور جہاں اس نے اَنَا النَّبِیَّۃ کی ہانک لگائی تھی اسی نواح میں مسیلمہ نے اَنَا النَّبِیُّ کی صدا بلند کی تھی مسیلمہ کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یمامہ کے لوگ بھی سجاح کی طرف جھک پڑیں اور میری نبوت و حکومت سب معرض خطر میں پڑ جائے یہ سب سوچ سمجھ کر اس نے تحفہ و ہدایا کیساتھ سجاح کے پاس سفارت بھیجی مراسلتوں کے بعد ملاقات کی ٹھیری سجاح نے مسیلمہ کو دعوت دیکر بلایا اور ایک خیمہ میں جس کو اسی غرض کے لیے پر تکلف فرش و فروش اور انواع عطریات سے آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا مسیلمہ کو مہمان رکھا تین دن تین رات یہ دونوں جھوٹے نبی و نبیہ اس خیمہ میں گرم صحبت رہے آخر سجاح نے مسیلمہ کے دعوائے نبوت کو تسلیم کیا اور اس کے نکاح میں آگئی مسیلمہ نے مہر نکاح میں اپنی بیوی کی امت پر سے نماز فجر کو ساقط کر دیا۔ [ے]

یہی راز و نیاز کے معاملے چل رہے تھے کہ ناگاہ سیف اللہ خالد بن ولید رض

[ے] تاریخ کامل ۔ [ے] تاریخ کامل ۔

[illegible]ن اسلام کا جرار لشکر لئے ہوئے سر پر پہنچ گئے مسیلمہ قتل ہو گیا
اور [illegible] سجاح جو اسوقت بھاگ گئی تھی آخر امیر معاویہ کے عہد خلافت میں توبہ کر کے
اپنی امت سمیت مسلمان ہو گئی اور ایک صحابی کی بیوی بنی۔ عہ

طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنی اسود کا ایک چالاک شخص تھا۔ رسول خدا کی وفات کے بعد
اس نے دعویٰ نبوت کے ساتھ خروج کیا چند قبائل اس کی رفاقت میں مرتد ہو گئے
حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے خالد بن ولیدؓ نے اس پر لشکر کشی کی طلیحہ اور اس کے
حامیوں کو شکست فاش ہوئی طلیحہ اسوقت تو شکست کھا کر فرار ہو گیا مگر بعد میں حاضر
ہو کر مسلمان ہوا۔ اور جنگ نہاوند میں جام شہادت پی کر دنیا سے چل بسا رحمۃ اللہ
تعالےٰ علیہ۔ عہ

پیشگوئی

(۱۶۷)

صحابہ کے مابین رنجش کا پیدا ہونا اور پھر اس کا صاف ہونا

جیسا کہ سورۃ الاعراف میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے (اپنے مقدور بھر) نیک عمل کئے (اور) ہم تو	وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ

عہ مداراج النبوۃ۔ عہ مدارج النبوۃ۔

کسی شخص پر اس کی سمائی سے بڑھ کر بوجھ ڈالا ہی نہیں کرتے یہی لوگ جنتی ہونگے کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو کچھ انکے دلوں میں (ایک دوسرے کیطرف سے دنیاوی) رنجش ہوگی (اس کو) ہم نکال دیں گے۔	نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

ف

سورۃ الاعراف پانچ یا چھ آیتوں کے سوا جن میں آیت مذکورہ بالا شامل نہیں ہے کل سورہ مکی ہے جو ہجرت رسول سے پہلے نازل ہوئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیک عمل والے سچے مسلمانوں میں جو ایک کو دوسرے سے رنجش ہوگی ہم اس کو دور کردیں گے۔ پس اسمیں دو پیشینگوئیاں ہوئیں ایک آپس میں نزاع اور رنجش کا پیدا ہونا دوسرے صلح کا ہوجانا چنانچہ یہ دونوں باتیں واقع ہوگئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی ایسی رنجش یا نزاع صحابہ کرام کے مابین واقع نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔ امیر المؤمنین کا قلیل زمانہ خلافت امن وامان میں ختم ہوگیا۔ امیر المؤمنین فاروق اعظم کا عہد امامت عرصہ تک رہا مگر آپ کی تدبیر و حسن انتظام نے کسی بد امنی کے ہونے کا موقع ہی نہ دیا۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذی النورین کا اوائل زمانہ خلافت خوشی و مسرت کا زمانہ تھا لیکن آپ کی حد اعتدال سے گذری ہوئی نیکی و رحم دلی نے مفسدوں کو افساد کا موقع دیا جس کا انجام آپ کی شہادت پر بھی ختم نہ ہوا۔

خلیفہ رابع حضرت علی مرتضیٰ کا زمانہ خلافت فتنہ و فساد کا زمانہ تھا

اور اسی عہد میں صحابہ کے مابین نزاع و کشمکش کا وقوع ہوا۔

حضرت طلحہ و زبیر نے پہلے حضرت علی سے بیعت کی پھر آخر ناراض ہوکر بیعت کو توڑ دیا جب حضرت علی اور حضرت عائشہ کے درمیان میں میدان کارزار گرم ہوا تو طلحہ و زبیر ام المومنین عائشہ کے طرفداروں میں تھے لیکن آخر اسی جنگ میں اختتام جنگ سے پہلے حضرت علی نے طلحہ و زبیر دونوں کو سمجھایا۔ دونوں حضرات آپ کی تقریر سے متاثر ہوئے گذشتہ باتوں پر نادم و پشیمان ہوئے اور حضرت علی سے عذر خواہ ہوکر میدان جنگ سے نکل گئے ان شاہبازان شہادت کو جنگ سے کنارہ کش پاکر بعض مفسدوں نے تیر مار کر دونوں کو جام شہادت پلا دیا[ا]

غرض طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما تو خود پشیمان ہوکر صاف ہوگئے[۲] اور حضرت عائشہ سے بعد جنگ صلح ہوئی حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان دونوں تک آتش جدال وقتال گرم رہی اور اگرچہ یہ لڑائی کسی دلی بغض وکینہ پر مبنی نہیں تھی، صرف رائے کی غلطی جنگ کا سبب تھی، تاہم یہ ظاہری جنگ بھی تھوڑے دنوں تک رہ کر مصالحت سے بدل گئی اور دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر آرام سے ساکن رہ گئے حضرت علی کی شہادت کے بعد جناب امام حسنؑ کو داعیہ خلافت پیدا ہوا لوگوں کے بھڑکانے سے پھر قریب تھا کہ امام حسن اور امیر معاویہ میں جنگ چھڑ جائے مگر خود امام حسنؑ کی صلح پسند طبیعت نے بیجا خونریزی کو پسند نہ کیا اور عین انصاف پسندی سے کام لیکر امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی امر خلافت امیر معاویہ پر مستقل ہوگیا اور اہل ملک

[ا] روضۃ الشہدا ر [۲] روضۃ الاحباب۔

ہر طرف امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے ع

یہ تھی قرآن کی پیشنگوئی کہ صحابہ رسول کے درمیان میں رنجش ہوگی اور ہم اس رنجش کو دور کر دیں گے یعنی جنگ کے بعد صلح ہو جائے گی چنانچہ ویسا ہی واقع ہو کر رہا۔

پیشنگوئی

(۱۶۸)

یہود اور نصاریٰ قتل ہونگے

جیسا کہ سورۃ التوبہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ۔

یہود کہتے ہیں کہ عزیز اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ سب ان کے منہ کی کہن ہے لگا اُن ہی کافروں کی سی باتیں بنانے جو ان سے پہلے (ہو گذری) ہیں خدا ان کو قتل (و غارت) کریگا (دیکھو تو) کدہر کو (شیطان کے) بھٹکائے ہوئے بھٹکے چلے) جا رہے ہیں

ع ان واقعات کو بارہ امام حصہ اول میں ہم نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

ف

یہود تو خود رسول خدا ہی کے زمانہ میں اپنی شرارتوں کی سزا پا گئے جسکی تفصیل اس کتاب کے گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ رہے نصاریٰ ان کا قلع قمع حضرت فاروق اعظم کے عہد خلافت میں خوب ہوا۔ نصاریٰ روم و شام کو بہادران اسلام نے جس جس طرح عاجز و مغلوب کیا اور جیسا روز بد ان کو دکھایا اس سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں[ع۱]۔ اگرچہ اس بارہ میں عہد بنو امیہ اور عہد عباسیہ بھی کچھ کم ممتاز نہیں رہا مگر سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کو نصاریٰ کے مقاتلہ اور ان کے مقہور کرنے میں جو خاص شہرت حاصل ہوئی اس کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا[ع۲]

پیشنگوئی

(۱۶۹)

سرداران مکہ عذاب سے چھوٹ نہ سکیں گے

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔
پہلی آیت سورۂ مریم میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ع۱ دیکھو فتوح الشام واقدی، الفاروق لہ ۔ ع۲ دیکھو حیات صلاح الدین اردو ۱۲۔

قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا وَکَمْ اَهْلَکْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْیًا قُلْ مَنْ کَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا حَتّٰی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا

(جب ہمارے کھلے احکام لوگوں کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو) کافر (چھیڑ کے طور پر) مسلمانوں سے پوچھنے لگتے ہیں کہ (بھلا بتاؤ تو ہم تم) دونوں فریق میں سے مکانات کس کے اچھے اور مجلسیں کسکی زیادہ شاندار ہیں حالانکہ ہم ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے سازو سامان اور رو نمود (ان) سے کہیں عمدہ تھی۔ (تو اے پیغمبر! ان پوچھنے والوں کو) جواب دو کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہے خدا اسکو ڈھیل ہی دیتا چلا جاتا ہی یہانتک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہی یعنی عذاب یا قیامت تو اسوقت انکو معلوم ہو جائیگا کہ آب کسکا مکان برا۔ اور (کس کا) جتھا کمزور ہے

ف

اب اس کی تصریح کی ضرورت نہیں رہی کہ یہ پیشینگوئی کسطرح پوری ہو گئی، بلاشبہ شروع زمانہ شیوع اسلام میں کفار بہت مالدار اور زبردست تھے درحالیکہ مسلمان مفلس ونادار اور کمزور تھے لیکن یہ صورت بہت جلد بگڑ گئی اور معاملہ بالکل برعکس ہو گیا کہ سرداران کفار مسلمانوں کے منہ آکر منہ کی کھا گئے سب کا قلع قمع ہو گیا جو باقی رہے اور مسلمان نہیں ہوسے وہ ذلیل وخوار

ہو گئے ان کا جتھا نیست و نابود ہو گیا اور مسلمان مالدار اور ان کا جتھا زبردست ہو گیا۔

دوسری آیت سورۃ المومنون میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ حَتّٰى اِذَا اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ۔

لیکن ان لوگوں کے دل ان باتوں کیطرف سے غفلت میں ہیں اور غفلت کے علاوہ ان کے (اور بہت) اعمال ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں یہانتک کہ جب ہم ان میں سے خوشحال لوگوں کو دھر پکڑیں گے تو یہ فوراً بلبلا اٹھینگے۔

ف

آخر ایسا ہی ہوا کہ جن رؤسائے قریش اور سرداران مکہ نے اسلام کو قبول نہیں کیا اُن کو خدا نے مسلمانوں کے ہاتھ سے دھر پکڑا اور چُن چُن کر سب کا صفایا کر دیا۔عہ جیسا اُنھوں نے کمزور مسلمانوں کو ستایا تھا ویسا ہی انکے آگے آیا ۔ع گندم از گندم بروید جو ز جو۔

عہ لائف آف محمدؐ مصنفہ سر ولیم میور۔ ۱۲

پیشینگوئی

(۱۷۰)

ابونعیم بن عوف بن مالک اشجعی قید سے رہا ہوگا

جیساکہ سورۃ الطلاق میں سے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہیگا اس کے لئے اللہ نجات کی کوئی شکل نکالدیگا اور اس کو وہاں سے رزق پہنچائیگا جدھر سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا اور جو شخص اللہ پر بھروسا رکھے گا تو خدا اس کے لئے کافی ہے۔

ف

عوف بن مالک اشجعی ایک مفلس و نادار مسلمان تھا اس کے بیٹے ابونعیم مالک کو دشمنوں نے گرفتار کر کے قید کر لیا ابونعیم نے کسی طرح اپنے باپ کو اطلاع دی کہ میں اس طرح دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار رہوں اور مجھکو قید میں تکلیفیں پہنچائی جاتی ہیں۔ تم رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر میری بیکسی کی اطلاع دو۔ عوف بن مالک روتا ہوا پیغمبر خدا کی خدمت میں حاضر ہوا

اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ ہم بال بچے والے غریب پہلے ہی سے افلاس و فاقہ کشی میں مبتلا تھے اب میرے بیچے کو بھی ان موذیوں نے قید کر کے مبتلائے عذاب کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا، صبر کرو، تمہارا بیٹا، خدا نے چاہا تو چھوٹ جائے گا اور تمہارا افلاس بھی جاتا رہے گا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی کہ "جو شخص اللہ سے ڈریگا اللہ اس کی نجات کی کوئی شکل نکال دیگا اور وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے پہنچنے کا اس کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ عوف بن مالک اشجعی کو اس سے فی الجملہ تسکین ہو گئی۔

ادھر ایسا ہوا کہ بہت دن گذر جانے سے مالک بن عوف سے اسکے گرفتار کرنے والے غافل ہو گئے ایک روز مالک نے اپنی نگرانی کرنیوالوںکو اپنی طرف سے غافل جو پایا قید سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے اور چلتے چلتے دشمنوں کے بہت سے اونٹ اور مویشی بھی ہانک لئے۔

رات کیوقت عوف بن مالک اشجعی مکان میں مغموم بیٹھا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے اٹھکر جونہیں دروازہ کھولا سامنے اپنے عزیز بیٹے کو پایا کہ خوش و خرم کھڑا ہے اور اس کے ارد گرد اونٹوں اور بھیڑیوں کا گلہ ہے۔

قرآن کی دونوں پیشینگوئیاں پوری ہوئیں۔ عوف بن مالک کا بیٹا قید کفار سے رہا ہوا۔ اور اس کے لائے ہوئے مویشیوں سے گھر کا فقر و فاقہ جاتا رہا۔

لہ لباب النقول فی اسباب النزول۔

پیشنگوئی

(۱۷۱)

ابوجہل عذاب موت کیوقت کہیگا کاش میں خاک ہوتا

جیساکہ سورۃ النبا ئین میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا۔

(لوگو!) ہم نے تم کو عذاب سے ڈرا دیا ہے جو عنقریب (آنیوالا) ہے کہ اُسدن آدمی اُن (اعمال) کو دیکھیگا جو اس نے اپنے ہاتھوں بھیجے ہیں اور (اُسدن) کافر (ابوجہل) چلا اٹھیگا کہ اے کاش میں مٹی ہوجاتا۔

ف

ابوجہل کے اُس افسوس کی پیشنگوئی ہے کہ جب عفراء کے بیٹوں نے جنگ بدر میں اس کو قتل کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دیکھنے گئے کہ ابوجہل کا کیا حشر ہوا تو ابن مسعود سے اس نے کہا کہ ہائے! مجھکو میرے چچازادوں نے کیوں نہیں قتل کیا۔[۵]

---

۵ بخاری جلد ثانی۔

اسے کاش میں بجائے انسان ہونے کے مٹی ہوتا۔ اور ایسے ادنی لوگوں کے ہاتھ سے قتل نہ ہوتا۔

پیشنگوئی

(۱۷۲)

زمین ہلائی جائیگی اور اس کی دفینے نکالی جائینگے

(۱۷۳)

زمین کی خبریں اخبارات وغیرہ کے ذریعہ سے عام ہونگی

جیساکہ سورۃ الزلزال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا۔

جب زمین بڑے زور سے ہلائی جائے اور (یہی) زمین اپنے دفینے (معدنیات وغیرہ) نکال دے اور انسان (یہ عجائبات دیکھکر تعجب سے) بول اُٹھے کہ اسے کیا ہوگیا۔ اسوقت یہ اپنی (تمام) خبریں بیان کرنے لگیگی اس لئے کہ تمہارے پروردگار کا اس کو حکم ہی ایسا ہوگا

ف

اگرچہ عنوان پر ہم نے دو ہی پیشنگوئیاں لکھی ہیں لیکن درحقیقت ان آیات میں تین عجیب پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

زمین کا متزلزل ہونا اور یہ شاہد ہے کہ ریلوں کی کثرت نے کرہ ارض کو متحرک کر رکھا ہے۔

دوسری پیشنگوئی

انثقال زمین یعنی معدنیات وغیرہ کا کثرت سے باہر نکالا جانا کون انکار کر سکتا ہے کہ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ لوہا وغیرہ معدنیات اب جس کثرت سے نکالے جا رہے ہیں اس کا عشر عشیر بھی کبھی نہ نکالے گئے ہوں گے خصوصاً کوئلے وغیرہ جو بوجھ کے بوجھ ڈھیر کے ڈھیر بلکہ ہزاروں لاکھوں من روزانہ زمین کے اندر سے نکالے جا رہے ہیں انھوں نے تو اس پیشنگوئی کو ایسا صاف طور پر صحیح کر دکھلایا جیسے چاند سورج کا وجود مسلم ہے۔

تیسری پیشنگوئی

اخبار عالم کا عام ہونا اور یہ ان دونوں سے زیادہ ظاہر ہے کہ اخبار

تار برقی اور ٹیلیفون نے کس قدر خبروں کو عام کر دیا ہے اور خبروں کے عام ہونے اور ہر طرف پھیلانے کے کیسے زبردست ذریعے ہیں بھلا آج تیرہ سو برس پہلے کس کے وہم وگمان میں یہ بات تھی کہ ایک زمانہ میں ایسے آلے ایجاد ہو سکیں گے جو ذری ذری خبروں کو بھی دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک گھنٹوں میں پھیلا کر شایع کرتے رہیں گے

لطیفہ

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا - میں اَخْبَارَ کا لفظ ایک خاص شان لطافت رکھتا ہے یہ کتنی بڑی لطافت اور قوت کلام ہے کہ تیرہ سو برس پہلے جو پیشنگوئی قرآن نے کی بعینہ اور بلفظہ آج ہمارے سامنے ہے قرآن نے اخبار کا لفظ فرمایا اور آج اخباروں ہی کی کثرت ہے اخبار ہی خبروں کے شائع اور عام ہونے کے اعلیٰ ذریعے ہیں۔

کیا ممکن نہیں تھا کہ اس ذریعہ خبر رسانی کا دوسرا کوئی نام رکھا جاتا ضرور ممکن تھا مگر مشیت الٰہی میں تو یہ تھا کہ اس کے کلام لطیف (قرآن) کی پیشنگوئی بلفظہ پوری ہو اور وہ ہو کر رہی ابتو اہل یورپ اس کوشش میں بھی کامیاب ہو گئے کہ بغیر اخبار وتار برقی کے زمین سے خبریں جاری ہو جایا کریں۔

کیا ان عجائبات نے اہل عالم کو متحیر نہیں کر دیا؟ عوام تو عوام خواص بھی تعجب کئے بغیر نہیں رہتے کہ یورپ نے کیسے کیسے عجائب غرائب واقعات دنیا کے سامنے پیش کر دئے ہیں۔

پیشگوئی

(۱۴۴)

ان آوازے کسنے والوں کا مال ہرگز نہ بڑھے گا

جیساکہ سورۃ الھمزہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۨ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخْلَدَہٗ کَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَۃِ

ہر شخص جو لوگوں کی عیب چینی کرتا (اور ان پر) آوازے کستا ہے اس کی بڑی تباہی ہے وہ اس خیال سے مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے کہ وہ مال کی بدولت ہمیشہ زندہ رہیگا سو یہ تو ہرگز نہ ہوگا (نہ مال ہی رہیگا نہ خود ہی رہیگا بلکہ) وہ ضرور (ایک وقت مرے گا اور کفر کی وجہ سے) حطمہ (یعنی آگ) میں پھینکا جائیگا۔

ف

ابی بن خلف۔ اخنس بن شریق جمیل بن عامر جمحی۔ اور امیہ بن خلف ان چار مالداران کفار کو اپنے مال و دولت پر بڑا غرہ تھا۔ اپنے مال و دولت سے بڑائی کی نظر و لیں لگے ہنسی اور مسلمانوں خصوصاً پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر آوازے کسا کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلا کہ یہ سب ہوس خام میں مبتلا ہیں تو ان کی دولت ہی نہ بڑھیگی

ع؎ لباب النقول فی اسباب النزول للسیوطی ۱۲۔

نہ وقت پر ان کا موجودہ مال ہی کچھ ان کے کام آئیگا بلکہ یہ سب کے سب ذلیل موت
مریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان نالائقوں میں سے کسی ایک کا مال بھی نہ بڑھا
اور ہر ایک رسوائی کی موت مرا اور قتل کیا گیا ؎

پیشینگوئی

(۱۷۵)

یہ سات شخص کفر پر مریں گے

جیسا کہ سورۃ الکافرون میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُّمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔

(اے پیغمبر ان کافروں سے) کہو کہ اے کافرو! نہ (تو اسوقت) میں (تمہارے) ان معبودوں کی پرستش کرتا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور جس (خدا) کی میں پرستش کرتا ہوں تم بھی (اسوقت) اس کی پرستش نہیں کرتے اور (آئندہ بھی) نہ میں تمہارے ان معبودوں کی پرستش کرونگا جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ تم ہی اس خدا کی پرستش کروگے جس کی میں پرستش کرتا ہوں (جاؤ) تمکو تمہارا دین اور مجھکو میرا دین۔

؎ تاریخ کامل ۱۲

ف

عاص بن وائل سہمی[1] - ولید بن مغیرہ[2] - اسود عنسی[3] - عبد یغوث[4] - اسود بن عبد المطلب[5] - امیہ بن خلف جمحی[6] اور حارث بن مغیرہ[7] - یہ سات اکابر کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہنے لگے کہ آپ کو بہتر سے بہتر حسین عورت، مال و دولت، مکان و عمارت جو کچھ مطلوب ہو، ہم سب مہیا کر دیں گے، آپ اپنے دعوے سے باز آجائیے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو کم سے کم ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیے اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو سب سے آسان بات یہ ہے کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں۔ پیغمبر خدا نے فرمایا نہیں اس کے متعلق وحی الٰہی کا انتظار کر کے جواب دونگا۔ اور اس کے بعد کافروں کے جواب میں یہ سورۃ الکافرون نازل ہوئی جس میں صاف فرما دیا گیا کہ ہم (پیغمبر) تو تمہارے باطل معبودوں کی پرستش اسوقت کرتے نہ آئیدہ کریں گے اور اسی طرح تم جو اسوقت ہمارے معبود مطلق سے روگرداں ہو، آئیندہ بھی اسی طرح بغاوت پر کمربستہ رہو گے تو فضول مکاری کی باتیں نہ بولو، جاؤ بالفعل تم اپنے دین پر رہو، میں اپنے دین پر رہوں گا۔

آخر ایسا ہی ہوا کہ ان سات شریروں میں سے کوئی مسلمان ہوا نہ اپنی شرارت سے باز آیا اور ہر ایک تباہ و برباد ہو کر اسلام کی خونخوار تلوار کا جوہر دیکھتا ہوا دار البوار کو سدھارا۔

ع لباب النقول فی اسباب النزول ۶۔

پیشنگوئی

(آئندہ)

آسمانوں کا پھٹنا اور پہاڑوں کا غبار ہونا

یہ پیشنگوئی قرآن مجید میں دو مقامات پر ہے۔

پہلی آیت سورۃ الرحمٰن میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ۔

پھر جب قیامت کے دن آسمان پھٹے اور تیل کی طرح (اس کی رنگت) لال لال ہو جائے۔

دوسری آیت سورۃ النبا میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا وَّفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا۔

اس وقت صور پھونکا جائیگا اور تم لوگ گروہ کے گروہ آحاضر ہوگے اور آسمان (پھٹ کر اس میں) دروازے دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ (اپنی جگہ سے) چلائے جائیں گے تو وہ غبار ہو کر رہ جائیں گے

ف

فلاسفۂ متقدمین آسمان کو جسم صلب، شفاف، ناقابل خرق والتیام مانتے تھے پھر جب فلسفہ نے مسلمانوں کے گھر میں نیا جنم لیا اور حکمت نے مسلمانوں کے دامن میں پناہ لی تو انھوں نے فلسفہ یونان کے بہت سارے مسائل کو باطل کر کے اور ایک دوسرا فلسفہ بنا کر علم کلام اس کا نام رکھا متکلمین یعنی کلام والے حکماء اسلام نے آسمانوں کا جسم صاف ہونا تو تسلیم کر لیا۔ مگر اس کا خرق تو فی

خرق والتیام ہونا نہ مانا اور اس کو بدلائل قاطعہ رد کر دیا۔
قرآن مجید علم ہئیات یا ریاضی یا اس قسم کے علم و فن کی کوئی کتاب نہیں ہے
وہ فقط امت کی اصلاح حالت اور درستی اخلاق کیلئے نازل فرمایا گیا چونکہ قرآن
عرب خصوصاً قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے زبان عرب کی
تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں اس نے زبان کے مصطلحات کی
واقعی غلطی یا صحت سے کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ بلا تعرض انہیں کے مصطلحات
مسلمہ سے اپنے دعوی کو ثابت کرتا رہا مثلاً کفار عرب سات آسمان اور ایک زمین کے
قائل تھے قرآن کو اپنا دعوی توحید یا وجود باری ثابت کرنا ہے پس اس امر سے
بحث کرنے کی اسے کچھ ضرورت نہیں ہے کہ واقعی آسمان سات ہے یا ایک ہی یا نہیں
ہے اور ہے تو اس کی حقیقت کیا ہے کیونکہ قرآن ان مباحث کے طے کرنے کیلئے
اترا ہی نہیں تھا وہ اہل عرب کو مخاطب کرتا ہے کہ تم سات آسمان اور ایک
زمین کے قائل ہو تو ان عظیم الشان چیزوں کا کوئی خالق ہے یا آپ ہی
آپ پیدا ہو گئیں پچھلی صورت تو تمہارے ہی عقیدہ کی رو سے باطل ہے اور
جب ان چیزوں کا خالق ہونا ضرور ہے اور ہے تو پھر اس کی پرستش کرو اور
اس کے ساتھ الوہیت میں بتوں کو شریک نہ گردانو۔ الحاصل عربوں کے جن
مصطلحات و معتقدات کو نفس اسلام سے تعلق نہ تھا یا ان کی وجہ سے اسلام میں
کوئی مزاحمت نہ ہو سکتی تھی ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا اور بلا تعرض انہیں سے
ان کے معتقدین کو قائل کیا۔ البتہ ان کے جو معتقدات اسلام کے خلاف تھے
ان کو صاف الفاظ میں باطل گردانا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مسائل میں ما بین
العلماء ہمیشہ اختلاف رہا۔ اور ان جیسے امور کو محققین نے نفس اسلام سے
بالکل الگ رکھا قرآن میں جو سات آسمان کہا گیا ہے اس سے واقعی تعدد مقصود ہے نہ

آسمانوں کی ماہیت کا اظہار منظور ہے۔
اب ہم کہتے ہیں کہ جب آسمانوں کا قابل خرق والتیام ہونا ثابت ہے
تو اس کا پھٹنا اور اس میں درزوں اور دروازوں کا ہونا ممکن ہے ہاں یورپ
کا فلسفہ جدید سرے سے آسمانوں کے وجود ہی کا قائل نہیں پس اگر یہ ثابت
ہو جائے کہ جس صفت کا آسمان مانا جاتا ہے ویسا نہیں ہے تو آسمانوں سے
طبقات فضائے بالا مراد ہوں گے اور اس عالم کی ترکیب کے مضمحل ہونے
کے بعد وہ طبقات بھی متاثر ہوں گے مثلاً اجزائے ارضی کے طبقات سماویہ میں
مل جانے سے رنگ کا تغیر لازم ہے اور الکاسات کی وجہ سے اس کا لال
ہونا ظاہر طبقہ کے بعض بعض حصہ میں جب اجزائے ارضی کی آمیزش اس طرح ہو
کہ درمیانی حصہ خالی رہ جائے تو وہی ابواب اور درزیں ہیں فلاسفہ اور اہل شریعت
میں سے جو لوگ آسمان کے قائل نہیں ہیں ان کے نزدیک مادون الارض
غیر محدود فضا نہیں ہے ضرر یہ ہو سکتا۔ حکیم فیثاغورث زمین کی حرکت کا قائل
ہے اور وجود سماوات کا (جیسا کہ بطلیموس کا مذہب ہے) منکر ہے حکیم بطلیموس
سکون زمین اور وجود و حرکت آسمان کا قائل ہے اور اسی کو اہل اسلام نے تسلیم
کیا فرق یہ ہے کہ بطلیموس تمام آسمانوں کو ایک دوسرے سے چپکا ہوا مانتا ہے
جیسے پیاز کے چھلکے اور شریعت محمدیہ والے ہر دو آسمانوں کے درمیان
ایک وسیع فضا پانچ سو برس کے راہ کے مساوی مانتے ہیں آسمان بطلیموس کے
نزدیک ناقابل خرق والتیام ہے اور حکمائے اسلام کے نزدیک قابل خرق
والتیام ہے دلیل عقلی نہ تو وجود فلک پر قائم ہے نہ اس کے عدم وجود پر اور
جو دلیلیں پیش کیجاتی ہیں وہ سب ناقص و کمزور ہیں فیثاغورث کے نظام پر
ستارے کچھ ساکن ہیں کچھ متحرک ہیں اور حرکات تابع کشش ہیں آفتاب اس

نظام کیلئے ساکن ہے زمین اور دوسرے سیارے باقتضائے کشش آفتاب کے گرد پھرتے ہیں۔ زمین کی دو حرکتیں ہیں ایک گرد آفتاب کے جس کے دورہ کو سال کہتے ہیں دوسری حرکت اپنے محور پر جس سے رات دن پیدا ہوتے ہیں بطلیموس کے نظام پر سات سیارے سات آسمانوں میں ہیں اور باقی سب ستارے آٹھویں آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ نتائج حرکات کے لحاظ سے ضرور ہے کہ سیارات کے حرکات میں تناسب قایم رہے اس لئے ایک ایک آسمان کلی میں متعدد آسمان جزئی ماننے پڑے اور ان کے اصول پر اسوقت (۲۴) آسمان ہیں۔ اب (۶۴) سیارے ثابت ہوئے ہیں تو بطلیموسی اصول پر سیکڑوں آسمان ماننے پڑیں گے اور جتنے سیارات ثابت ہوتے جائیں گے اُسی کے حساب سے آسمانوں کی تعداد بڑھتی جائیگی اس کے علاوہ اب بہت سے سیارات کیساتھ اقمار (چاند) بھی ثابت ہوئے ہیں اور یہ کہ ایک ایک کے لئے متعدد بھی ہیں جن کی حرکات کے لئے بطلیموسیوں نے اصول مقرر نہیں کئے ہیں اور ان میں بہت سے اشکالات ہیں ان بطلیموسیوں نے آسمانوں کو اجسام کثیفہ اور پیاز کے چھلکوں کی طرح تہ بتہ مانا۔ آخری تہ کا آسمان جو تمام تہوں کو محیط ہے اور جو ان کے نزدیک تمام مخلوقات کا منتہا ہے اس کا نام فلک الافلاک اور محدد ہے یہ فلک الافلاک مع اور زمین آسمانوں (مدیر جوزہر۔ مائل) کے مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتا ہے باقی آسمان مغرب سے مشرق کی طرف گھومتے ہیں بطلیموسیوں کے گمان میں فلک محدد معمورۂ عالم کا منتہا جسکے پیچھے خلا ملا کچھ نہیں ہے گویا کہ اللہ تعالی نے اپنے ممالک مقبوضہ کی ایک دیوار کھینچ دی ہے پس بطلیموسیوں کے مذہب پر تمام صنعت خداوندی کا لب لباب آبادی زمین ہے اور فیثاغورثیوں کے ملک پر صنعت خداوندی غیر محدود اور لاانتہا

آبادیاں اور بے انتہا عالم ہیں۔ شان خداوندی کی عظمت نظام فیثا غورثی میں ہے نہ نظام بطلیموس میں۔ آجکل یورپ کے محققین علم ہیئات جو خیال وجود سماوات کی نسبت رکھتے ہیں دراصل وہ خیال قرآن کے مخالف نہیں ہے۔ قرآن نے اگرچہ آسمانوں کو نرا پول قرار نہیں دیا لیکن مادہ سماوی کو جو پول کے اندر بھرا ہے صلب اور کثیف اور مصر الخرق بھی نہیں بتایا بلکہ ہوا یا پانی کی طرح نرم اور لطیف مادہ قرار دیا جس میں ستارے تیرتے پھرتے ہیں چنانچہ قرآن کی آیات کریمہ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ اور ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ سے صاف ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں کوئی بات کسی علم و فن کے مسلمہ اصول کے خلاف نہیں ہے بلکہ یا تو ہماری فہم کا قصور ہے کہ ہم نے معانی قرآن میں غور و خوض سے کام نہیں لیا یا خود اس فن کا وہ مسئلہ ہی غلط ہے جسکو قرآن کا مخالف کہا جاتا ہے۔

پیشگوئی

(آئندہ)

آنکھوں کا پتھرانا۔ چاند گہن۔ چاند سورج کا جمع ہونا

جیسا کہ سورۃ القیامہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ ۝ فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ

وہ پوچھتا ہے کہ کب ہوگا روز قیامت کب ہوگا تو (اے محمد کہدو) کہ جب مارے ہیبت کے آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند ...

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ (دونوں) ایک جگہ جمع کردیئے جائیں۔

ف

چاند کے گہن سے بعض لوگوں نے تو یہی گہن مراد لیا ہے جو ہمیشہ ہوا کرتا ہے مگر یہ قول ساقط ہے کیونکہ ایسے گہن کو علامات قیامت سے کوئی مناسبت نہیں ہے بعض مفسرین نے چاند گہن سے اسکی روشنی کا زائل ہونا مراد لیا ہے اور یہی صحیح ہے چاند سورج کے جمع ہونے سے کیا مطلب ہے اس میں بھی بین المفسرین اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سورج اور چاند دونوں ایک جگہ جمع ہوجائیں گے اور اکثروں کا یہ مسلک ہے کہ چاند و سورج دونوں اکٹھے ہوں گے یعنی دونوں کی روشنی زائل ہوجائیگی۔

فلسفی اعتراض کرتا ہے کہ چاند سورج کا اکٹھا ہونا اور چاند میں گہن لگنا دونوں باتیں ایک وقت میں نہیں ہوسکتیں کیونکہ چاند میں گہن اسوقت لگتا ہے جب اس کے اور سورج کے بیچ میں زمین حائل ہوتی ہے تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی وقت میں دونوں اکٹھا بھی ہوں گے اور ایک دوسرے سے ہزاروں لاکھوں کوس کے فاصلہ پر بھی ہوں گے اور یہ اجتماع ضدین محال ہے

جواب

قرآن مجید میں یہ تو نہیں فرمایا گیا ہے کہ چاند گہن اور چاند سورج کا اجتماع ایک ہی آن میں ہوگا بلکہ ان دونوں خبروں کو صرف عاطفہ واؤ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو صرف جمع کے لئے آتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ قیامت سے پہلے چاند میں گہن لگیگا اور چاند سورج اکٹھا کیئے جائیں گے رہی یہ بات کہ

دونوں واقعات ساتھ ہوں گے یا فصل سے ہوں گے اور فصل سے ہوں گے
تو بیچ میں کتنا وقفہ ہوگا قرآن نے کچھ صراحت نہیں کی اس کے علاوہ چاند گہن
کی جو کیفیت بیان کیجاتی ہے وہ موجودہ نظام پر ہے مگر جب یہ نظام ہی درہم
برہم ہو جائیگا تو ممکن ہے کہ اسوقت کوئی اور حالت چاند گہن کا سبب ہو
اور چاند سورج اکٹھے بھی ہو جائیں واللہ اعلم۔

پیشگوئی

(آیندہ)

آسمان کا پھٹنا ستاروں کا جھڑنا سمندروں کا بہ جانا قبروں کا اکھڑنا اور مخلوق کی حالت

پہلی آیت سورۃ الانفطار میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ
وَإِذَا الْكَوَاكِبُ
انْتَثَرَتْ وَإِذَا الْبِحَارُ
فُجِّرَتْ وَإِذَا الْقُبُورُ
بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ
مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ

جب کہ آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے
جھڑ پڑیں اور جب دریاؤں کو (انکی اصلی
جگہ سے اچھال کر دوسری طرف کو) بہا دیا
جائے اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں
(اسوقت) ہر شخص جان لیگا کہ اس نے کیسے
عمل پہلے سے (زاد آخرت بنا کر) بھیج ہیں اور پیچھے چھوڑ آیا ہے

ف

قرآن میں قیامت کی آمد کی باتوں ۔ ۔ بتایا گیا ہے مثلاً زمین کا زلزلہ پہاڑوں کا اڑے اڑے پھرنا اور ٹکرا کر چکنا چور ہو جانا۔ دریاؤں اور سمندروں کا اپنی حد سے باہر بہ جانا ستاروں کا جھڑ پڑنا۔ چاند سورج کا بے نور ہو جانا وغیرہ۔ یہ بھی ایک حادثہ بتایا گیا ہے کہ سمندر اور دریا اپنا پٹیا چھوڑ دیں گے۔ یا توان میں پہاڑوں کا ملبہ آ بھرے گا یا ٹکر کے صدمہ سے پانی اچھل اچھل کر چاروں طرف بہا بہا پھرے گا غرض ہوگی بڑی آفت تفصیلی کیفیت اللہ کو معلوم ہے۔

دوسری آیت سورۃ المرسلات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَاۤءُ فُرِجَتْ ۝ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ۔

تو جب ستارے ماند پڑ جائیں اور جب آسمان پھٹ جائے اور جب پہاڑ اڑا جائیں اور جب پیغمبر وقت مقرر پر حاضر کئے جائیں (اسوقت سمجھو کہ قیامت ہوئی لیکن یہ واقعات) کس دن کے لئے ملتوی ہیں؟ فیصلے کے دن کے لئے۔

ف

یہ سب قیامت کے متعلق پیشنگوئیاں ہیں۔ اول ستاروں کا بے نور ہونا دوسرے آسمانوں کا پھٹ جانا۔ تیسرے پہاڑوں کا اڑا دیا جانا۔ چوتھے وقت مقررہ پر پیغمبروں کا حاضر کیا جانا۔

فیثاغورث کے مذہب پر عالم غیر متناہی ہے۔ جس زمین پر ہم آباد ہیں

ایسی اور اس سے زیادہ لاکھوں کروروں اور غیر متناہی کرے اور عالم ہیں۔ پس یہ ضرور نہیں ہے کہ ایک ہی وقت میں تمام قیامت آجاسے ممکن ہے کہ وقتاً فوقتاً ہر کرہ میں قیامت آتی رہے اور جب کرہ درہم برہم ہوجا تو اس کے غبار سے ستاروں کا بے نور ہوجانا ظاہر ہے۔

لطیفہ

آیت میں (اِذَا السَّمَاءُ) فُرِجَتْ کا لفظ ہے۔ فرج کے معنی کشادہ کرنے کے ہیں پس اس سے آسمانوں کا نرم اور طبقہ ہوائی ہونا مترشح ہے جیسا کہ محققین اہل یورپ کا مسلک ہے۔

پیشگوئی

(آئندہ)

زمین کا دھکّوں سے چکناچور ہوجانا

پہلی آیت سورۃ النازعات میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ قُلُوْبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ اَبْصَارُهَا	جب کہ زمین لرز جائے اور (ایک) زلزلہ کے بعد دوسرا زلزلہ آئے اسدن (بہت سی لوگوں کے) دل دھڑک رہے ہونگے اور مارے رنج و ہیبت کے انکی نظریں۔

خَاشِعَةً ۔	جھکی ہوئی ہونگی ۔

دوسری آیت سورۃ الزلزال میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۔	جب زمین بڑے زور سے ہلا دیجائیگی اور یہی زمین اپنے دفینے (معدنیات اور مردے وغیرہ سب نکال کر پھینکدیگی

تیسری آیت سورۃ الفجر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا	ہاں ہاں جس روز زمین مارے دھکوں کے چکنا چور ہو جائے گی۔

ف

اس زمانہ میں علم ہیأت نے بڑی ترقی کی ہے اور بڑے بڑے پتلے کی دوربینیں ایجاد ہوئی ہیں جن سے کروروں کوس کے فاصلہ کی چیزیں ایسی دکھائی دیتی ہیں جیسے پاس رکھی ہوئی ہیں تو تحقیقات جدیدہ کا نتیجہ یہ ہے کہ تمام اجرام فلکی بڑے بڑے گولے ہیں اور زمین ان میں سے بعض کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے مٹکے کے مقابلہ میں رائی کا دانہ اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ہماری زمین کی طرح اور کرے بھی آباد ہیں خدا نے تمام اجسام میں کشش کی قوت رکھی ہے جس کے ذریعہ سے یہ سب گھوم رہے ہیں۔

جب ان باتوں کو آثار قیامت سے ملا کر دیکھا جاتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کشش کو سلب کرکے یا کسی اور طرح پر اس تمام انتظام کو درہم برہم کر دے گا۔ یہ سب ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور ایسی

بڑی آفت ہوگی جسکو کوئی فرد بشر سمجھ نہیں سکتا۔ ان چیزوں کے مقابلہ میں ریل کی کچھ حقیقت نہیں ہے لیکن جب کبھی ریلیں لڑ گئی ہیں تو ایسی مصیبت واقع ہوئی ہے کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

قدیم فلسفہ والے زمین کو ساکن سمجھتے تھے۔ اب اسکا سیّارہ ہونا ثابت مان لیا گیا ہے فلاسفۂ متقدمین کے نزدیک صرف سات سیّارے تھے اب ان کے علاوہ اور بھی سیّارے ثابت ہوے ہیں غرض یہ سب صاف دلیلیں ہیں اس امر کی کہ انسان محدود العلم پیدا ہوا ہے وہ ترقی کے کتنا ہی بلند زینہ پر پہنچ جائے پھر بھی اپنی جگہ پر ناقص ہے وہ کبھی دعوی نہیں کر سکتا کہ ہم نے کچھ دریافت کر لیا ہے یہی صحیح اور قطعی ہے یا جہانتک ہم نے ترقی کی ہے یہی ترقی کی آخری حد ہے اب اس سے آگے ترقی نہیں ہو سکتی۔

اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ معلوم شدہ سیّاروں اور ستاروں اور اجرام علویہ کے علاوہ معلوم نہیں کتنے اجرام و سیّارے ہوں گے جہاں تک انسان کی پہونچ نہیں ہوئی اور ممکن ہے کہ آگے چلکر اور بھی رازوں کا انکشاف ہو۔

ہو سکتا ہے کہ ان اجرام معلوم و نامعلوم میں سے کچھ سیّارے ایک ممتد زمانہ کے بعد گردش کرتے ہوے اس حد تک پہونچیں جن کے قرب سے موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے قوت جذب و انجذاب کو نقصان پہنچے اور کرۂ ارض ٹکر کھاکر پرزے پرزے ہو جائے اور پہاڑوں وغیرہ کا وہی حال ہو جائے جیسا کہ قرآن مجید میں مصرح ہے۔

پیشگوئی

(آئندہ)

صور کا پھونکا جانا اور تمام زندوں کا مر کر پھر زندہ ہونا

پہلی آیت سورۃ الزمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ

اور (اول بار) صور پھونکا جائیگا تو جو (مخلوقات) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اُن سب پر (موت کی) بیہوشی طاری ہو جائیگی مگر جس کو خدا چاہے پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو سب کے سب یکدم (اپنی قبروں سے نکلکر) کھڑے ہو جائینگے (اور) ہر طرف دیکھنے لگیں گے۔

دوسری آیت سورۃ الحاقہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ

پھر جب صور میں (پہلی) ایک پھونک ماری جائیگی اور زمین اور پہاڑ دونوں کو اُٹھا کر ایک ہی بار اُن کو ریزہ ریزہ کر دیا جائیگا تو قیامت جو چار و ناچار ہونیوالی ہے اسدن ہو جائیگی اور آسمان پھٹ جائیگا اور وہ اسدن بہت بودا ہوگا

تیسری آیت سورۃ القمر میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَوْمَ یَدْعُ الدَّاعِ اِلٰی شَیْءٍ نُّکُرٍ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ کَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ

جسدن بلانیوالا (اسرافیل) انکو ایسی چیز کی طرف بلائیگا جس سے (ان کے ذہن بھی) آشنا نہیں ان کی نظریں جھکی ہوں گی (تو اس روز) قبروں میں سے (اس طرح) نکل پڑینگے کہ گویا یہ ٹڈیاں ہیں پھیلی ہوئی۔

ف

ان آیات میں چار پیشنگوئیاں ہیں۔

پہلی پیشنگوئی

صور کا پھونکا جانا جسکی کیفیت یہ ہے کہ صور کے پہلی مرتبہ کے پھونکے جانے میں زمین اور آسمانوں کی تمام مخلوقات موت کی بیہوشی میں مبتلا ہوجائینگی مگر جن کا بیہوش ہونا اللہ نہ چاہیگا وہ اس سے متاثر نہ ہوں گے پھر جب دوسری مرتبہ صور پھنکیگا تو سب زندہ ہوکر قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ لغت میں صور کے معنی سینگڑے کے لکھے ہیں جو پھونک کر بجایا جاتا ہے اب سینگڑے کی جگہ تُرہی یا بگل کام میں لاتے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ وہ صور جس کے پھونکے جانے سے زمین و آسمان کی ساری مخلوقات بیہوش ہوجائینگی اور دوبارہ پھونکے جانے سے، ابتدائے

ے حدیثوں میں وہ شخص حضرت موسیٰ ہیں۔

آفرینش سے اسوقت تک کے تمام مردے قبروں سے نکل کھڑے ہونگے کیا واقعی سینگڑا ہوگا یا کیا۔

ہم کو صور کی حقیقت نہیں بتائی گئی ہے لہذا قرآن کے کلام الہی ماننے والوں کو اسپر ایمان لانا بس ہے کہ صور پھونکا جائیگا اور اس کا یہ اثر مترتب ہوگا اور منکریں کو اس پیشنگوئی کے پورے ہونیکا انتظار کرنا چاہیئے تا آنکہ پوری ہو اور وہ دن آجائے جب ان کو سوائے ندامت و پشیمانی کے کوئی مفر نظر نہ آئیگا۔

صور کا وجود اور اس کا وہ اثر جو قرآن میں بتایا گیا ہے خلاف عقل نہیں ہے نہ اس کے امتناع پر کوئی عقلی بینہ موجود ہے کیا قادر مطلق ایسے ابداع پہ قدرت نہیں رکھتا ؟ ضرور رکھتا ہے۔

دوسری پیشنگوئی

صور کی پہلی آواز میں تمام جانداروں کا مرجانا اور دوسری مرتبہ میں سب کا زندہ ہوکر قبروں سے نکل پڑنا۔

تیسری پیشنگوئی

زمین اور پہاڑوں کا ایک ہی مرتبہ ٹکراکر ریزہ ریزہ کردیا جانا۔

چوتھی پیشنگوئی

آسمانوں کا پھٹ پڑنا اور اُن کا گُپھا ہوجانا۔

یہ پیشنگوئیاں زمانہ آئندہ اور آخرت سے متعلق ہیں جن کی نسبت

زیادہ بحث کرنے سے ہم نے اعراض کیا ہے کیونکہ وہ قیامت کی پیشنگوئیاں
ہیں اور اس کتاب میں ہم نے ان پیشنگوئیوں کے لکھنے کا وعدہ کیا ہے
جو پوری ہوگئیں یا ہو رہی ہیں وقد فعلت کما وعدت بمنہ تعالےٰ
وکرمہ و بہ نستعین والحمد للہ رب العالمین فقط والسلام علےٰ
سید الانام الیٰ یوم القیام

تمت

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۳	۲۴۹	۲	دی جاسکے	دیا جاسکے	۴۷	۲۹۵	۵	احسدا	احدا
۳۴	″	۹	حقیقت	حقیت	۴۸	″	۹	لَئِنْ اُخْرِجُوْنَ مہسم	لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَھُمْ
۳۵	۲۵۸	۱۲	آخرت اس کی	آخرت اور اس کی					
۳۶	۲۵۹	۴	جب	حُب	۴۹	۲۹۷	۱۳	گھبرا اٹھتے	گھبرا اٹھے
۳۷	۲۶۸	۱۳	تم اور عیسائی اہل فارس ہم مذہب ہیں [illegible] اس لئے	تم اور عیسائی اور ہم اور اہل فارس ہم مذہب ہیں اس لئے	۵۰	۳۱۳	۱۰	فتح مکہ کے دن نکاح	نکاح
					۵۱	۳۱۷	۱۳	کمبخنت	کمبخت
					۵۲	۱۲۳	۳	اللہ تعالیٰ	اللہ تعالیٰ نے
					۵۳	۳۲۵	۱۲	نگہ نہیں	نگرانہیں
					۵۴	۳۳۲	۱	اور اسی	اور وہ اسی
۳۸	″	۱۰	اہل پہ	اہل فارس پر	۵۵	″	۱۹	حدیبیہ ہوئی	جنگ حدیبیہ ہوئی
۳۹	″	۲۱	تم اپنے	تم کو اپنے	۵۶	۳۳۶	۱۳	انفار اللہ	انتشار اللہ
۴۰	۲۶۱	۱۱	سَیَغْلِبُوْنَ	سَیَغْلِبُوْنَ	۵۷	۳۳۸	۳	روندوں	روندن
۴۱	″	۲۱	فتح ہونا	فتح پانا	۵۸	۳۴۴	۱۶	ملک سلطنت	ملک وسلطنت
۴۲	۲۶۳	۳	ساتوں	ساتویں	۵۹	۳۴۵	۹	اور اُن کے	ان کے
۴۳	۲۶۹	۱۲	دَاھْجُرُوھُمْ	وَاھْجُرُوھُمْ					
۴۴	″	۱۲	دولدہی	وولدہی	۶۰	″	۱۳	پرواے	پروے
۴۵	۲۸۰	۴	غیران خدا	شہران خدا	۶۱	۳۵۱	۱۵	خو	جو
۴۶	۲۸۲	۶	پیغمبر خدا کے ذبح کر سکے	پیغمبر خدا ذبح کر سکی	۶۲	۳۵۳	۳	جنگ کی نسبت	جنگ کی نوبت پہونچی

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۳	۳۵۸	۹	خد	خدا
۶۴	"	۱۵	ور	اور
۶۵	۳۶۰	۵	مسلمان پر	اسلام پر
۶۶	۳۶۱	۱	سورۃ الحاق	سورۃ العلق
۶۷	۳۶۳	۴	کے سکے	کے لئے
۶۸	۳۷۳	۱۳	کرے	کرے گا
۶۹	۳۸۲	۶	جبکہ بلکہ	بلکہ
۷۰	۳۸۴	۱۵	گرٹے	گرڑھے
۷۱	۳۸۸	۳	سزدیگا	سزا دیگا
۷۲	"	۱۳	چیھڑ خانی	چھیڑ خانی
۷۳	۳۹۳	۱۵	بسرکرینگے	بسر کرینگے
۷۴	"	۱۸	اسلام	اسلام میں
۷۵	۴۰۸	۶	یہودی سوے	یہودی سوائے
۷۶	۴۱۹	۹	محاجرین	مہاجرین
۷۷	۴۲۶	۱۵	خدا انکون کی	خدا ان کو ان کی
۷۸	۴۴۴	۱	عورتوں کے حسن اور	عورتوں اور
۷۹	۴۴۴	۸	آہستہ	آہستہ آہستہ
۸۰	۴۵۸	۵	سرکار	سردار
۸۱	۴۰۰	۵	اس ناکافی	اس کافی
۸۲	۴۹۰	۷	عور	عورت
۸۳	۴۹۶	۳	رسول اللہ صلعم تھے	رسول اللہ صلعم نے
۸۴	۵۰۲	۱۰	لوگ رو	لوگ خود بخود
۸۵	۵۰۴	۷	سب کے	عرب کے
۸۶	"	۱۲	پورے	پورے اتری
۸۷	۵۲۲	۶	اکثر تو	اکثر پر تو
۸۸	۵۲۳	۱۴	المومنون	منھم المومنون
۸۹	۵۳۰	۲	مین کے	میں کئی
۹۰	۵۳۷	۸	کہیبی	کھیتی
۹۱	۵۳۹	۱۱	ارہوئی	امرو ہوئی
۹۲	"	۱۹	حالت میں	حالت میں ہیں
۹۳	۵۴۳	۱۱	مافوق البشریت	مافوق البشر
۹۴	۵۵۱	۲۰	مہمان	مسلمان
۹۵	۵۵۴	۱۸	خامۃ الناس	کافۃ الناس
۹۶	۵۵۸	۵	یہ لحاظ	بلحاظ
۹۷	۵۶۱	۲۰	زمانہ وجود	زمانہ موجود
۹۸	۵۶۷	۱۵	مہذصب	مہذب
۹۹	۵۹۷	۱۸	حدیث یہ	حدیث کی یہ

مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن کا مفید سلسلۂ اشاعت

حکمت بالغہ جلد دوم - یہ کتاب ایک مقدمہ اور دو بابوں پر ختم ہوئی ہے مقدمۂ کتاب میں نبوت کی مکمل اور نہایت محققانہ تعریف کی گئی ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم کی ختم نبوت سے بحث کر کے آیت خاتم النبیین کی لاجواب تفسیر کی ہے پہلے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سر کرآرا پیشنگوئیوں کو مرتب کیا ہے جو کتب حدیث کی تدوین کے بعد پوری ہوئیں اور ابتک پوری ہوتی جاتی ہیں - دوسرے باب میں ان پیشنگوئیوں کو لکھا ہے جو تدوین کتب حدیث کے پہلے ہی پوری ہو چکی تھیں پہلی قسم پیغمبر اسلام علیہ السلام کی حقیت نبوت پر ایک قوی بینہ ہے اور دوسری قسم میں معلومات عجیبہ کا بیش بہا ذخیرہ ہے حجم ۲۱۴ صفحہ قیمت فی جلد ۲ر

حکمت بالغہ جلد سوم - اس کتاب کا مقدمہ قابل دید اور علامہ مولف کی تبحر علمی کا روشن ثبوت ہے اس میں عقل و نقل اور علماے یورپ کے مستند اقوال سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امی محض ہونے پر ایسے بہترین دلائل قائم کئے گئے ہیں جن سے کوئی ذی ہوش مخالف انکار نہیں کر سکتا اور علماے مسیحی کے اعتراضات کا ایسا کافی جواب دیا گیا ہے کہ پھر انکار کی مطلق گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مقدمہ ختم کر چکنے کے بعد قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر بڑی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں -

سفرنامہ حرمین شریفین - از تصانیف عالم باعمل فاضل بے بدل جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول حامی شریعت واقف طریقت عارف حقیقت مولانا الحاج مولوی محمد محی الدین حسین صاحب صدر مدرس مدرسہ لطیفیہ ویلور دام فضلہ و عم فیضہ المولوی

جس میں قاصدین بیت اللہ وزائرین روضۂ سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات
کیلئے سفر حجاز کی تسہیلات اور مفید تجربات کے جمع کرنے کے علاوہ بہت سے
تمدنی اور معاشرتی امور میں مورخانہ اور محققانہ روش اختیار کی گئی ہے اور [illegible]
مباحث سے کتاب کو زینت دی گئی ہے۔ حجم ۳۴۳ صفحہ قیمت ۱۲ / ۶

زاد السبیل الی دار الخلیل ۔ مولفہ مولانا مولوی مفتی محمد سعد اللہ خاں صاحب مرحوم
یہ رسالہ حجاج وزائرین بیت اللہ کیلئے نہایت مفید ہے اس میں مناسک
وفضائل حج وعمرہ وممنوعات ومکروہات احرام وخلیہ ہائے حج ومقامات
قبولیت دعا وبقاع متبرکہ وغیرہ معتبر کتب فقہ سے اخذ کر کے نہایت خوبی
کیساتھ لکھے گئے ہیں یہ رسالہ پیشتر دو دفعہ چھپا تھا لیکن ایک مجلس اشاعۃ العلوم
نے ایک جدید تہذیب اور دلکش طرز سے اسکو مرتب کر کے اپنے سلسلہ
اشاعت میں داخل کر لیا ہے چھپائی عمدہ۔ کاغذ سفید چکنا ۔ ۲۶ پونڈ کا
حجم ۱۳۷ صفحات قیمت ۴/

العروۃ الوثقیٰ ۔ مولفہ جناب مولوی سید غلام محمد برہان الدین صاحب قادری
مہاجر یہ رسالہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے مولف سلمہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت مبارک اور فضائل رویت بہت عمدگی
کے ساتھ بیان کئے ہیں اور یہ اپنے رنگ میں بہت عمدہ رسالہ ہے
حجم ۱۶۴ صفحات قیمت ۲/

الوسیلۃ العظمیٰ مولفہ جناب مولوی سید غلام محمد برہان الدین صاحب
قادری مہاجر یہ رسالہ بھی سلیس عربی زبان میں لکھا گیا ہے مولف سلمہ اللہ نے
اس رسالہ میں آنحضرت [illegible] کے ذکر ولادت باسعادت کے وقت
[illegible] قیام [illegible] دلائل عقلیہ ونقلیہ سے اچھی طرح